الزہراء

از
فوق بیگم اہلیہ سید ولادت حیدر

فہرست مضامین کتاب الزہرا البتول احوال جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہا

تمت بالخیر

کافی ہے ہماری پردہ پوشی کے لیے
دامانِ علیؑ اور ردائے زہراؑ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہٖ اَجْمَعِیْن

اسم مطہر آپ کا **فاطمہ** سلام اللہ علیہا۔ کنیت **اُمّ الحسنینؑ** اُمّ السبطینؑ مشہور ترین **اُمّ الائمہ**۔ القاب مبارک **البتول** الزہرا۔ **سیدۃ النساء۔ افضل النساء و خیر النساء** مریم الکبریٰ۔ **الحوراء الانسیہ۔ المبارکہ۔ الطاہرہ**۔ المرضیہ۔ **المحدثہ اور الصدیقہ**۔

فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کی وجہ تسمیہ کے متعلق سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انما سمیت ابنتی فاطمۃ لان اللہ فطمہا وفطم محبیہا من النار۔

فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ میں نے اپنی بیٹی (فاطمہؑ) کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا ہے کہ خداوند عالم نے اسکو اور اسکے دوستوں کو آتش دوزخ سے جدا فرمایا ہے۔

اسی روایت کو صواعق محرقہ میں ابن حجر نے حافظ ابو نعیم اور علامہ ابو القاسم دمشقی کی اسناد سے۔ اور ینابیع المودہ میں امام قندوزی نے امام دیلمی اور امام طبری کی اسناد سے تحریر کیا ہے۔ نیز علامہ مجلسی نور اللہ مرقدہ نے جلاء العیون جلد اول میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اسناد سے قلمبند فرمایا ہے۔

البتول۔ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انما سمیت فاطمۃ البتول لانھا تبتلت من الحیض والنفاس لان ذالک عیب فی بنات الانبیاء او قال نقصان۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام بتول اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ حیض و نفاس سے پاک و صاف تھیں کیونکہ دختران انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے لیے یہ عیب ہے۔ اور بعض متون احادیث میں عیب کی جگہ نقصان کا لفظ آیا ہے۔

علامہ قندوزی۔ ابن حجر۔ طبری۔ دیلمی اور علامہ مجلسیؒ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

العذراء۔ تابندہ اور روشن کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے تفصیل اسکی الزہرا میں بیان کی گئی ہے۔

الزہرا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا نام زہرا اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ جب محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور

اہلِ آسمان کو روشنی پہنچاتا تھا، اسی طرح کہ ستارے اہلِ زمین کو روشنی بخشتے تھے۔ رسالہ خاتونِ جنت کے مؤلف لکھتے ہیں کہ کمالِ حسن کی وجہ سے حضرت سرورِ کائنات آپ کو الزہرا کے نام سے پکارتے [illegible] زہرا کے لغوی معنی کے متعلق تشریح [illegible] ہیں۔

زہرا حضرت زبیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ کا لقب ہے جو زہرہ سے مشتق ہے جس کے معنی سپیدی، حسن، شگوفہ وغیرہ کے ہیں۔ زہرہ کا اسم [illegible] زہرا ہے۔ اسلئے حضرت سیدۃ النساء کا لقب زہرا (فتح زا [illegible]) پڑھنا چاہیے۔

پھر تنبیہ کی سرخی سے لکھتے ہیں۔ غالباً یہ ظاہر کر دینا ضروری ہوگا کہ آپ کا لقب زہرا کیوں تھا۔ چونکہ عام لوگوں کو اسکی وجہ معلوم نہیں ہے سو واضح ہو کہ حضرت سیدہ [illegible] باوجودیکہ حضرت تمام عمر پاک رہیں اور [illegible] کے بعد حیض و نفاس کے دن کے حضرت کبھی اللہ تعالیٰ نے آپکو محفوظ رکھا۔ آپکی کوئی نماز ان ضروری ایام میں بھی کبھی فوت نہیں ہوئی پس زہرا بمعنی طاہرہ ہے۔ جس کے معنی پاک ہیں مذکورہ بالا وجہ ہے آپ کو اس لقب سے ملقب کیا گیا۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ توجیہ بالا کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔ نہ خود قابل مؤلف نے زہرا کے لغوی معنوں کی تصریح میں طاہرہ کے معنی لکھے ہیں ممکن ہے کہ لفظ بتول کی تحقیق سے توارد ہو گیا ہو۔

سیدۃ النساء۔ حافظ دمشقی لکھتے ہیں "فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ" فاطمہ سلام اللہ علیہا خواتین جنت کی سردار ہیں۔

سیدۃ نساء العالمین۔ عن عمران ابن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم عاد فاطمۃ وھی مریضۃ فقال کیف حالک یا بنیۃ قالت انی وجعۃ وبزید وجعی جوعی وما لی طعام اکلہ فقال یا بنیۃ اما ترضین انک سیدۃ نساء العالمین (ذخائر العقبیٰ)

عمران ابن حصین سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ علیہا السلام کی عیادت کو تشریف لیگئے کہ وہ مریض تھیں۔ استفسار فرمایا بیٹی! مزاج کیسا ہے؟ صاحبزادی نے جواب دیا درد کی شدت ہے اور درد کو فاقہ نے اور [illegible] کہ گھر میں دانہ نہیں جسے میں کھاؤں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے میری پیاری بیٹی [illegible] خوش ہو گی کہ تم تمام خواتین عالم کی [illegible]

افضل النساء و خیر النساء۔ یہ دونوں القاب [illegible] اہل الجنۃ اور سیدۃ نساء العالمین کی اشاعت [illegible] علی اہل البصیرۃ۔

مریم الکبریٰ۔ جناب سیدۃ العالمین [illegible] صاحبزادی اور حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم [illegible] گرامی ہونیکے شرف مخصوص کی وجہ سے [illegible] فاضل علی المفضول حاصل ہے حقیقت میں [illegible] حضرت فاطمہؑ کے باپ کے مقابل ثابت [illegible] کی اولاد [illegible] مساوی۔

الحوراء الانسیہ۔ امام طبری نے بشارۃ المصطفیٰ [illegible] میں لکھا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] ابنتی حوراء الادمیۃ۔ فرمایا رسول خدا [illegible] نے کہ میری بیٹی فاطمہ ایک حور ہے انسانی [illegible]

روض الفائق میں تحریر ہے عن انس ابن مالک قال قال رسول اللہ فاطمۃ بضعۃ منی و فاطمۃ حوراء الانسیۃ [illegible] کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری بیٹی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور فاطمہؑ ایک حور ہے بصورت انسانی ہیں۔

المبارکہ۔ ملا [illegible] مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ [illegible] سلام اللہ علیہا تمام صفات علم و کمال اور کرم و احترام میں [illegible] با برکت تھیں اسی وجہ سے آپکو مبارکہ کہا گیا ہے۔

الطاہرہ کسی تصریح کا محتاج نہیں۔ باتفاق مفسرین آیۂ تطہیر کی شان نزول میں آپ بدرجۂ اولی شریک تھیں اسلئے اس [illegible] کی بھی بدرجۂ اولی مستحق ہیں۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اور ملا مجلسی نے جلاء العیون میں آپکے القاب کی تفصیل میں اس لقب کو بھی داخل کیا ہے۔

الراضیہ۔ نزل الابرار اور جلاء العیون میں یہ لقب بھی مندرج ہے۔ اور رسالہ خاتون جنت کے مؤلف نے بھی اسکو نزل الابرار سے نقل کیا ہے (ص ۴۴)

الزہرا۔ نزل الابرار اور جلاء العیون میں یہ لقب بھی مندرج اور رسالہ خاتونِ جنت نے بھی لکھا ہے۔

المحدثہ ۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اسکو لکھا ہے مگر کوئی توجیہ نہیں کی ہے۔ ممکن ہے کہ ایام حمل میں اپنی مادر گرامی قدر جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے ہمیشہ باتیں کرنے اور اُن کو اُنکے حزن و ملال میں تسکین و تشفی دینے کی خاص وجہ سے آپکو محدثہ کہا گیا ہو۔ مگر علمائے اہلبیت رحمہم اللہ تعالےٰ نے جو اسکی تخصیص میں توجیہ فرمائی ہے وہ ہم ملائے مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب جلاء العیون سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

فرشتگان رحمت آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ عیون المعجزات میں حضرت عمار ابن یاسر سے منقول ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ جناب فاطمہؑ کے پاس آئے۔ جب نظر جناب سیّدہ کی جناب امیرؑ پر پڑی تو فرمایا یا علیؑ میرے نزدیک آؤ کہ میں تم کو گزشتہ اور آیندہ قیامت تک کی خبر دوں اور جو کچھ نہ ہوگا اسکی بھی خبر دوں۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے یہ بات سُنی تو آپ وہاں سے لوٹے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آنحضرتؐ کی نظر آپ پر پڑی تو فرمایا کہ یا علیؑ میرے نزدیک آؤ جب آپ نزدیک آئے تو ارشاد ہوا کہ اے ابوالحسنؑ تمکو کیا منظور ہے میں خود بیان کروں جو تم مجھ کو کہنے آئے ہو یا تم آپ بیان کروگے۔ آپ نے عرض کی آپکا فرمانا میرے بیان کرنے سے بہتر ہوگا۔ پس جو کچھ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد کیا تھا وہ پورا پورا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے دُہرا دیا۔ اور فرمایا یا علیؑ فاطمہ کا نور میرے نور سے ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی اسناد سے منقول ہے کہ جب جناب سیّدہ پیدا ہوئیں تو حق تعالےٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا جس نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر جاری کیا کہ جناب سیّدہ کا نام فاطمہ رکھا گیا پس حق تعالےٰ کی طرف سے اُس فرشتے نے خطاب کیا کہ اے فاطمہؑ تم کو جہل سے سوئے علم میں نے علیحدہ کیا اور تم کو حیض ہونے سے باز رکھا۔

محدثہ تقیہ ۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اور اُنسے مؤلف رسالۂ خاتون جنت نے نقل کیا ہے اور علمائے اہلبیت طاہرین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس لقب کو آپ کے القاب مخصوصہ میں اس خصوصیت کے ساتھ شمار کیا ہے کہ پھر آپکے مقابلہ میں کوئی دوسرا اسکا مستحق نہیں ہوسکتا۔

ترکیب خلقتِ نورِ جناب سیّدہؑ سے لیکر استقرارِ حمل تک کے حالات

عیون المعجزات میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرمایا کہ آیا نورِ فاطمہؑ کی ترکیب میرے نور سے ہوئی ہے۔ ارشاد ہوا مگر یا علیؑ تمہیں نہیں معلوم کہ فاطمہؑ کا نور میرے نور سے ہے یہ سُنکر جناب امیرؑ سجدہ شکر بجا لائے اور جناب فاطمہؑ کی طرف مراجعت فرمائی۔ جناب سیّدہ نے فرمایا کہ آپ میرے والد ماجد کے پاس گئے اور جو کچھ میں نے آپ سے عرض کیا تھا وہ اُنسے دریافت کیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ضرور۔ تب جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد کیا اے ابوالحسنؑ اب دیکھئے حق تعالےٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اور میرا نور حق تعالےٰ کی تسبیح کرتا رہا۔ پس میرے نور کو ایک درخت میں درختہائے بہشت سے سپرد کیا اور وہ درخت میرے نور سے روشن ہوگیا پس جب شب معراج میرے والد ماجد داخلِ بہشت ہوئے حق تعالےٰ نے اُنہیں الہام فرمایا کہ اُس درخت سے میوہ توڑا اور تناول فرمایا پس میرا نطفہ اُنکے صلب مطہر میں بنا اور پھر اُن سے رحم خدیجہ بنت خویلد میں منتقل ہوا پس میں اُسی نور سے پیدا ہوئی علم گزشتہ و آیندہ کو جانتی ہوں اے ابوالحسنؑ مومن بنور الٰہی دیکھتا ہے وللہ در القائل ؎

آندم کہ خانہ بر در کونے تو ساختم ٭ آدم ہنوز محرم خلد بریں نبود

آندم کہ ما ببار کرامت در آمدیم ٭ جبریلؑ بر خزانۂ رحمت امیں نبود

سیّد علی ہمدانی مودۃ القربیٰ کے باب یازدہم میں جناب سیّدہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کی خلقت نورانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

عن عبداللہ ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما خلق اللہ ادم وحوآء کانا یفتخران فی الجنۃ فقالا ما خلق اللہ خلقا احسن منا فبینما هما کذلک [illegible] جاریۃ [illegible] نور شعشعانی [illegible] یکاد ضوءہا [illegible] وعلیٰ [illegible]

قال ھذہ صورۃ فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم سید ولدک فقال فما ھذہ التاج علی رأسھا فقال ھذا بعلھا علی ابن ابیطالب علیہ السلام وقالا ما ھذا القرطان قال الحسن والحسین علیھما السلام ابناھا وجد ذلک فی غامض علمی قبل ان اخلقک بالفی عام۔

عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالے نے حضرت آدمؑ و حواؑ کو پیدا کیا تو وہ دونوں جنت میں فخر کرتے تھے۔ بالآخر اُنہوں نے فخر کیا کہ حق تعالے نے ہم سے بہتر کسی کو نہیں پیدا کیا ہے۔ اسی اثنا میں اُنہوں نے ایک صاحبزادی کی صورت کو دیکھا کہ نور اُسکے جمال سے چمک رہا ہے اور اُسکے سر پر ایک تاج ہے۔ اور اُسکے دونوں کانوں میں گوشوارے ہیں۔ تب اُنہوں نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی پروردگارا! یہ لڑکی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ اے آدمؑ و حواؑ! یہ فاطمہؑ کی صورت ہے جو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر ہے۔ جو سردارِ اولادِ آدمؑ ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ تاج اسکے سر پر کیسا ہے؟ حکم ہوا کہ یہ اُس کا شوہر علیؑ ابن ابیطالب ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ دو گوشوارے کیسے ہیں؟ فرمایا کہ یہ حسن حسین علیہما السلام اُسکے دونوں بیٹے ہیں۔ اسکا وجود میرے علم پوشیدہ میں تمہارے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے سے موجود ہے۔

اسی روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ نزہۃ المجالس میں امام کسائی کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور ملا حسین واعظ کاشفی نے روضۃ الشہداء میں اور غلام بہادر جناب سید احمد حسین صاحب رئیس پرپاواں نے عمدۃ المطالب میں اِنہی دونوں کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے مگر دو ہزار برس پہلے کی تعداد نہیں لکھی ہے۔

بہرحال جس طرح نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک خلقت کی قدامت احادیث متواترہ و متکاثرہ سے ثابت ہے اُسی طرح اس روایت سے جناب سیدہ و جناب علی مرتضےٰ و حضرات حسنین علیہم السلام کے انوار کی خلقت کی قدامت بھی واضح طور پر ثابت ہوگئی۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام کی نسبت۔ انھا من نوری کی بشارت اور بیان ہو چکی ہے۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے متعلق انا و علی من نور واحد کی معتبر و مستند حدیث موجود ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی شان میں الحسن قد ھب منی اور جناب امام حسین علیہ السلام کے لیے حسین منی و انا من الحسین (بخاری۔ ترمذی و ابن ماجہ) کی نصوص صحیحہ ہیں۔ تو پھر جناب سیدہ کی وحدت فی خلقۃ النور اور اسکے انوار و آثار قدامت کے متعلق کیا عذر ہو سکتا ہے ع ایں خانہ تمام آفتاب است۔ اسی جیسی اور روایتیں بھی میرے پیش نظر ہیں مگر بخوف طوالت قلم انداز کرتا ہوں۔

بہرحال جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی نورانی ترکیب خلقت اور اُس کی قدامت کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آپکے استقرار حمل کے حالات سے آغاز کرتے ہیں۔ علامہ نسفی وغیرہ تحریر فرماتے ہیں۔

دخل النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم الجنۃ لیلۃ المعراج وراء قصر خدیجۃ واخذ جبرئیل تفاحۃ من شجر القصر وقال یا محمد کل ھذہ التفاحۃ فان اللہ تعالیٰ یخلق منھا بنتاً تحمل بھا خدیجۃ ففعل فلما حملت خدیجۃ وجدت رائحۃ الجنۃ تسعۃ اشھر فلما وضعتھا انتقلت رائحۃ الیھا۔

امام نسفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب شب معراج جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت میں تشریف لے گئے اور آپ حضرت خدیجہ کے قصر میں داخل ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے ایک سیب اُسی قصر کے درخت میں سے لیکر کہا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سیب کو تناول فرمائیے۔ اسلیے کہ اللہ تعالے اس سے ایک لڑکی پیدا کریگا اور خدیجہ اُسکے ساتھ حاملہ ہونگی۔ پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو نو مہینے تک بہشت کی خوشبو اُن میں باقی رہی مگر جب وضع حمل ہو گیا تو وہ خوشبو جناب سیدہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ (شرف النبوۃ۔ ذخائر العقبیٰ) پھر باختلاف الفاظ یہی حدیث ام المومنین عائشہ سے بھی مروی ہے

قال هٰذه صورة فاطمة بنت محمّد صلّى الله عليه و آله وسلّم سيّد ولدك فقال لاما هٰذه التاج على رأسها فقال هٰذا بعلها على ابن ابيطالب عليه السلام وقالا ما هٰذا القرطان قال الحسن والحسين عليهما السلام ابناها وجد ذٰلك فی غامض علمي قبل ان اخلقك بالفي عام۔

عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ و حوّاؑ کو پیدا کیا تو وہ دونوں جنت میں فخر کرتے تھے۔ بالآخر اُنہوں نے فخر کیا کہ حق تعالےٰ نے ہم سے بہتر کسی کو نہیں پیدا کیا ہے۔ اسی اثنا میں اُنہوں نے ایک صاحبزادی کی صورت کو دیکھا کہ نور اُسکے جمال سے چمک رہا ہے اور اُسکے سر پر ایک تاج ہے۔ اور اُسکے دونوں کانوں میں گوشوارے ہیں۔ تب اُنہوں نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی پروردگارا! یہ لڑکی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ اے آدمؑ و حوّاؑ! یہ فاطمہؑ کی صورت ہے جو محمد صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر ہے۔ جو سردارِ اولادِ آدمؑ ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ تاج اسکے سر پر کیسا ہے؟ حکم ہوا کہ یہ اُس کا شوہر علیؑ ابن ابیطالب ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ دو گوشوارے کیسے ہیں؟ فرمایا کہ یہ حسن و حسین علیہما السلام اُسکے دونوں بیٹے ہیں۔ اسکا وجود میرے علم پوشیدہ میں تمہارے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے سے موجود ہے۔

اسی روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ نزہۃ المجالس میں امام کسائی کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور ملّا حسین واعظ کاشفی نے روضۃ الشہدا میں اور خان بہادر جناب سید احمد حسین صاحب رئیس پریانواں نے عمدۃ المطالب میں انہی دونوں کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے مگر دو ہزار برس پہلے کی تعداد نہیں لکھی ہے۔

بہر حال جس طرح نور محمدی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک خلقت کی قدامت احادیث متواترہ و متکاثرہ سے ثابت ہے اُسی طرح اس روایت سے جناب سیدہ و جناب علی مرتضےٰ و حضرات حسنین علیہم السلام کے انوار کی خلقت کی قدامت بھی واضح طور پر ثابت ہوگئی۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا الصّلوٰۃ والسّلام کی نسبت۔ انّها من نوري کی بشارت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق [illegible] علي مّن نور واحد کی معتبر و مستند حدیث موجود ہے۔ [illegible] امام حسن علیہ السلام کی شان میں الحسن فلذ هبتي [illegible] اور جناب امام حسین علیہ السلام کے لیے حسين منّي و انا من الحسين (بخاری۔ ترمذی و ابن ماجہ) کی نصوص صحیحہ ہیں۔ تو پھر جناب سیدہ کی وحدت فی خلقۃ النور یا اُسکے [illegible] آثار قدامت کے متعلق کیا عذر ہوسکتا ہے ع این خانہ تمام آفتاب است۔ اسی جیسی اور روایتیں بھی میرے پیش نظر ہیں۔ مگر بخوف طوالت قلم انداز کرتا ہوں۔

بہر حال جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی نورانی ترکیب خلقت [illegible] اُس کی قدامت کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آپکے استقرار حمل کے حالات سے آغاز کرتے ہیں۔ علامۂ نسفی وغیرہ [illegible] فرماتے ہیں۔

دخل النبي صلّى الله عليه واٰله وسلّم الجنّة ليلة المعراج وراء قصر خديجة واخذ جبرئيل تفاحة من شجر القصر وقال يا محمّد كُلْ هٰذه التفّاحة فانّ الله تعالىٰ يخلق منها بنتًا تحمل بها خديجة ففعل فلمّا حملت خديجة وجدت رائحة الجنّة تسعة اشهر فلمّا وضعتها انتقلت رائحة اليها۔

امام نسفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب شبِ معراج جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت میں تشریف لے گئے اور آپ حضرت خدیجہ کے قصر میں داخل ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے ایک سیب اُسی قصر کے درخت میں سے لیکر کہا کہ اے محمد صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس سیب کو تناول فرمائیے۔ اسلیے کہ اللہ تعالےٰ اس سے ایک لڑکی پیدا کریگا اور خدیجہ اُسکے ساتھ حاملہ ہونگی پس جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو نو مہینے تک بہشت کی خوشبو اُنکے بدن میں باقی رہی مگر جب وضع حمل ہوگیا تو وہ خوشبو جناب سیدہ کی طرف منتقل ہوگئی۔ (شرف النبوہ۔ ذخائر العقبیٰ) پھر باختلاف الفاظ یہی حدیث ام المومنین عائشہ سے بھی مروی ہے

حالانکہ وہ حضرتؐ ہر رسول و نبی سے بہتر ہیں۔ پس جناب فاطمہؑ نے اُنکے بطنِ مبارک سے آواز دی کہ اماں جان! تم کچھ رنج نہ کرو۔ اور خوف نہ کھاؤ کہ اللہ تعالیٰ میرے والد ماجد کے ساتھ ہے۔

(عمدۃ المطالب صفحہ ۱۷۹)

جلاء العیون میں مُلّائے مجلسی علیہ الرحمہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے عقد کیا تو زنانِ مکّہ بوجہ اُس عداوت کے جو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رکھتی تھیں آپ سے علیحدہ ہوگئیں۔ اور اُنکو سلام کرنا تک ترک کردیا۔ اور خود تو آنا جانا کجا کسی اور عورت کو بھی حضرت خدیجہ کے پاس نہ جانے دیتی تھیں۔ اسکے سبب سے حضرت خدیجہ پر وحشتِ عظیم طاری ہوئی لیکن زیادہ غم وغصّہ حضرت خدیجہ کا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا کہ مبادا اُنکی شدّتِ عداوت کے باعث کوئی صدمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچے۔ جب جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کا حمل آپ کو رہا تو جناب فاطمہؑ اپنی مادرِ گرامی قدر کے بطن میں اُنسے باتیں کیا کرتی تھیں۔ اور اُنکے موجودہ حُزن وملال میں اُنکی تسکین وتشفّی فرمایا کرتی تھیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اس اسرارِ الٰہی کو دیکھکر خموش رہجاتی تھیں اور خدمتِ حضرتِ رسالت پناہی میں اسکی کوئی اطلاع وخبر نہیں کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک روز جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محلسرا میں تشریف لائے اور سُنا کہ حضرت خدیجہؑ کسی سے باتیں کر رہی ہیں مگر بظاہر کوئی اُنکے پاس موجود نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعجب ہوکر فرمایا کہ اے خدیجہؑ! تم کس سے باتیں کر رہی ہو۔ حالانکہ میں تمہارے پاس کسی مخاطب یا متکلم کو نہیں پاتا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہ فرزند جو میرے شکم میں ہے یہ مجھ سے باتیں کیا کرتا ہے اور میرا مونسِ تنہائی رہا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبسّم ہوکر ارشاد فرمایا کہ اے خدیجہ! جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ مولود دختر ہے پسر نہیں ہے۔ اور یہ وہ طاہرہ با یمن وبرکت ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ میری نسل کو اسی سے ظاہر کریگا اور اسی کی نسل سے پیشوا اور امامانِ دین پیدا ہونگے اور حق سبحانہٗ وتعالےٰ بعد انقضائے وحی اُن کو اپنی زمین پر اپنا خلیفہ بنائیگا۔

ولادتِ باسعادت کے وقت ظہورِ کرامت

من مثل فاطمۃ الزہراء فی نسب | وفی فخار وفی اصل [illegible]
فاطمہؑ کی مثال کون ہے نسب میں | بزرگی میں فضیلت میں [illegible]
واللہ فضلہا حقا وشرفہا | اذا کانت ابنۃ خیر الخلق [illegible]
حالانکہ خدا تعالےٰ نے اُن کو | اس لیے کہ وہ اُس کی بیٹی ہیں جو
فضیلت وبزرگی برحق عطا | تمام عجم وعرب سے بہتر
فرمائی ہے۔ | ہے۔

برآسمانِ رسالت ہلالے از نو تافت
بوستانِ نبوت گُلے : نو بشگفت

(عمدۃ المطالب)

نزہۃ المجالس، روضۃ الشہداء اور جلاء العیون میں مرقوم ہے کہ جب زمانۂ ولادت جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا قریب پہنچا یعنی تولّد کے آثار محسوس ہونے لگے تو آپ نے زنانِ قریش کو بُلا بھیجا کہ وہ وضعِ حمل کے وقت کے کاموں میں تو کفیل وشریک ہوں لیکن اُن ناداں عورتوں نے صاف انکار کردیا اور کہلا بھیجا کہ اے خدیجہ! تم نے ہم لوگوں کی مرضی کے خلاف یتیم ابوطالب کے ساتھ شادی کرلی اور درویشی کو تونگری پر ترجیح دی لہٰذا ہم تمہارے کاموں میں شرکت سے معذور ہیں۔ خدیجہ سلام اللہ علیہا کو ایسی نازک اور تردد کی حالت میں اپنے خاندان کی عورتوں کا یہ جواب صاف نہایت ناگوار گذرا لیکن کیا اختیار تھا۔ اسی اضطراب میں تھیں۔ ناگاہ کیا دیکھتی ہیں کہ چار گندم گون اور دراز قامت عورتیں غیب سے نمودار ہوئیں۔ حضرت خدیجہؑ اُنہیں دیکھکر خائف ہوئیں تب اُن میں سے ایک نے کہا کہ اے خدیجہؑ! ڈرو نہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے ہم کو تمہاری خدمت اور دفعِ وحشت وتنہائی کے لیے بھیجا ہے اور ہم سب تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ مادرِ اسحٰقؑ ہوں اور یہ دوسری بیبیاں مریمؑ بنت عمران آسیہؑ بنت مزاحم اور اُمّ کلثوم خواہر موسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام ہیں۔ اور ہم سب یہاں اور بہشت بریں میں تمہاری رفیق ہیں۔

ینابیع المودۃ میں امام قندوزی لکھتے ہیں۔

عن خدیجۃ رضی اللہ عنہا قالت لما حملت بفاطمۃ حملت حملاً خفیفاً وتحدثنی فی بطنی فلما قربت ولادتہا

فدخلت علیّ اربع نسوۃ علیہن من الجمال والنور ما لا یوصف فقالت احدیہن انا امک حوا وقالت الاخری انا آسیہ بنت مزاحم وقالت الاخری انا کلثوم اخت موسیٰ وقالت الاخری انا مریم بنت عمران ام عیسیٰ جئنا لنلی من امرک ما تلی النساء۔

جناب خدیجہؓ سے مروی ہے کہ جب مجھ کو جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حمل ہوا تو مجھ کو حمل کی گرانباری نہیں معلوم ہوتی تھی اور وہ مجھ سے میرے بطن میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ پس جب وقت ولادت قریب ہوا تو چار خواتینِ معظمہ جنکے انوار وجمال کا وصف بیان نہیں ہو سکتا حاضر ہوئیں اور وہ زنانِ بنی ہاشم سے مشابہ تھیں [illegible] اُن سے ڈری۔ یہ دیکھکر اُن میں سے ایک عورت نے کہا [illegible] میں سارہ زوجۂ ابراہیم (سلام اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہوں اور دوسری آسیہ بنت مزاحم ہیں [illegible] بہشت بریں میں رفیق ہوگی۔ اور تیسری مریم بنت عمران مادر عیسیٰ (علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہیں اور چوتھی کلثوم خواہر موسیٰ (علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہیں۔ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگ وقتِ ولادت تمہارے پاس موجود رہیں۔ اور اس حالت میں تمہاری اعانت کریں۔ یہ کہکر ایک ان میں سے داہنی جانب بیٹھ گئیں۔ دوسری بائیں جانب اور تیسری سامنے اور چوتھی پیچھے بیٹھ گئیں۔ پس جناب سیدہؑ پاک وپاکیزہ پیدا ہوئیں۔ اور جب بطنِ مادر سے زمین پر تشریف لائیں تو اس قدر نور ساطع ہوا کہ مکے کے گھر روشن ہو گئے۔ اور مغرب ومشرق میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جو اُس نور سے منور نہ ہو گیا ہو اور دس حوریں جناب خدیجہ کی خدمت میں آئیں۔ جن کے ہاتھ میں ایک ایک ابریق اور ایک ایک طشت بہشت تھا۔ اور ان ابریقیں آب کوثر سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ مخدومہ جو جناب خدیجہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اُنہوں نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو اپنے مبارک ہاتھوں پر اٹھا کر اسی آب کوثر سے غسل دیا جو حوران جنان فردوس معلّٰی سے لائی تھیں۔ پھر انہی معظمہ نے دو سفید جامے جنکی سفیدی دودھ سے زیادہ سفید تھی اور جس کی خوشبو مشک وعنبر سے زیادہ لطیف تھی نکالے۔ ایک کو آپ کے جسمِ مطہر پر پیچاپ کیا اور دوسرے کو فرقِ مقدس پر (مقنع) اوڑھنی بنایا۔ پھر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے مخاطب ہو کر باتیں کیں۔ جناب سیدہؑ نے بزبانِ فصیح ارشاد فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ اَبِیْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَسَیِّدُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنَّ بَعْلِیْ سَیِّدُ الْاَوْصِیَآءِ وَوُلْدِیْ سَادَةُ الْاَسْبَاطِ۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے خدائے تبارک وتعالیٰ کے کوئی خدا نہیں ہے اور میرے پدر عالی مقدار اُسکے رسول اور سب رسولوں کے سردار۔ اور میرا شوہر تمام اوصیا کا سرور اور میرے بیٹے اسباط (موسیٰ علیہ السلام) کے سردار ہیں۔ یہ فرما کر اُس صدیقۂ کبریٰ نے اُن چاروں مخدرات عظمیٰ کو سلام کیا۔ اُن چاروں معظمہ نے خوش ہو ہو کر آپ کے سلام کا جواب دیا اور دیدہ بوسی فرمائی۔ حورانِ جناں اس قدرتی منظر کو دیکھکر ازحد بشاش ومسرور ہوئیں اور ایک دوسرے نے آپس میں جنابِ خاتونِ جنت علیہا التحیۃ والثنا کی تقریبِ ولادت کی بشارت دی اور اسی طرح اہلِ فلک نے ایک دوسرے کے ساتھ مراسم تہنیت ادا کیے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادتِ باسعادت اور اُس تقریب بہجت نصیب کی صحبت بابرکت کا یہ واقعہ تھا جو مختصر تفصیل کے ساتھ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی اسناد سے درج کیا گیا۔ قریب قریب انہی مضامین کو اس سے زیادہ تفصیل وتطویل کے ساتھ اُن کی اور کتب تاریخ وسیر میں بھی لکھا ہے جسکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

سوادِ اعظم کے علمائے کرام نے جناب سیدہؑ کے احوال ولادت کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ مگر آپ کی ولادت باسعادت کے مبارک موقعہ پر قدرت کے ظہور کو قلم انداز بھی نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ چاروں خواتینِ معظمہ کے نازل ہونے اور جنابِ خدیجہؓ کی ادائے خدمت میں شامل ہونے تک کے حالات اُن کی تالیفات اور مرویات سے مستنبط کرکے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی اور صاحب نزہۃ المجالس نے قریب قریب یہی سامان تھوڑے اختلاف کے ساتھ اپنی اپنی تالیفات میں تحریر کیا ہے جن کو ہم اوپر علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی کتاب جلاء العیون سے

لکھ آئے ہیں۔ روضۃ الشہدا اور نزہۃ المجالس کی عبارتوں کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں تو دس حوریں طشت و ابریق میں آبِ کوثر و طہور سے لیے ہوئے نازل ہوئیں۔ اُن میں سے ایک نے جناب سیدہؑ کو آبِ کوثر سے نہلایا اور جامۂ سفید و معطر میں لپیٹ کر بی بی خدیجہؑ کو دیا اور مبارکباد کے بعد عرض کی کہ لیجیے اس صاحبزادی کو جو پاک و پاکیزہ ہے اور جسکو اور جسکی نسل کو برکت دی گئی ہے۔ اسکے بعد اُن خواتینِ باوقار نے تہنیت ادا کی اور رخصت ہوگئیں۔

(عمدۃ المطالب مطبوعہ کانپور ص ۱۷۶)

روضۃ الفائق میں انس ابن مالک کی اسناد سے مرقوم ہے فلما تم حملہا وانقضی وضعت فاطمۃ فاشرق بنور وجہہا فضاءً وکان المختار کلما اشتاق الی الجنۃ و نعیمہا قبل فاطمۃ وشم نسیمہا۔ پس جس وقت کہ مدتِ حمل تمام اور منقضی ہوئی تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں اور اُنکے نور سے آسمان سے لیکر زمین تک روشن اور منور ہوگیا۔ اور جنابِ رسولِ مختار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بوئے بہشتِ عنبر سرشت سونگھنے کی خواہش ہوتی تھی تو آپ جنابِ سیدہؑ کی دست بوسی فرماکر جسمِ مطہر کی بو سونگھ لیتے تھے۔ امام طبری شافعی نے مجمل طور پر انکی ولادتِ باسعادت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے تمام قدرتِ الٰہیہ کے ظہور کا ثبوت ہوجاتا ہے جو الگ جدا جدا واقعات میں مختلف کتابوں سے قلمبند کیے گئے ہیں۔ اُنکی اصل عبارت یہ ہے۔

عن خدیجۃ رضی اللہ عنہا قالت لما حملت حملاً خفیفاً و تحدثنی فی بطنی فلما قربت ولادتہا دخل علی اربع نسوۃ علیہن من الجمال والنور ما لا یوصف فقالت احدٰہن انا امّک حوّا وقالت الاخرٰی انا اٰسیۃ بنت مزاحم وقالت الاخرٰی انا کلثوم اخت موسٰی وقالت الاخرٰی انا مریم بنت عمران امّ عیسٰی جئنا لنلی من امرک ما تلی النساء فولدت فاطمۃ فوقعت علی الارض ساجدۃً رافعۃً اصبعہا (اخرجہ مُلّا فی السیرۃ)

جنابِ خدیجہؑ سے مروی ہے کہ جب مجھ کو جنابِ فاطمہؑ کا حمل ہوا تو مجھ کو حمل کی کچھ بھی گرانی معلوم نہیں ہوئی۔ اور وہ معصومہ اندرونِ شکم کر مجھ سے باتیں کرتی تھیں۔

جب وقتِ ولادت قریب ہوا تو چار عورتیں باحسن و جمال ایسی نازل ہوئیں جن کی قبول صورتی کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ پس اُن میں سے ایک نے جنابِ خدیجہؑ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں تمہاری ماں حوّا ہوں اور دوسری نے کہا میں آسیہ بنتِ مزاحم ہوں اور تیسری نے کہا میں کلثوم خواہرِ جنابِ موسٰیؑ ہوں۔ اور چوتھی نے ارشاد فرمایا کہ میں مریم بنتِ عمران مادرِ جنابِ عیسٰی (علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام) ہوں۔ اور ہم سب ملکر یہاں اس لیئے آئے ہیں کہ ہم تمہاری وہی خدمتیں بجالائیں جو ولادت کے وقت ایک عورت دوسری عورت کی کرتی ہے۔ پس جنابِ سیدہؑ پیدا ہوئیں اور پیدا ہوتے ہی اپنا فرقِ مبارک سجدے میں زمین پر رکھدیا۔ اور اپنی انگشتِ شہادت بلند فرما دی۔ اسی روایت کو مُلّا نے سیرۃ النبویہ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔ امام قندوزی نے ینابیع المودۃ میں بھی نقل کیا ہے مطبوعہ بمبئی ص ۲۰۵۔

رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔ بروایت حضرت امام حسن حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی ولادت کے موقع پر ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؑ کو کسی طرح کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی جیسی کہ دوسری بچوں کی پیدائش کے وقت ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے گود میں لیکر بوسہ دیا آپ کی پیشانی پر۔ اور اس مولودِ مسعود کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کی عورتوں سے کوئی ایک بھی آپکے مرتبہ و شان کو نہ پہنچی۔ ص ۳۹

مندرجۂ بالا اسناد سے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادتِ باسعادت کے وقت بھی قدرتِ الٰہیہ کے آثار کا ویسا ہی ظہور پذیر ہونا ثابت ہوگیا جس طرح تمام برگزیدگانِ الٰہی کی تقریبِ ولادت کے موقع پر۔ عام مخلوق کی نگاہوں میں اُنکے مدارج و مراتب بڑھانے کے لیے اور اُنکے فضائل و مناقب اسکے ابتدا ثابت کرنیکی ضرورت سے عادتِ الٰہی قدیم سے جاری و ساری ہے۔ اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا خمیر جنابِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عین نور تھا۔ اُنکی ترکیب میں اُنکی ترکیب تھی۔ تمام کمالاتِ روحانی اور صفاتِ نورانی آپ کی ذاتِ مجمع الحسنات میں جنابِ رسالت مآبؐ سے میراثاً ودیعت

فرمائے گئے تھے۔ سید المرسلین۔ خاتم النبیین۔ شفیع المذنبین صؐ کی مبارک نسل کی بقا و قیام کا انتظام مشیتِ الٰہی نے آپ ہی کی تنہا ذات والاصفات سے وابستہ فرمایا تھا۔ اور فرزندانِ بتول کے لیے ابنائے رسولؐ کا گرانمایہ القاب دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت ہوچکا تھا اور تقدیرِ ربانی انہی کے ذریعہ سے ان شانئک ھو الابتر کی نصِ قرآنی ثابت کرنیوالی تھی جس کے صحیح اور کامل ثابت کرنیکی ضرورت سے دربارِ رسالت سے وانا منہ کا اعلان بطور الاشہاد فرمایا گیا تھا۔ بضعۃ النبیؐ حقیقت میں وہ نعمتِ الٰہی تھیں جنکی مبارک نسل سے احکامِ شریعت۔ اعلامِ ہدایت اور دوامِ امامت کے تمام آثار و اقتدار قائم و برقرار رکھے جانیوالے تھے۔ مشیت الٰہیہ کے اتنے آیات و آثار اور قدرت لامتناہیہ کے اتنے اسرار جنابِ سیدہ طاہرہ کی ایک ذاتِ بابرکات سے متعلق تھے تو پھر ایسے وجودِ عالی جود کی عظمت و اقتدار کے اظہار کا ابتدا ہی سے دنیا کے مشاہدے میں لانا قدرت کے لیے لازمی اور ضروری تھا۔

بہرحال تمہیدًا اتنا بیان کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

جنابِ سیدۃ نساء العٰلمین سلام اللہ علیہا و آلہا الاجمعین قدرت کے اس اظہارِ اقتدار کے ساتھ حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ الطاہرین کے کاشانۂ رسالت میں اُس وقت رونق افروز ہوئیں جب وہ سالہا سال سے بے اولادی کے باعث برباد اور بے چراغ ہو رہا تھا چمنستانِ نبوت میں اُنکے وجودِ ذیجود سے ایسے موقع پر گل تمنا شگفتہ ہوا جب وہ دستبردِ خزاں سے پامال اور مستاصل ہوجانیکے قریب پہنچ چکا تھا۔

بر ارمان والدین سلام اللہ علیہما کو یہ نعمتِ الٰہی خصوصًا مفارقتِ فرزندی کی دردرسیدہ حالتوں میں کیسی مغتنم معلوم ہوئی ہوگی اور اُن کے مغموم و مالوم قلوب کے جذبات اور پُرحسرت و متمنی دلوں کے محسوسات کا اس تقریبِ ولادت کے مسرت انگیز اور فرحت خیز موقع پر کیا عالم ہوا ہوگا۔ اُس کا اندازہ میرے کیا کسی کے تحریری امکان سے بھی نہیں ہوسکتا۔

مولدِ مطہّر

مولدِ مطہر کے متعلق رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف کی تحقیق ہے کہ مولدِ بتول **شعبِ بنی ہاشم** میں واقع ہے جہاں آجکل کو شاشیہ اور سوق اللیل کے محلّے آباد ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبرٰے کا مکان ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ رسولِ کریم صلعم شادی کے بعد اس مکان میں جو خدیجۃ الکبرٰے کی ملکیت تھا تشریف لے آئے تھے۔ اور ایامِ ہجرت تک وہیں رہے۔ یہ مکان دالان در دالان ہے۔ مولدِ فاطمہؑ عام سطحِ زمین سے کسی قدر نیچے ہے۔ اس کی زیارت کے لیے چھ زینے نیچے اُتر کر دہنی جانب جاتے ہیں۔ جہاں لکڑی کا ایک قبّہ بنا ہوا ہے جس کے اوپر آجکل ایک خوشنما بُرجی ہے۔ اور سبز بانات کا نہایت خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے۔ اسکے سرہانے کی طرف دیوار میں چکّی کے نیچے کا ایک پاٹ رکھا ہوا ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ عالمِ طفولیت میں آپ اسی آٹا پیسا کرتی تھیں۔ اسی مکان کے دوسری طرف جنابِ رسولِ خدا صلعم کا خلوت خانہ اور عبادت کا حجرہ ہے جسکو قبۃ الوحی کہتے ہیں۔ پاس ہی حضرت خدیجہ اور جنابِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وضو کرنیکی جگہ ہے۔

بہرحال۔ عبارتِ بالا سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپکی ولادت جنابِ خدیجہ کے مکان میں واقع ہوئی جو اس شعب سے ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ ان دو مختلف فیہ عبارتوں نے مولدِ مبارک کے اصلی مقام کو مشتبہ بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعب بنی ہاشم ہی میں حضرت خدیجہ کا مکان تھا۔ جب تو مولدِ بتول کا شعب بنی ہاشم اور مکانِ خدیجہ کے اندر واقع ہونا صحیح ہوگا مگر آگے چلکر اس عبارت نے کہ مکان خدیجہ شعب سے متصل ایک تنگ گلی میں واقع ہے اس دعوے کو بھی غلط کر دیا۔ کیونکہ پھر آخر کی عبارت سے شعب بنی ہاشم اور مکان خدیجہ دو جداگانہ مقامات معلوم ہوتے ہیں جس نقشہ مقابل صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے اُس میں نہ شعب بنی ہاشم کا کہیں مخصوص نشان بتلایا گیا ہے اور نہ مکان خدیجہ سلام اللہ علیہا کا۔

شعب بنی ہاشم کی جگہ تمام اسلامی تواریخ و سیر کی کتابوں میں

فرمائے گئے تھے۔ سیّد المرسلین۔ خاتم النّبیّین۔ شفیع المذنبین صلعم کی مبارک نسل کی بقا و قیام کا انتظام مشیّتِ الٰہی نے آپ ہی کی تنہا ذاتِ والاصفات سے وابستہ فرمایا تھا۔ اور فرزندانِ بتول کے لیے ابنائے رسولؐ کا گرانمایہ القاب دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت ہو چکا تھا اور تقدیرِ ربّانی انہی کے ذریعہ سے انّ شانئک ھو الابتر کی نصِ قرآنی ثابت کرنیوالی تھی جس کے صحیح اور کامل ثابت کرنیکی ضرورت سے دربارِ رسالت سے وانا منہ کا اعلان بطور اس الاشہاد فرمایا گیا تھا۔ بضعۃ النّبیؐ حقیقت میں وہ نعمتِ الٰہی تھی جنکی مبارک نسل سے احکامِ شریعت۔ اعلامِ ہدایت اور دوامِ امامت کے تمام آثار و اقتدار قائم و برقرار رکھے جانیوالے تھے۔ مشیّتِ الٰہیہ کے اتنے آیات و آثار اور قدرتِ لامتناہیہ کے اتنے اسرار جنابِ سیّدہ طاہرہ کی ایک ذاتِ بابرکات سے متعلق تھے تو پھر ایسے وجودِ عالی جود کی عظمت و اقتدار کے اظہار کا ابتدا ہی سے دنیا کے مشاہدے میں لانا قدرت کے لیے لازمی اور ضروری تھا۔

بہرحال تمہیدًا اتنا بیان کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

جنابِ سیّدۃ نساء العٰلمین سلام اللہ علیہا و آلہا الاجمعین قدرت کے اس اظہارِ اقتدار کے ساتھ حضرت ختم المرسلین صلّے اللہ علیہ و آلہ الطّاہرین کے کاشانۂ رسالت میں اُس وقت رونق افروز ہوئیں جب وہ سالہا سال سے بے اولادی کے باعث برباد اور بے چراغ ہو رہا تھا۔ چمنستانِ نبوت میں اُسکے وجودِ ذیجود سے ایسے موقع پر گلِ تمنا شگفتہ ہوا جب وہ دستبردِ خزاں سے پامال اور مستاصل ہو جانیکے قریب پہنچ چکا تھا۔

برارمان والدین سلام اللہ علیہما کو یہ نعمتِ الٰہی خصوصًا مفارقتِ فرزندی کی دردرسیدہ حالتوں میں کیسی مغتنم معلوم ہوئی ہوگی اور اُن کے مغموم و مالوم قلوب کے جذبات اور پُرحسرت و متمنّی دلوں کے محسوسات کا اس تقریبِ ولادت کے مسرت انگیز اور فرحت خیز موقع پر کیا عالم ہوا ہوگا۔ اُس کا اندازہ میرے کیا کسی کے تحریری امکان سے بھی نہیں ہو سکتا۔

مولدِ مطہّر

مولدِ مطہّر کے متعلق رسالۂ خاتونِ جنّت کے مؤلف کی تحقیق ہے کہ مولدِ بتول **شعبِ بنی ہاشم** میں واقع ہے جہاں آجکل کو شاشیہ اور سوق اللّیل کے محلّے آباد ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبرٰے کا مکان ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ رسولِ کریم صلعم شادی کے بعد اس مکان میں جو خدیجۃ الکبرٰے کی ملکیت تھا تشریف لے آئے تھے۔ اور ایّامِ ہجرت تک وہیں رہے۔ یہ مکان دالان در دالان ہے۔ مولدِ فاطمہؑ عام سطحِ زمین سے کسی قدر نیچے ہے۔ اس کی زیارت کے لیے چھ زینے نیچے اُتر کر دہنی جانب جاتے ہیں۔ جہاں لکڑی کا ایک قُبّہ بنا ہوا ہے جس کے اوپر آجکل ایک خوشنما بُرجی ہے۔ اور سبز بانات کا نہایت خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے۔ اسکے سرہانے کی طرف دیوار میں چکّی کے نیچے کا ایک پاٹ رکھا ہوا ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ عالمِ طفولیت میں آپ اسی آٹا پیسا کرتی تھیں۔ اسی مکان کے دوسری طرف جنابِ رسولِ خدا صلعم کا خلوت خانہ اور عبادت کا حجرہ ہے جسکو قُبّۃ الوحی کہتے ہیں۔ پاس ہی حضرت خدیجہ اور جنابِ سرورِ کائنات صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وضو کرنیکی جگہ ہے۔

بہرحال عبارتِ بالا سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپکی ولادت جنابِ خدیجہ کے مکان میں واقع ہوئی جو اس شعب سے ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ ان دو مختلف فیہ عبارتوں نے مولدِ مبارک کے اصلی مقام کو مشتبہ بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبِ بنی ہاشم ہی میں حضرت خدیجہ کا مکان تھا۔ جب تو مولدِ بتول کا شعبِ بنی ہاشم اور مکانِ خدیجہ کے اندر واقع ہونا صحیح ہوگا مگر آگے چلکر اس عبارت نے کہ مکانِ خدیجہ شعب سے متصل ایک تنگ گلی میں واقع ہے اس دعوے کو بھی غلط کر دیا۔ کیونکہ پھر آخر کی عبارت سے شعبِ بنی ہاشم اور مکانِ خدیجہ دو جداگانہ مقامات معلوم ہوتے ہیں جس نقشہ مقابل صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے اُس میں نہ شعبِ بنی ہاشم کا کہیں مخصوص نشان بتلایا گیا ہے اور نہ مکانِ خدیجہ سلام اللہ علیہا کا۔

شعبِ بنی ہاشم کی جگہ تمام اسلامی تواریخ و سیر کی کتابوں میں

ایامِ ہجرت تک وہیں مقیم اور قیام گزیں رہے۔
حقیقتاً یہ امر رسالت کے حسنِ استغنا اور نبوت کے آدابِ اقربا اور صلۂ رحم کی رعایت کے خلاف ہے۔ اور پھر رسالت بھی کون وہ رسالت جس نے اپنی اقربا کی مودّت کو۔ جو جناب سیدہ اور آپکی اولاد و احفاد تک محدود و مخصوص تھی۔ اپنی تبلیغ خدمات کی اُجرت ٹھہرایا۔ صلوا علیہ وآلہ۔
ممکن ہے کہ تقریبِ مناکحت کے بعد باہمی تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے زیادہ حضرت خدیجہ کے گھر میں زیادہ رہتے ہوں تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنے موروثی بیت الشرف کے قیام کو چھوڑکر جناب خدیجہ کے گھر میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور پھر ایسی کہ پھر جب تک کہ مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کو ہجرت نہ فرمالی وہیں تشریف فرمارہا کیے۔
علامہ شبلی نعمانی کی آخر تالیف سیرۃ المحمدیہ جو فی زماننا سوادِ اعظم میں تمام جدید تحقیقات کا سرمایۂ ناز کہی جاتی ہے میرے پیشِ نظر ہے۔ اُس میں بھی کہیں اس خیال کا ذکر نہیں۔ جناب خدیجہ کے گھر کے متعلق اس میں جو ذکر ہے وہ اسی قدر کہ حضرت خدیجہ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مورّخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنادیا (سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۷)
پھر اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے۔
تاریخ طبری بھی اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ اُس میں سوائے اسکے کہ حضرت خدیجہ کا مکان اس وقت تک موجود ہے اور کچھ مذکور نہیں۔ طبری کا بیان کہ اُنکے وقت تک مکان خدیجہ کا اُنہی کے نام سے مشہور تھا اس وجہ سے صحیح اور فی الواقع ہے کہ امام قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودہ میں حسن ابن الوجنا النصیبی کے مشاہدات سے جو اُنہوں نے رؤیتِ امام عصر علیہ السلام کے متعلق لکھے ہیں جناب خدیجہ کے مکان کا اُس وقت تک قائم رہنا اور اُسی مکانِ کرامت نشانِ جناب آخرالزّمان علیہ السلام کی زیارت سے حسن نصیبی راوی حدیث کا مشرف ہونا تحریر فرمایا ہے۔ جب ہم امام قندوزی کے اس فسانہ کو امام طبری کے بیان سے ملاتے ہیں تو اُن کی تحریر کی پوری تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ امام طبری ایامِ امامت کے بزرگ تھے جن پر سوادِ اعظم کے متاخرین علمار نے شیعیت کا بھی الزام لگایا ہے۔ مگر ثابت نہ کرسکے۔ ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب سیرۃ المحمدیہ۔ انکی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی ہے اور غیبتِ کبرٰے ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی تو اس حساب سے جیساکہ مورّخ طبری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کا گھر اُن کے وقت تک اُنہی کے نام سے مشہور ہے۔ بہت صحیح ثابت ہوتا ہے کیونکہ حسن ابن الوجنا النصیبی کے واقعۂ مشاہدہ کا ذکر جو امام قندوزی کی ینابیع المودۃ میں تحریر ہے وہ بھی قریب قریب اسی زمانہ کا پایا جاتا ہے۔ مذکورۂ بالا سبب سے علامہ شبلی کا یہ قول کہ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کرکے مسجد بنادیا۔ امام طبری کا قول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر یہ صحیح مانا جاوے تو خود اُنہی کی تحریر سے اُنہی کی تردید ہوتی ہے۔ اور یہ مورخ طبری کے پایۂ کمال سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے قول و مختار میں اجتماعِ ضدین کے نقائص و معائب کی تمیز نہ فرماسکیں۔
بہرحال۔ ان قرائن و معارف سے یہ قول مورخ طبری کا نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ علامۂ نعمانی آنجہانی نے کسی دوسرے کے قول کو کہیں دیکھکر طبری کا قول سمجھ لیا ہو اور پھر اپنی کتاب میں لکھدیا ہو۔
بہرحال۔ سیر و تاریخ کی کتابیں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کو نہ شعب ابیطالب یا بنی ہاشم میں واقع ہونا بتلاتی ہیں۔ نہ جناب خدیجۃ الکبرٰے کی عصمت سرا کے اُس حصہ میں اُن حدود و قیود کے ساتھ جسکی فی زماننا عام مسلمانوں کو زیارت کرائی جاتی ہے۔ اور جسکی زیارت کا شرف رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف کو حاصل ہو چکا ہے۔
صاحب اخبار الوفا نے عتباتِ عالیات مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کے تمام مقاماتِ زیارت کے تذکرہ میں کو اور اُنکے اصلی مقامات اور نشانات کو بہ نسبت اور مؤلفین کے سب سے زیادہ مفصّل اور مکمّل مندرج فرمایا ہے مگر اس میں بھی کہیں آپکے اس مولدِ خاص کا جس حدود مقدسہ کے ساتھ ساتھ مدوح الیہ نے ذکر کیا ہے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

ایامِ ہجرت تک وہیں مقیم اور قیام گزیں رہے۔

حقیقتاً یہ امر رسالت کے حسنِ استغنا اور نبوت کے آدابِ اقرباکا صلۂ رحم کی رعایت کے خلاف ہے۔ اور پھر رسالت بھی کون وہ رسالت جس نے اپنی اقربا کی مودّت کو۔ جو جناب سیدہ اور آپکی اولاد امجاد تک محدود و مخصوص تھی۔ اپنی تبلیغ خدمات کی اُجرت ٹھہرایا۔ صلوٰۃ علیہ وآلہ۔

ممکن ہے کہ تقریبِ مناکحت کے بعد باہمی تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے زیادہ حضرت خدیجہ کے گھر میں زیادہ رہتے ہوں تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنے موروثی بیت الشرف کے قیام کو چھوڑکر جناب خدیجہ کے گھر میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور پھر ایسی کہ پھر جب تک کہ مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کو ہجرت نہ فرمائی وہیں تشریف فرما رہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی آخر تالیف سیرۃ المحمدیہ جو فی زماننا سوادِ اعظم میں تمام جدید تحقیقات کا سرمایۂ ناز کہی جاتی ہے میرے پیش نظر ہے۔ اُس میں بھی کہیں اس خیال کا ذکر نہیں۔ جناب خدیجہ کے گھر کے متعلق اس میں جو ذکر ہے وہ اسی قدر کہ حضرت خدیجہ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مورّخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنادیا (سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۷)

پھر اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے۔

تاریخ طبری بھی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اُس میں سوائے اسکے کہ حضرت خدیجہ کا مکان اس وقت تک موجود ہے اور کچھ مذکور نہیں۔ طبری کا بیان کہ اُنکے وقت تک مکان خدیجہ کا اُنہی کے نام سے مشہور تھا اس وجہ سے صحیح اور فی الواقع ہے کہ امام قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودہ میں حسن ابن الوجنا النصیبی کے مشاہدات سے جو اُنہوں نے رؤیتِ امام عصر علیہ السلام کے متعلق لکھے ہیں جنابِ خدیجہ کے مکان کا اُس وقت تک قائم رہنا اور اُسی مکانِ کرامت نشانِ جناب آخرالزمان علیہ السلام کی زیارت سے حسن نصیبی راوی حدیث کا مشرف ہونا تحریر فرمایا ہے۔ جب ہم امام قندوزی کے اس خشا کو امام طبری کے بیان سے ملاتے ہیں تو اُن کی تحریر کی پوری تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ امام طبری ایامِ امامت کے بزرگ تھے جن پر سوادِ اعظم کے متاخرین علما نے شیعیت کا بھی الزام لگایا ہے۔ مگر ثابت نہ کرسکے۔ ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب سیرۃ المحمدیہ۔ انکی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی ہے اور غیبتِ کبرٰے ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی تو اس حساب سے جیساکہ مورّخ طبری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کا گھر اُن کے وقت تک اُنہی کے نام سے مشہور رہے۔ بہت صحیح ثابت ہوتا ہے کیونکہ حسن ابن الوجنا النصیبی کے واقعۂ مشاہدہ کا ذکر جو امام قندوزی کی ینابیع المودۃ میں تحریر ہے وہ بھی قریب قریب اسی زمانہ کا پایا جاتا ہے۔ مذکورۂ بالا سبب سے علامہ شبلی کا یہ قول کہ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کرکے مسجد بنادیا۔ امام طبری کا قول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر یہ صحیح مانا جاوے تو خود اُنہی کی تحریر سے اُنہی کی تردید ہوتی ہے۔ اور یہ مورخ طبری کے پایۂ کمال سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے قول و مختار میں اجتماعِ ضدین کے نقائص ومعائب کی تمیز نہ فرماسکیں۔ بہرحال۔ ان قرائن و معارف سے یہ قول مورخ طبری کا نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ علامۂ نعمانی آنجہانی نے کسی دوسرے کے قول کو کہیں دیکھکر طبری کا قول سمجھ لیا ہو اور پھر اپنی کتاب میں لکھدیا ہو۔

بہرحال۔ سیر و تاریخ کی کتابیں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کو نہ شعب ابیطالب یا بنی ہاشم میں واقع ہونا بتلاتی ہیں۔ نہ جناب خدیجۃ الکبرٰے کی عصمت سرا کے اُس حصہ میں اُن حدود و قیود کے ساتھ جسکی فی زماننا عام مسلمانوں کو زیارت کرائی جاتی ہے۔ اور جسکی زیارت کا شرف رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف کو حاصل ہوچکا ہے۔

صاحب اخبار الوفا نے عتبات عالیات مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کے تمام مقامات زیارت کے تذکروں کو اور اُنکے اصلی مقامات اور نشانات کو بہ نسبت اور مؤلفین کے سب سے زیادہ مفصّل اور مکمل مندرج فرمایا ہے مگر اس میں بھی کہیں آپکے اس مولدِ خاص کا جس حدودِ مقصد کے ساتھ ساتھ ممدوح الیہ نے ذکر کیا ہے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

اسرار اہم یہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہو۔ لا واللہ۔ ان بزرگواروں کے نفوس عالیہ سے اُن امور کا ظاہر ہونا جو عام طبیعتوں کے خواص ہیں داخل ہیں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔

مورخین متاخرین کی جماعت ذیشان کی یہی تحقیق ہے کہ جناب سیدہ اپنے پدر عالی مقدار کے گھر ہی میں پیدا ہوئیں اور یہی وہ کاشانۂ مبارک اور آستانۂ مقدس تھا جو اولادِ سلسلہ خلیل اللہ۔ خانوادۂ ذبیح اللہ سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام کے سرمایۂ ناز اور باعث فخر و اعزاز بزرگوار ہاشم و عبد المطلب وحضرت ابیطالب وعبداللہ سلام اللہ علیہم اجمعین تک پیدا ہو ہو کر رونق بخش عالم ہوچکے تھے۔

سنین ولادت کے متعلق فریقین نے اپنے اس مختار کو تحقیق کا معیار قرار دیا ہے کہ جناب سیدہ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال میں روز جمعہ بیسویں جمادی الاخریٰ کو واقع ہوئی۔ دلائل الامامت میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولادت جناب سیدۂ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی بعد ولادت حضرت رسول سے بیسویں جمادی الاخرےٰ کو واقع ہوئی، پس آٹھ سال مکہ میں۔ دس سال مدینہ منورہ میں اور پچتر روز (ڈھائی مہینے) بعد وفات حضرت رسول مقبولؐ زندہ رہکر تیسری جمادی الآخر کو گیارہویں سال ہجرت میں آپ نے جانب ریاض جنت انتقال فرمایا۔ جلاء العیون ملّا مجلسی علیہ الرحمہ ص ۸۹۔

سوادِ اعظم کی اکثر روایات منفردہ اور ضعیفہ سے آپکی ولادت پانچ سال قبل بعثت بھی بتلائی جاتی ہے۔ مگر اسکے صحیح مان لیے جانے سے جو آئندہ اوقات میں اختلافات وفسادات حائل ہوتے ہیں وہ اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ان علماء کو آپکے حالات سے ناواقفی اور کم دلچسپی ہونیکے باعث سے اصلیت اور حقیقت پر زیادہ غور کرنیکا موقع نہیں ملا اور اسی وجہ سے یہ اختلاف واقع ہوگیا اور قبل و بعد بعثت کی تحریر میں سہو ہوگیا۔

شعب ابیطالب (بنی ہاشم) میں بھی آپکی ولادت کے واقع ہونیکی عدم صحت اور اُسکے ناقابل اعتبار اور غیر مفید ہونیکے ثبوت ہم اوپر لکھ آئے ہیں تکرار کی حاجت نہیں۔ ہاں شعب ابیطالب کے واقعہ میں جو شروع بعثت میں واقع ہوا، جناب سیدہ دو برس کی ہوچکی تھیں اور آپ اپنی مادر گرامی قدر اور پدر عالی مقدار کی رفاقت میں اس قیامت خیز امتحان گاہ کے موقع پر شریک رہکر دنیا اور اہل دنیا کو اپنے صبر و رضا اور تسلیم و تحمل کے جوہروں کا مشاہدہ فرمارہی تھیں۔ آپ کا سن دو برس کا ہوچکا تھا اور فضل خدا سے اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ آپ آغوش والدین سے کبھی کبھی اُتر کر اپنے قدوم میمنت لزوم سے فرش زمین کو پابوسی کا شرف و امتیاز عنایت فرمائیں۔ اور ظاہر طور پر اُس تنگ درہ کی سنگلاخ زمین پر وقتاً فوقتاً آپ اپنے پیروں سے چلا کریں۔ اگرچہ یہ زمانہ محصورین شعب کے لیے نہایت سخت وصعب تھا اور مجبورین بنی ہاشم جس تکلیف۔ پریشانی اور غیر اطمینانی کے ساتھ وہ پہاڑ کے ایسے دن کاٹ رہے تھے اُسکا اندازہ کرنا پورے تحریری امکان سے محال ہے۔ مگر حد سے زیادہ شفیق والدین جناب سیدہ کے لیے مغتنم پارۂ جگر کی صدقہ سنی اور اُس درۂ کوہ کی پتھریلی زمین۔ اُسکی ڈراونی غیر آبادی اور ہر چہار طرف کی وحشت کو خیال کرتے تھے تو انکو پُرحسرت دل اپنی مصیبت۔ پریشانی اور بے سروسامانی کو بھول جاتے تھے۔ اور جہاں تمام مصائب وشدائد پر صبر کیا جاتا تھا۔ اس خاص روحانی مصیبت پر بھی مافوق العادت صبر اور خاموشی اختیار فرمالیا کرتے تھے۔ بڑی حیرت تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی حالت میں گرفتار تھا۔ اور اس وجہ سے تمام قبیلہ والے ہروقت اس شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار بنے رہتے تھے۔ اور اس نونہال گلشن رسالت کو اپنے گلوں کا ہار بنائے رکھتے تھے اور بہزار شرف وافتخار ہاتھوں ہاتھ لیے رہتے تھے جس سے آپ کے مقدس والدین کو آپکی طرف سے گونہ اطمینان ہوجاتا تھا اور زیادہ انتشار وافکار کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ خدانخواستہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تنہا محصور ہوتے تو پھر آپکی ضیق النفسی اور انتشار و اضطرار کی حد نہیں ہوسکتی تھی۔

عالم طفولیت اور ایام پرورش

ہم اپنے سلسلۂ سیرۃ اہلبیت کے ہر نمبر میں دکھلاتے اور بتلاتے آئے ہیں کہ ان ذوات عالیہ اور نفوس قدسیہ کے تمام عادات من المہد الے اللحد بالکلیہ قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ امم سابقہ کے اخبار و آثار قدیمہ سے تمامی برگزیدگان الٰہی کی خصوصیات ظاہر اور ثابت ہوچکی ہیں پس اُسی عادتِ الٰہیہ اور صفات نامتناہیہ کے مطابق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے حالات و واقعات کو بھی تسلیم کرنا

چاہیے۔ چنانچہ ہم اسی کتاب میں آپ کی مبارک ترکیبِ خلقت سے لیکر ولادت تک کے حالات و واقعات میں ہر ہر موقع پر ظہورِ قدرت کا جلوہ فرما ہونا فریقین کی اسناد سے لکھ آئے ہیں۔ اور اپنے اُسی التزام تاریخی اور نظامِ ترتیبی کے ساتھ اپنے سلسلۂ بیان کو جنابِ سیدہ کے ایامِ پرورش اور عالمِ طفولیت کے حالات کے ساتھ آگے بڑھاتے ہیں۔

ہم اپنے تمام سلسلوں میں بیان کر آئے ہیں اور بتلا آئے ہیں کہ ان نفوسِ قدسیہ کے عادات و اطوار اور صفات و آثار کو معمول کے عام قاعدے پر اور عام طبیعیات و عادات کے انداز پر خیال کرنا کمال بے ادبی اور شوخ چشمی ہے۔ ان حضرات کی کوئی عادت اور صفت کسی اور انسانی تعلیم و تربیت کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ وہ بالکل وہبی اور روحانی تائید و توفیق کے متعلق ہوتی ہے۔ منتظمانِ قدرت نے روزِ ازل ہی سے اُنکے نفوس کو روحانی تقدس کے اُن اعلےٰ جوہروں سے آراستہ فرمایا ہے جس میں انسانی ترکیب و تدبیر کی سرمو گنجائش نہیں ہے۔ امامی بلگرامی مرحوم فرماتے ہیں ؎

پروردۂ ہوائے گلستانِ قدرتیم
تابِ نسیمِ خلد ندارد دماغِ ما

اسی اصولِ قدرت کی بنا پر علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے جناب عبداللہ ابن امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرمائی ہے کہ جب جنابِ سیدۃ نساء العالمین متولد ہوئیں تو آپ ایک روز میں اس قدر بڑھتی تھیں کہ اور بچے جتنا سات روز یعنی ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور آپ ایک ہفتہ میں بقدر ایک مہینہ کے اور اسی طرح ایک مہینہ کے اندر ایک سال کے برابر بمقابلہ عام بچوں کے نشو و نما پاتی تھیں۔ جلاء العیون ص ۸۹۔

یہی ہیں قدرت کے نظام اور مشیت کے اہتمام جو بالکل وہبی طریقوں اور روحانی تدبیروں سے عمل پذیر ہوتے ہیں اُن میں نہ کسی تربیت کی ضرورت ہے اور نہ انسانی تدبیر و تائید کی احتیاج۔ اس کو نہ معمول سے واسطہ اور نہ عام طبیعتوں کے خواص و عمل سے سروکار۔ زمانہ کی معمول پسند طبیعتیں مندرجۂ بالا واقعات سے سمجھ لیں کہ آیا کسی انسانی تدبیر عمل اور کسی حکمت سے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک دن کا بچہ قوائے جسمانی اور تمام فہم و ادراک انسانی کے ساتھ کل ایک دن میں ایک ہفتہ کے بچے کے برابر کر دیا جائے اور پھر اسی طرح وہ ہفتہ میں مہینہ بھر کے اور مہینہ بھر میں سال بھر کے بچے کے برابر ہوش گوش والا بنا دیا جائے انّ ھٰذا الشئ عجاب۔

یہی قدرت کے تصرفات کہلاتے ہیں اور مشیت کے اعجاز و کرامات۔ جو اہل اللہ کی اصطلاحات میں خوارقِ عادات کے مخصوص الفاظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اور جس کو دنیا کی ظاہر بین نگاہیں نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ معمولی طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں۔ وہ کونسی قوت تھی جس نے گہوارے کے اندر سے ایک شیر خوار بچہ میں اپنی جبروتی قدرت سے قوتِ ناطقہ کا کامل جلوہ دکھلا کر اپنے پیغمبرؑ اور صدیقؑ کی عصمت بیجرمی اور بیگناہی کی شہادت دلائی اور تصدیق کرائی۔ وہ کونسی قدرت تھی جس نے ایک دوسرے موقع پر ایک دوسرے طفلِ نوزائیدہ کی زبانِ صداقت و کرامت ترجمان سے انی عبد اللہ کہوا کر اُسکی مادرِ گرامی قدر کی عصمت و پاکدامنی ثابت کرائی۔

اُسی غیر مستدرک قوت و جبروت نے اس وقت جنابِ صدیقۂ کبریٰ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے مبارک اور ننھے لبوں سے پیدا ہوتے ہی اشھد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ واشھد انّ ابی رسول اللّٰہ کہوا یا اور تمام دنیا کو برگزیدگانِ ربانی اور عام طبقۂ انسانی کا فرق مابالامتیاز دکھلایا۔ جلّ جلالہ وجلّ شانہ۔

اگر دنیا کے دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا ہوں تو وہ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ قدسیہ کے حالات کا مشاہدہ اور واقعات کا سامعہ فرما کر اُس قادرِ مطلق کی قدرت اور حکیمِ برحق کی حکمت کا اعتراف اور ان حضرات کے مخصوص مدارج و مراتب کا اقرار کریں اور اُنکی ارادت عقیدت اور متابعت کے طریقوں میں سمعاً و طاعتاً کہکر فرقِ تسلیم جھکائیں۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا بیان کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جنابِ سیدۂ عالم و عالمیان سلام اللہ علیہا من ربّ المنّان قدرتِ الٰہی کے انہی انتظاموں کے ساتھ اپنے والدینِ عالی مقدار کے دامانِ اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ آپکی پرورش کے متعلق آپنے مقدس والدین کے اشفاق کیسے تھے اور ان حضرات علیہما الصلوٰۃ والتحیات نے اپنے اس پارۂ جگر کی راحت رسانی۔ دلجوئی۔ خاطر داری اور پرورش کے ظاہری اسباب کے لیے کیا طریقے اختیار کیے تھے۔ ہم کو اس امر کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم ان حضرات کی علوشانی کے مقابلہ میں ان امور کو بالکل معمولی اور عامیانہ سمجھتے ہیں۔ بجز ان امور کے

چاہیے۔ چنانچہ ہم اسی کتاب میں آپ کی مبارک ترکیب خلقت سے لیکر ولادت تک کے حالات و واقعات میں ہر ہر موقع پر ظہورِ قدرت کا جلوہ فرما ہونا فریقین کی اسناد سے لکھ آئے ہیں۔ اور اپنے اُسی التزام تابعی اور نظام ترتیبی کے ساتھ اپنے سلسلۂ بیان کو جناب سیدہ کے ایام پرورش اور عالم طفولیت کے حالات کے ساتھ آگے بڑھاتے ہیں۔

ہم اپنے تمام سلسلوں میں بیان کر آئے ہیں اور بتلا آئے ہیں کہ ان نفوسِ قدسیہ کے عادات واطوار اوصفات وآثار کو معمول کے عام قاعدے پر اور عام طبیعیات وعادات کے انداز پر خیال کرنا کمال بے ادبی اور شوخ چشمی ہے ان حضرات کی کوئی عادت اور صفت کسی اور انسانی تعلیم وتربیت کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ وہ بالکل وہبی اور روحانی تائید وتوفیق کے متعلق ہوتی ہے۔ منتظمانِ قدرت نے روزِ ازل ہی سے اسکے نفوس کو روحانی تقدس کے اُن اعلےٰ جوہروں سے آراستہ فرمایا ہے جس میں انسانی ترکیب وتدبیر کی سیر کو گنجائش نہیں۔ امامی بلگرامی مرحوم فرماتے ہیں ؎

پروردۂ ہوائے گلستانِ قدرتیم

تابِ نسیمِ خلد ندارد دماغ ما

اسی اصولِ قدرت کی بنا پر علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے جناب سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کی روایت فرمائی ہے کہ جب جناب سیدۃ نساء العلمین متولد ہوئیں تو آپ ایک روز میں اس قدر بڑھتی تھیں کہ اور بچے جتنا سات روز یعنی ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور آپ ایک ہفتہ میں بقدر ایک مہینہ کے اور اسی طرح ایک مہینہ کے اندر ایک سال کے برابر بمقابلہ عام بچوں کے نشو ونما پاتی تھیں۔ جلاء العیون ص ۸۹ -

یہی ہیں قدرت کے نظام اور مشیت کے اہتمام جو بالکل وہبی طریقوں اور روحانی تدبیروں سے عمل پذیر ہوتے ہیں اُن میں نہ کسی کسبی کیب کی ضرورت ہے اور نہ انسانی تدبیر وتائید کی احتیاج۔ اس کو نہ معمول سے واسطہ اور نہ عام طبیعتوں کے خواص وعمل سے سروکار۔ زمانہ کی معمول پسند طبیعتیں مندرجۂ بالا واقعات سے سمجھ لیں کہ آیا کسی انسانی تدبیر عمل اور کسی حکمت سے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک دن کا بچہ قوائے جسمانی اور تمام فہم وادراک انسانی کے ساتھ کُل ایک دن میں ایک ہفتہ کے بچے کے برابر کر دیا جائے اور پھر اسی طرح وہ یک ہفتہ میں مہینہ بھر کے اور مہینہ بھر میں سال بھر کے بچے کے برابر ہوش گوش والا بنا دیا جائے انّ ھٰذا الشئ عجاب۔

یہی قدرت کے تصرفات کہلاتے ہیں اور مشیت کے اعجاز وکرامات۔ جو اہل اللہ کی اصطلاحات میں خوارقِ عادات کے مخصوص الفاظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اور جس کو دنیا کی ظاہر بین نگاہیں نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ معمولی طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں۔ وہ کونسی قوت تھی جس نے گہوارے کے اندر سے ایک شیر خوار بچہ میں اپنی جبروتی قدرت سے قوتِ ناطقہ کا کامل جلوہ دکھلا کر اپنے پیغمبرؑ اور صدیقؑ کی عصمت بیجرمی اور بیگناہی کی شہادت دلوائی اور تصدیق کرائی۔ وہ کونسی قدرت تھی جس نے ایک دوسرے موقع پر ایک دوسرے طفلِ نوزائیدہ کی زبان سے صداقت وکرامت ترزبان سے انی عبد اللہ کہوا کر اسکی مادرِ گرامی قدر کی عصمت وپاکدامنی ثابت کرائی۔

اُسی غیر مستدرک قوت وجبروت نے اس وقت جناب صدیقۂ کبریٰ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے مبارک اور ننھے لبوں سے پیدا ہوتے ہی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان ابی رسول اللّٰہ کہوایا اور تمام دنیا کو برگزیدگانِ ربانی اور عام طبقۂ انسانی کا فرق عملاً دکھلایا۔ جل جلالہ وجل شانہ۔

اگر دنیا کے دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا ہوں تو وہ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ قدسیہ کے حالات کا مشاہدہ اور واقعات کا مسامعہ فرما کر اُس قادرِ مطلق کی قدرت اور حکیم برحق کی حکمت کا اعتراف اور ان حضرات کے مخصوص مدارج ومراتب کا اقرار کریں اور اُنکی ارادت عقیدت اور متابعت کے طریقوں میں سمعاً وطاعتاً کہکر فرقِ تسلیم جھکائیں۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا بیان کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جناب سیدۂ عالم وعالمیان سلام اللہ علیہا من ربّ المنان قدرتِ الٰہی کے انہی انتظاموں کے ساتھ اپنے والدین عالی مقدار کے دامان اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ آپکی پرورش کے متعلق آپنے مقدس والدین کے اشفاق کیسے تھے اور ان حضرات علیہما الصلوٰۃ والتحیات نے اپنے اس پارۂ جگر کی راحت رسانی۔ دلجوئی۔ خاطرداری اور پرورش کے ظاہری اسباب کے لیے کیا طریقے اختیار کیے تھے۔ ہم کو اس امر کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم ان حضرات کی علو شانی کے مقابلہ میں ان امور کو بالکل معمولی اور عامیانہ سمجھتے ہیں۔ بجز ان امور کے

زمانہ میں ہم کو سواد اعظم کے علماء کی اسناد سے جناب سیدہ کے متعلق صرف دو واقعات ملے ہیں جن کو ہم رسالہ خاتون جنت کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں :-

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے عین حیات ایک بار انکے کسی عزیز کی شادی تھی۔ اس تقریب پر انہوں نے اپنی بچیوں کو نئے کپڑے اور زیور پہنا کر شادی میں بھیجا۔ چونکہ بی بی خدیجہ دولتمند اور متمول خاتون تھیں انہوں نے کشادہ دلی سے بچیوں کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے اور نفیس و خوبصورت زیورات بنوائے تھے بی بی فاطمہؑ کی عمر اُس وقت پانچ سال کے قریب تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ کیا تو یہ ننھی سی عمر اور کیا یہ سادگی۔ یا دنیائے دوں کی طرف سے بیزاری۔ کہ آپ نے زیور پہنکر شادی میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ انکی اور بہنیں بن سنور کر گئیں۔ اس عمر میں نئے کپڑے اور زیورات پہننے کا جس قدر شوق ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر حضرت سرور کائنات صلعم کے پاک نصائح و تعلیم کا اثر آپکے دماغ میں بچپن ہی سے جاگزیں ہو چکا تھا۔ خاتون جنت ص ۵۵۔

چار سال کے سن میں ایک دن آپنے اپنی ماں سے سوال کیا کہ خدا کی قدرتیں تو ہمیں ہر وقت نظر آتی رہتی ہیں۔ کیا خدا کا دیدار بھی کبھی نصیب ہونے کی توقع ہے؟ ام المومنین نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم دنیا میں نیک کام کرینگے اور لوگوں سے اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ رکھیں گے خدا کے احکام کی تعمیل میں کوشاں رہینگے اسکے رسول پر ایمان لائینگے تو فردائے قیامت کو خوشنودی خدا کے مستحق ہونگے۔ اور یہی اللہ تعالے کا دیدار ہے۔

ان دونوں واقعات کی تحریر میں بھی لائق مؤلف نے اپنے قدیم طریقے کے مطابق وہی معمولی اور عامیانہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسکے لیے ہم اُن کی خدمت میں زیادہ شکایت نہیں کرتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اس امر میں ایک خاص حد تک مجبور ہیں۔

پہلے واقعہ سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی بچپن ہی سے دنیاوی زیبائش اور ظاہری حسن و آرائش سے کراہت اور نفرت ثابت کرتا ہے اور اسی سے انکی فطرت صالحہ اور عادت مطہرہ کا فرق و امتیاز بمقابلہ آپ کی دوسری (منہ بولی) بہنوں کی اقتضائے طبیعت کے پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے واقعہ کی نسبت مجھ کو یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ علما اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے۔ جناب سیدہؑ ہی پر منحصر نہیں ہے ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے دائرہ میں کسی بزرگ کی نسبت ایسے سوال کرنے کو عام اس سے وہ کتنے ہی کم سن کیوں نہ ہوں قطعی ممتنع قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایسے استفسارات انکی تعلیم اور معرفت ربانی کے کمال مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم نے اس واقعہ کو اس خیال سے نقل کر دیا ہے کہ رویت خدا کے متعلق سواد اعظم میں جو غلط اعتقاد قائم کیے گئے ہیں وہ ہرگز خاصان الٰہی اور ما تحت حضرت رسالت پناہی کے مختار اعتقاد نہیں ثابت ہوتے۔ اور جناب سیدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہما کے قول سے جو خود اُنہی حضرات نے اپنی اسناد سے اپنی کتابوں میں نقل فرمائے ہیں اُنکے اس غلط اعتقاد کی تردید و تکذیب ہو جاتی ہے۔ بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں۔ یہ دونوں واقعات جو اوپر لکھے گئے بچپن ہی سے جناب سیدہؑ کی ظاہری اور نمائشی آرائشوں سے کشیدگی اور دنیاوی زینتوں سے کبیدگی۔ آپ کی سادہ پسند طبع مطہر کی پاکیزگی۔ اخلاق و عادات کی از حد لطافت۔ روحانی عظمت و تقدس پر کامل اعتبار و اعتراف۔ باطنی محاسن و مقاصد پر پورا اعتماد و افتخار ثابت کرتے ہیں۔ یہی خاصکر ہمارے مدعا ہیں۔ برگزیدگان الٰہی کی سچی معرفت رکھنے والوں کو۔ ان ذوات عالیہ اور نفوس مقدسہ کے ذاتی مدارج و مناقب کی تحقیق کی معرفت میں یہی دو واقعات کافی ہیں۔ اور انہی سے وہ بلا تحریک خود خاص و عام کے فرق مابہ الامتیاز کو کماحقہٗ معلوم کر سکتے ہیں۔

جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات جناب سیدہؑ کی پہلی مصیبت

خاصان الٰہی کی خصوصیات میں داخل ہے کہ ابتلاء و مصیبت ابتدا ہی سے اُنکی مقدس حیات کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ مصائب شدت کے اعتبار سے بمقابلہ اور لوگوں کی مصیبتوں کے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا اُنکو سوا مشکل ہے۔

زمانہ میں ہم کو سوادِ اعظم کے علماء کی اسناد سے جناب سیدہ کے متعلق صرف دو واقعات ملے ہیں جن کو ہم رسالہ خاتونِ جنت کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں :-

حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے حین حیات ایک بار انکے کسی عزیز کی شادی تھی۔ اس تقریب پر انہوں نے اپنی بچیوں کو نئے کپڑے اور زیور پہنا کر شادی میں بھیجا چونکہ بی بی خدیجہ دولتمند اور متمول خاتون تھیں انہوں نے کشادہ دلی سے بچیوں کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے اور نفیس و خوبصورت زیورات بنوائے تھے بی بی فاطمہؑ کی عمر اُس وقت پانچ سال کے قریب تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کیا تو یہ ننھی سی عمر اور کیا یہ سادگی۔ یا دنیائے دوں کی طرف سے بیزاری تھی۔ کہ آپ نے زیور پہنکر شادی میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ انکی اور بہنیں بن سنور کر گئیں۔ اس عمر میں نئے کپڑے اور زیورات پہننے کا جس قدر شوق ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر حضرت سرورِ کائنات صلعم کے پاک نصائح و تعلیم کا اثر آپکے دماغ میں بچپن ہی سے جاگزیں ہو چکا تھا۔ خاتونِ جنت ص ۵۵۔

چار سال کے سن میں ایک دن آپنے اپنی ماں سے سوال کیا کہ خدا کی قدرتیں تو ہمیں ہر وقت نظر آتی رہتی ہیں۔ کیا خدا کا دیدار بھی کبھی نصیب ہونے کی توقع ہے؟ ام المومنین نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم دنیا میں نیک کام کرینگے اور لوگوں سے اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ رکھیں گے خدا کے احکام کی تعمیل میں کوشاں رہینگے اسکے رسول پر ایمان لائینگے تو فردائے قیامت کو خوشنودی خدا کے مستحق ہونگے۔ اور یہی اللہ تعالےٰ کا دیدار ہے۔

ان دونوں واقعات کی تحریر میں بھی لائق مؤلف نے اپنے قدیم طریقے کے مطابق وہی معمولی اور عامیانہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسکے لیے ہم اُن کی خدمت میں زیادہ شکایت نہیں کرتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اس امر میں ایک خاص حد تک مجبور ہیں۔

پہلے واقعہ سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی بچپن ہی سے دنیاوی زیبائش اور ظاہری حسن و آرائش سے کراہت اور نفرت ثابت کرتا ہے اور اسی سے انکی فطرت صالحہ اور عادت مطہرہ کا فرق و امتیاز بمقابلہ آپ کی دوسری (مُنہ بولی) بہنوں کی افتادِ طبیعت کے پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے

دوسرے واقعہ کی نسبت مجھ کو یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے۔ جناب سیدہؑ ہی پر منحصر نہیں ہے ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے دائرہ ہی کسی پیر گھر کی نسبت ایسے سوال کرنے کو عام اس سے وہ کیسے ہی کم سن کیوں نہ ہوں قطعی ممتنع قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایسے استفسارات انکی تعلیم اور معرفت ربانی کے کمال مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ مگر تاہم اس واقعہ کو اس خیال سے نقل کر دیا ہے کہ رویتِ خدا کے متعلق سوادِ اعظم میں جو غلط اعتقاد قائم کیے گئے ہیں وہ ہرگز خاصانِ الٰہی اور خاندانِ حضرت رسالت پناہی کے مختار اعتقاد نہیں ثابت ہوتے۔ اور جناب سیدہ اور حضرت خدیجۃ الکبرےٰ سلام اللہ علیہا کے قول ہی جو خود انہی حضرات نے اپنی اسناد سے اپنی کتابوں میں نقل فرمائے ہیں اُنکے اس غلط اعتقاد کی تردید و تکذیب ہو جاتی ہے۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ دونوں واقعات جو اوپر لکھے گئے بچپن ہی سے جناب سیدہؑ کی ظاہری اور نمائشی آرائشوں سے کشیدگی اور دنیاوی زینتوں سے کبیدگی۔ آپ کی سادہ پسند طبع مطہر کی پاکیزگی۔ اخلاق و عادات کی ازحد لطافت۔ روحانی عظمت و تقدس پر کامل اعتبار و اعتراف۔ باطنی محاسن و مقاصد پر پورا اعتماد و افتخار ثابت کرتے ہیں۔ یہی خاصکر ہمارے مدعا ہیں۔ برگزیدگانِ الٰہی کی سچی معرفت رکھنے والوں کو۔ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ مقدسہ کے ذاتی مدارج و مناقب کی تحقیق کی معرفت میں یہی دو واقعات کافی ہیں۔ اور انہی سے وہ بلا تحریکِ خود خاص و عام کے فرق مابہ الامتیاز کو کماحقہٗ معلوم کر سکتے ہیں۔

جناب خدیجۃ الکبرےٰ کی وفات جنابِ سیدہؑ کی پہلی مصیبت

خاصانِ الٰہی کی خصوصیات میں داخل ہے کہ ابتلا و مصیبت ابتدا ہی سے اُنکی مقدس حیات کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ مصائب شدت کے اعتبار سے بمقابلہ اور لوگوں کی مصیبتوں کے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے ؏

جن کے رتبے ہیں سوا اُنکو سوا مشکل ہے۔

اسلامی مورخین میں بعض نے حضرت ابیطالب علیہ السّلام کی وفات کو جنابِ خدیجہ کی وفات سے قبل لکھا ہے اور بعض نے بعد۔ مگر قبل والی روایت کو عموماً ترجیح دی جاتی ہے۔ جناب خدیجہ نے دسویں رمضان المبارک کو سالِ ہجرت سے تین برس پہلے انتقال فرمایا اور مقام حجون میں مدفون ہوئیں۔

بہرحال۔ ان دونوں واقعات مصائب نے یکے بعد دیگرے واقع ہو کر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مطالب و مقاصد کی کامیابیوں میں ظاہر طور پر مایوس کر دیا اور آپ حقیقتاً ایسی دشواریوں میں گرفتار ہو گئے کہ اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سمجھ لینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپنے انہیں پے درپے مصیبتوں کی رعایت سے اس سال کا نام عام الحزن قرار دیا جو تمام اسلامی تاریخوں میں مشہور و مسطور ہے۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبویہ میں اسکے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"ابوطالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اُنہوں نے ابیطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپکے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے۔ صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا ہے۔ حضرت خدیجہ نے ۱۰ رمضان سنہ نبوی میں وفات کی۔ آپ کی عمر ۶۵ برس کی تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُنکی قبر میں اُترے۔ اُس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بیرحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔" مطبوعہ کانپور ص ۱۸۲

مندرجۂ بالا عبارت سے کافی طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب خدیجہ کی حیات تبلیغ رسالت کے امور کے متعلق کس حد اور درجہ تک مفید اور نفع رساں تھی جس کا اقرار زبانِ رسالت نے ذیل کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے :-

واللہ ما ابدلنی اللہ خیراً منہا امنت لی اذ اکفر الناس وصدقتنی اذ اکذبنی الناس وواستنی بمالہا اذ احرمنی الناس ورزقنی اللہ منہا الولد دون غیرہا من النساء (فی الاصابہ عن عائشۃ)

ارشاد فرمایا۔ کہ قسم خدا کی۔ خداوند عالم نے میری بیبیوں میں سے میرے لیے اُس سے اچھا بدلہ نہ دے سکا۔ وہ اُس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب تمام لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کیا۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میری تصدیق کی جب تمام لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میں اپنے مال سے میری اعانت کی جس وقت سب لوگوں نے مجھ کو مالی امداد پہنچانے سے محروم رکھا۔ اور خداوند عالم نے سوائے اُنکے مجھ کو میری کسی بی بی کے ذریعہ سے نعمت اولاد عطا فرمائی (اصابہ فی معرفۃ الصحابہ مروی از عائشۃ صدیقہ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت خدیجہ کی مبارک زندگی از حد مفید ہونے کے ثبوت میں ان سے بڑھکر صحیح اور پُر اثر نسبی الفاظ ہو سکتے ہیں جو مخبر صادق کی زبان صداقت توامان سے ابھی ابھی ادا ہو کے لکھے گئے۔ ان کے حرف حرف سے اُس مقدسہ کی خدمات عُلیا اور محاسنِ اعلےٰ کا اظہار و اقرار ظاہر و آشکار ہے۔ خصوصاً ان کے محاسنِ خدمات کے آخر اقرار کو پڑھکر ناظرین کتاب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن قلبی جذبات۔ حسرت اور رنجیدہ تمنّا کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو دولت اولاد کے حصول ہونیکی مسرت خیز تقریب میں آپکے قلب نورانی پر مستولی ہوئی تھی۔

بہرحال۔ چونکہ ہمارا مدّعا جناب خدیجۃ الکبرےٰ کے فضائل و مراتب کا ظاہر کرنا نہیں ہے اس لیے ہم اُنکی زائد تفصیل و تشریح سے قطع نظر کر کے اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمارا مقصود اتنا لکھدینے سے صرف اسی قدر تھا کہ ایسی معین رفیق اور مددگار بی بی کی فرقت خصوصاً دشمنوں کی شورش اور عام فتنہ انگیزی کے عالم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسی قیامت تھی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السّلام کی اتنی اور ایسی کم سنی میں یتیمی اور بھی نمک بر جراحت تھی۔ ایکبارگی دونوں اشد اور وجیہ مصدقین و معاونین کے اُٹھ جانے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات اور تردوات دو چند ہو گئے تھے۔

سلہ عجیب ہے کہ مولوی شبلی صاحب سا مستند عالم اور احقا اسلام کو شبہ ہو یہ تعجب خیز ہے

اسلامی مورخین میں بعض نے حضرت ابیطالب علیہ السّلام کی وفات کو جناب خدیجہ کی وفات سے قبل لکھا ہے اور بعض نے بعد۔ مگر قبل والی روایت کو عموماً ترجیح دی جاتی ہے۔ جناب خدیجہ نے دسویں رمضان المبارک کو سالِ ہجرت سے تین برس پہلے انتقال فرمایا اور مقام حجون میں مدفون ہوئیں۔

بہرحال۔ ان دونوں واقعات مصائب نے یکے بعد دیگرے واقع ہو کر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مطالب ومقاصد کی کامیابیوں میں ظاہر طور پر مایوس کر دیا اور آپ حقیقتاً ایسی دشواریوں میں گرفتار ہو گئے کہ اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سمجھ لینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپنے انہیں پے در پے مصیبتوں کی رعایت سے اس سال کا نام عام الحزن قرار دیا جو تمام اسلامی تاریخوں میں مشہور و مسطور ہے۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبویہ میں اسکے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"ابوطالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اُنھوں نے ابیطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپکے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا ہے۔ حضرت خدیجہ نے ۱۰ رمضان سنہ۱۰ نبوی میں وفات کی۔ آپ کی عمر ۶۵ برس کی تھی مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُنکی قبر میں اُترے۔ اُس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بیرحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔" مطبوعہ کانپور ص ۱۸۲

مندرجہ بالا عبارت سے کافی طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب خدیجہ کی حیات تبلیغ رسالت کے امور کے متعلق کس حد اور درجہ تک مفید اور نفع رساں تھی جس کا اقرار زبانِ رسالت نے ذیل کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے :-

واللہ ما ابدلنی اللہ خیراً منھا امنت لی اذ اکفر الناس وصدقتنی اذ اکذبنی الناس وواستنی بمالھا اذ احرمنی الناس [illegible] اللہ منھا الولد دون غیرھا من النساء (فی الاصابہ [illegible] عائشۃ)

ارشاد فرمایا۔ کہ قسم خدا کی۔ خداوند عالم نے میری بیبیوں میں [illegible] لیے اُس سے اچھا بدلہ نہ دے سکا۔ وہ اُس وقت مجھپر ایمان لائیں جب تمام لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کیا۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میری تصدیق کی جب تمام لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میں اپنے مال سے میری اعانت کی جس وقت سب لوگوں نے مجھ کو مالی امداد پہنچانے سے محروم رکھا۔ اور خداوند عالم نے سوائے اُنکے مجھ کو میری کسی بی بی کے ذریعہ سے نعمت اولاد عطا فرمائی (اصابہ فی معرفۃ الصحابہ مروی از عائشۂ صدیقہ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت خدیجہ کی مبارک زندگی از حد مفید ہونے کے ثبوت میں ان سے بڑھکر صحیح اور پُر اثر نسبی لفظ ہو سکتے ہیں جو مخبر صادق کی زبان صداقت توامان سے ابھی ابھی اوپر لکھے گئے۔ ان کے حرف حرف سے اُن مقدسہ کی خدمات عظیمہ اور محاسن اعلےٰ کا اظہار و اقرار ظاہر و آشکار ہے۔ خصوصاً ان کے محاسن خدمات کے آخری اقرار کو پڑھکر ناظرین کتاب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن قلبی جذبات۔ حسرت اور رنجیدہ تمنا کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو دولت اولاد کے حصول ہونیکی مسرت خیز تقریب میں آپکے قلب نورانی پر مستولی ہوئی تھی۔

بہرحال۔ چونکہ ہمارا مدعا جناب خدیجۃ الکبریٰ کے فضائل و مراتب کا ظاہر کرنا نہیں ہے اس لیے ہم اُنکی زائد تفصیل و تشریح سے قطع نظر کر کے اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمارا مقصود اتنا لکھدینے سے صرف اسی قدر تھا کہ ایسی معین رفیق اور مددگار بی بی کی فرقت خصوصاً دشمنوں کی شورش اور عام فتنہ انگیزی کے عالم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسی قیامت تھی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السّلام کی اتنی اور ایسی کمسنی میں یتیمی اور بھی نمک بر جراحت تھی۔ ایکبار دونوں اشخاص اور وجیہ مصدقین و معاونین کے اُٹھ جانے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات اور تردداتِ دو چند ہو گئے تھے۔

[۱۲] تعجب ہو کہ مولوی شبلی صاحب سا مستند عالم اور احناء اسلام کو شرع سے بھی بیخبر تھا

سپرد ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصمت سرائے رسالت اور بیت الشرف نبوت میں امہات مؤمنین میں سے کس خاتون معظمہ کو اس منصب علیا کے لیے منتخب و ممتاز فرمایا۔ اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ تو مسلم ہے کہ جناب خدیجہ کی حیات تک آپ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی تھی۔ پھر آپ کی وفات فرمانے کے وقت گھر میں کون عورت تھی۔ جو ماں کی جگہ اس یتیم رسالت کی نگراں ہوتی۔ اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص گھر میں دو عورتوں کا موجود رہنا تمام تاریخوں سے ثابت ہے جو میرے لیے ضروری الذکر ہے۔ ایک۔ اُمّ ایمن۔ گھر کی قدیم خادمہ۔ جو جناب عبد اللہ علیہ السّلام کے متروکات مخصوصہ سے آپکو وراثتاً ملی تھیں۔ اور ایک برکتہ نامی دوسری چھوکری جسکو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنے صاحبزادوں قاسم و طیب علیہما السّلام کی خدمت کے لیے رکھ لیا تھا۔

ہاں خوب وقت پر یاد آیا۔ سواد اعظم کے ایک بزرگ محقق نے اسی برکتہ کو بھی بنات النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے اور اس غریبہ کو بھی صُلبیہ نبوّت سے ہونیکا مثل اوروں کے تھوڑی دیر کے لیے شرف و اعزاز عنایت فرما دیا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ خیریت سے بہت جلد محقق موصوف اپنی اس غلطی کو سمجھ بھی گئے اور فوراً اسکا اعتراف کرکے اسکی تصحیح بھی فرما دی۔ انکی دونوں عبارتیں ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ باقی رہا بنات الرسول کے خاص مسئلہ کے متعلق۔ سواد اعظم کے عالم رجال میں جو فساد عظیم برپا ہے اُسکو ہم انشاء اللہ المستعان پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ ایک جداگانہ باب میں اس کتاب کے بیان کرینگے۔

علامہ ابن حجر اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بذیل تذکرۂ بنات النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر فرماتے ہیں۔

برکۃ بنت النبی ذکرھا بعض من رجال لعدۃ الحافظ عبد الغنی فاوردنی الکتاب شیئاً من الفرجۃ النبویہ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم رقیۃ ثم فاطمہ ثم ام کلثوم۔

حضرت کی ایک لڑکی کا نام برکتہ ہے جسکو بعض رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت کا نسب بھی اس میں ذکر کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکتہ۔ پھر زینب۔ پھر رقیہ۔ پھر ام کلثوم۔ پھر آگے چل کر اسی قسم میں لکھتے ہیں۔

نقدمت فی القسم الثانی ثم بان انہ غلط نشا عن تحریف وذالک برکۃ مولاۃ النبی کانت ربتی [illegible] من خدیجۃ فلما ولد [illegible] [illegible] کان فی الذی نقل [illegible] [illegible] علیہ الکلمۃ حتی ظنھا شقیقۃ [illegible] برکۃ واللہ اعلم [illegible]

ہم قسم دوم میں برکتہ کو دختر نبی صلعم لکھ آئے ہیں۔ مگر بعد اسکے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے جو تحریف سے واقع ہوئی کہ یہ برکت لونڈی تھی آنحضرت صلعم کی جو اولاد خدیجہ کی خدمت کیا کرتی تھی جب قاسم پیدا ہوئے تو یہ اُنکی بھی خدمت کیا کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب میں اسی طرح تھا مگر جب اُس سے نقل کیا گیا تو اُس میں یہ تحریف پیدا ہو گئی جس سے اُس نے سمجھا کہ برکت خواہر قاسم ہے۔

اور لطف پر لطف سنیے شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی اپنی سیرۃ النبویہ میں اُمّ ایمن اور برکتہ کو ایک ہی عورت قرار دیتے ہیں اور برکتہ کو ایک دوسری عورت نہیں لکھتے۔ چنانچہ صفحہ ۱۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُمّ ایمن کا نام برکتہ تھا۔

لیجیے اس عبارت سے اُن تمام مرقومۂ بالا تحقیقات کو سرے سے بیکار اور ساقط از اعتبار کر دیا۔ اب اس جدید تحقیق کے مطابق کاشانۂ نبوت میں سوائے اُمّ ایمن کے کسی دوسری عورت کا باقی رہنا ثابت ہی نہیں ہوتا۔

بہرحال۔ ہم کو اس بحث سے کوئی مطلب نہیں کہ اُمّ ایمن اور برکتہ ایک ہی عورت کا نام تھا یا دو مختلف عورتوں کا۔ اگر یہ ایک ہی عورت تھی یا دو جداگانہ عورتیں۔ تاہم کاشانۂ رسالت میں انکی حیثیت ایک معمولی خادمہ ہونے سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔ تو پھر ایسی حالت میں انسے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تمام خدمتوں کا مثل حضرت خدیجہ کے اسی دلجوئی اور دلسوزی کے ساتھ انجام پانا

سپرد ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصمت سرائے رسالت اور بیت الشرف نبوت میں امہات مؤمنین میں سے کس خاتون معظمہ کو اس منصب علیا کے لیے منتخب و ممتاز فرمایا۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ تو مسلم ہے کہ جناب خدیجہ کی حیات تک آپنے کوئی دوسری شادی نہیں کی پھر آپ کی وفات فرمانے کے وقت گھر میں کون عورت تھی۔ جو ماں کی جگہ اس یتیم رسالت کی نگراں ہوتی۔ اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص گھر میں دو عورتوں کا موجود رہنا تمام تاریخوں سے ثابت ہے جو میرے لیے ضروری الذکر ہے۔ ایک۔ اُمّ ایمن۔ گھر کی قدیم خادمہ۔ جو جناب عبد اللہ علیہ السلام کے متروکات مخصوصہ سے آپکو وراثۃً ملی تھیں۔ اور ایک برکۃ نامی دوسری چھوکری جسکو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنے صاحبزادوں قاسم وطیب علیہما السلام کی خدمت کے لیے رکھ لیا تھا۔

ہاں خوب وقت پر یاد آیا۔ سواد اعظم کے ایک بزرگ محقق نے اسی برکۃ کو بھی بنات النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں لکھدیا ہے اور اس غریب کو بھی صُلبِ نبوّت سے ہونیکا مثل اوروں کے تھوڑی دیر کے لیے شرف و اعزاز عنایت فرمادیا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ خیریت سے بہت جلد محقق موصوف اپنی اس غلطی کو سمجھ بھی گئے اور فوراً اسکا اعتراف کرکے اسکی تصحیح بھی فرمادی۔ انکی دونوں عبارتیں ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ باقی رہا بنات الرسول کے خاص مسئلہ کے متعلق سواد اعظم کے عالم رجال میں جو فساد عظیم برپا ہے اُسکو ہم انشاء اللہ المستعان پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ ایک جداگانہ باب میں اس کتاب کے بیان کرینگے۔

علامہ ابن حجر اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بذیل تذکرہ بنات النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر فرماتے ہیں۔

برکۃ بنت النبی ذکرھا بعض من رجال لعمدۃ للحافظ عبد الغنی فاورد فی الکتاب شیئًا من الترجمۃ النبویہ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم رقیۃ ثم فاطمہ ثم ام کلثوم

حضرت کی ایک لڑکی کا نام برکۃ ہے جسکو [illegible] معین رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے ذکر کیا ہے کیونکہ [illegible] حضرت کا بھی اس میں ذکر کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت [illegible] سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکۃ۔ پھر زینب۔ پھر رقیہ۔ پھر ام کلثوم پھر آگے چل کر اسی ترجمہ میں لکھتے ہیں

نقدمت فی القسم الثانی [illegible] انہ غلط نشاء من تحریف وذالک [illegible] کانت [illegible] من خدیجۃ فلما ولدت [illegible] کان فی الذی نقل [illegible] علیہ الکلمۃ حتی ظنھا شقیقۃ [illegible]

ہم قسم دوم میں برکۃ کو دختر نبی [illegible] آئے ہیں۔ مگر بعد اُسکے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے جو تحریف سے واقع ہوئی کہ یہ برکت لونڈی تھی آنحضرت صلعم کی جو اولاد خدیجہ کی خدمت کیا کرتی تھی جب قاسم پیدا ہوئے تو یہ اُنکی بھی خدمت کیا کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب میں اسی طرح تھا مگر جب اُس سے نقل کیا گیا تو اُس میں یہ تحریف پیدا ہوگئی جس سے اُس نے سمجھا کہ برکت خواہر قاسم ہے۔

اور لطف پر لطف سنیئے شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی اپنی سیرۃ النبویہ میں اُمّ ایمن اور برکۃ کو ایک ہی عورت قرار دیتے ہیں اور برکۃ کو ایک دوسری عورت نہیں لکھتے۔ چنانچہ صفحہ ۱۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُمّ ایمن کا نام برکۃ تھا۔

لیجیے اس عبارت سے اُن تمام مرقومۂ بالا تحقیقات کو سرے سے بیکار اور ساقط از اعتبار کردیا۔ اب اس جدید تحقیق کے مطابق کاشانۂ نبوّت میں سوائے اُمّ ایمن کے کسی دوسری عورت کا باقی رہنا ثابت ہی نہیں ہوتا۔

بہرحال۔ ہم کو اس بحث سے کوئی مطلب نہیں کہ اُمّ ایمن اور برکۃ ایک ہی عورت کا نام تھا یا دو مختلف عورتوں کا۔ اگر یہ ایک ہی عورت تھی یا دو جداگانہ عورتیں۔ تاہم کاشانۂ رسالت میں انکی حیثیت ایک معمولی خادمہ ہونے سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔ تو پھر ایسی حالت میں انسے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تمام خدمتوں کا مثل حضرت خدیجہ کے اسی دلجوئی اور دلسوزی کے ساتھ انجام پانا

کی حدود اطلاع وسماع سے پوشیدہ اور مخفی رکھی جاتی تھیں۔ اور باوجود اسلام لانے کے تمام اہلِ اسلام سوائے خاص خاص اوقات ومقامات کے عام طور سے ہر وقت اور ہر مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریابی کا شرف نہیں پا سکتے تھے اور کفارِ مکہ اور مشرکین کعبہ کی ایذا دہی کے خوف سے جو شبانہ روز مکہ کے کوچہ و بازار میں غریب مسلمانوں کو اُٹھانی ہوتی تھی عام طور سے اُس وقت کے مسلمان علانیہ آپکی خدمت میں حاضر ہونیکی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

جب یہ قرائن اور یہ اسباب اُس زمانہ کا ایسا خوفناک منظر پیش کر رہے ہیں اور جب ہم بڑے بڑے شجاع اور دلیر مسلمانوں کے دلوں کی یہ دہشت اور خوف کی حالت دیکھتے ہیں تو ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ شہر اور محلہ کی کم سن اور جاہل لڑکیاں اتنی جری اور دلیر ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رات دن بے دھڑک آیا جایا کرتی ہونگی۔

ہمارے لائق مؤلف کا مدعا ان بیبیوں کے نام ملا دینے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں بیبیوں کا نام لکھکر ابتدا ہی سے ان میں اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مابین خاص ارتباط اور اخلاص قائم رہنا ثابت کریں جو آگے چلکر جانبین کے آیندہ واقعاتِ مشاجرت پر پردہ ڈال سکے اور ہم اس کو آپکی ایک بیکار کوشش اور بے فائدہ خامہ فرسائی خیال کرتے ہیں۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔

اُن کی اس پیش بندی کو مدِ نظر رکھکر ہم کو ضرور تھا کہ ہم لائق مؤلف کی اس خود غرضانہ تمہید پر تنقیدانہ نظر ڈالکر اسکا پردہ دری کر دیں جیسا کہ اوپر کی عبارت سے پورے طور پر ثابت اور ظاہر کر دی گئی۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اوّلاً باعتبار اسکے کہ آپ کا شمار برگزیدگانِ الٰہی کے اعلےٰ طبقہ میں تھا۔ سوائے روحانی تعلیم و تربیت کے کسی وقت اور کسی حالت میں انسانی تربیت و تادیب کی محتاج نہیں تھیں۔ ثانیاً ظاہری طور پر صرف اس طرح کہ ایک خورد سال لڑکی کا ایکبارگی ماں سے چھوٹ جانا اور گھر میں تنہا رہجانا کسی دوسرے مہربان اور شفیق کی نگرانی اور خبرگیری کا محتاج ہوتا ہے اور یہی

حالت جناب سیدہ کی اس وقت ہو رہی تھی۔ تو ان دو صورتوں میں عام طور سے جناب سیدہؑ کے قریب اور عزیز رشتے روحانی تعلقات اور قلبی جذبات کے اتحاد و اتفاق سے آپکی تمام ضرورتوں کے خبرگیر اور مددگار ثابت ہو سکتے تھے نہ دور کے بیرونی اور غیر علاقہ والے اشخاص کی انسانی ہمدردی کے تقاضے سے جن کا ہے دنیوی اور رسمی دہی معلوم بھی ہو تو انکے جذبات اعزہ اور اقارب کی سرپرستی اور فطری محبت و قلبی ہمدردی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ تو ایسی حالت میں کہ جب خدا کے فضل وکرم سے جناب سیدہؑ کے گھر میں خود اتنے شفیق سرپرست اور ہمدرد اتنے موجود تھے کہ دوسروں کی اعانت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تو خواہ مخواہ بیرونی ہمدردیوں کی موہوم شان اور اندازِ آپکی صحبت وجلوت میں پیدا کرنا محض بیکار اور فضول ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ اُس مخدرۂ علیا اور خاتونِ مقدسہ کی مبارک سیرت ہے جس کی ترتیب و ترکیب میں فطرتِ صالحہ کے اعلےٰ جوہر خصوصیت کے ساتھ ودیعت فرمائے گئے تھے جیسا کہ لائق مؤلف کی تحریر ذیل سے ہویدا اور آشکار ہے۔

خاتونِ جنت محلہ کی لڑکیوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتی تھیں ہمیشہ اپنے گھر میں اپنی بڑی بہنوں سے کھیلتیں۔ ان کی بہنیں عزیزوں یا ہمسایوں کے گھروں میں چلی جاتی تھیں مگر آپنے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ جناب فاطمہ کا زیادہ وقت تنہائی بسر ہوتا۔ بے ماں کی بچی خاموش بیٹھی رہا کرتی۔ اسی خاموشی و تنہائی نے فاطمہؑ کو متین بنا دیا تھا۔ ہمسایہ کی کوئی لڑکی آجاتی تو ذرا طبیعت بہل جاتی۔ رسول کریم صلعم کو تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ جناب رسولؐ کو ایک چیز کا عشق تھا اور وہ محبوب چیز اسلام تھا۔ اسلام کے عشق میں آپنے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ آپکی حیات کا مقصد اولین صرف اسلام تھا سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے اسلام ہی کا ورد تھا۔ مخالفین کی ستم آفرینیوں نے جناب کو اور بھی مشوش بنا رکھا تھا۔ ایسی حالت میں وہ معصوم بچی کی کیسے دلداری کر سکتے تھے۔ تاہم فاطمہؑ جناب کے جگر کا ٹکڑا تھیں۔ دل کا سرور تھیں۔ آنکھوں کا نور تھیں

کی حدود اطلاع وسماع سے پوشیدہ اور مخفی رکھی جاتی تھیں۔ اور
باوجود اسلام لانے کے تمام اہلِ اسلام سوائے خاص خاص اوقات
ومقامات کے عام طور سے ہر وقت اور ہر مقام پر آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باریابی کا شرف نہیں پا سکتے تھے
اور کفارِ مکہ اور مشرکین کعبہ کی ایذا دہی کے خوف سے جو شبانہ روز
مکہ کے کوچہ وبازار میں غریب مسلمانوں کو اٹھانی ہوتی تھی عام طور
سے اُس وقت کے مسلمان علانیہ آپکی خدمت میں حاضر ہونے کی
جرأت نہیں کرسکتے تھے۔

جب یہ قرائن اور یہ اسباب اُس زمانہ کا ایسا خوفناک منظر پیش
کرتے ہیں اور جب ہم بڑے بڑے شجاع اور دلیر مسلمان دلوں
کی یہ دہشت اور خوف کی حالت دیکھتے ہیں تو ہم کیسے یقین کرسکتے
ہیں کہ شہر اور محلہ کی کمسن اور جاہل لڑکیاں اتنی جری اور دلیر
ہوکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رات دن بے دھڑک
آیا جایا کرتی ہونگی۔

ہمارے لائق مؤلف کا مدعا ان بیبیوں کے نام ملا دینے سے صرف
اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں بیبیوں کا نام لکھکر ابتدا
ہی سے ان میں اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مابین خاص
ارتباط اور اخلاص قائم رہنا ثابت کریں جو آگے چلکر جنابین
کے آیندہ واقعاتِ مشاجرت پر پردہ ڈال سکے اور ہم اس کو
آپکی ایک بیکار کوشش اور بے فائدہ خامہ فرسائی خیال کرتے
ہیں ع ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

مؤرخ کی اس پیش بندی کو مدِ نظر رکھکر ہم کو ضرور تھا کہ ہم لائق مؤلف
کی اس خود غرضانہ تمہید پر تنقیدانہ نظر ڈالکر اسکا پورا رد کردیں جیسا کہ
اوپر کی عبارت سے پورے طور پر ثابت اور ظاہر کردی گئی۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے
ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اوّلاً باعتبار اسکے کہ آپ کا شمار
برگزیدگان الٰہی کے اعلےٰ طبقہ میں تھا۔ سوائے روحانی تعلیم وتربیت
کے کسی وقت اور کسی حالت میں انسانی تربیت وتادیب کی محتاج
نہیں تھیں۔ ثانیاً ظاہری طور پر صرف اس طرح کہ ایک خردسال لڑکی
کا ایکبارگی ماں سے چھوٹ جانا اور گھر میں تنہا رہ جانا کسی دوسرے
مہربان اور شفیق کی نگرانی اور خبرگیری کا محتاج ہوتا ہے اور یہی
حالت جناب سیدہ علیہا السلام کی اس وقت ہو رہی تھی۔ تو ان صورتوں میں
عام طور سے جناب سیدہ کے قریب اور عزیز ہی اپنے روحانی
تعلقات اور قلبی جذبات کے اثر اور اتفاق سے آپکی تمام ضروری
ضرورتوں کے خبرگیر اور مددگار ثابت ہو سکتے تھے نہ دور افتادہ
بیرونی اور غیر علاقہ والے اشخاص کی انسانی ہمدردی کے مقتضیات
سے گاہے گاہے دلجوئی اور تشفی دہی معلوم بھی ہو تو انکی ہمدردیاں
اعزہ اور اقارب کی سرپرستی اور فطرتی محبت وقلبی ہمدردی کے
درجہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ تو ایسی حالت میں کہ بفضلہ تعالیٰ
وکرمہ جناب سیدہ کے گھر میں خود اتنے شفیق سرپرست اور ہمدرد
اتنے موجود تھے کہ دوسروں کی اعانت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تو
خواہ مخواہ بیرونی ہمدردیوں کی موہوم شان اور انداز آپکی صحبت
وجلوت میں پیدا کرنا محض بیکار اور فضول ہے پھر اس کے
ساتھ ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ اُس مخدرۂ علیا
اور خاتونِ مقدسہ کی مبارک سیرت ہے جس کی ترتیب وترکیب
میں فطرتِ صالحہ کے اعلےٰ جوہر خصوصیت کے ساتھ ودیعت
فرمائے گئے تھے جیسا کہ لائق مؤلف کی تحریر ذیل سے ہویدا
اور آشکار ہے۔

خاتونِ جنت محلہ کی لڑکیوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتی تھیں
ہمیشہ اپنے گھر میں اپنی بڑی بہنوں سے کھیلتیں۔ ان کی بہنیں
عزیزوں یا ہمسایوں کے گھروں میں جاتی تھیں مگر آپنے کبھی
گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ جناب فاطمہ کا زیادہ وقت تنہائی
بسر ہوتا۔ بے ماں کی بچی خاموش بیٹھی رہا کرتی۔ اسی خاموشی وتنہائی
نے فاطمہ کو متین بنا دیا تھا۔ ہمسایہ کی کوئی لڑکی آجاتی تو ذرا
طبیعت بہل جاتی۔ رسول کریم صلعم کو تبلیغ اسلام کے عظیم الشان
کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ جناب رسولؐ کو ایک چیز کا عشق
تھا اور وہ محبوب چیز اسلام تھا۔ اسلام کے عشق میں آپنے
سب کچھ بھلا دیا تھا۔ آپکی حیات کا مقصد اولین صرف اسلام تھا
سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اسلام ہی کا ورد تھا۔ مخالفین کی
ستم آفرینیوں نے جناب کو اور بھی مشوش بنا رکھا تھا۔ ایسی
حالت میں وہ معصوم بچی کی کیسے دلداری کرسکتے تھے۔ تاہم فاطمہ
جناب کے جگر کا ٹکڑا تھیں۔ دل کا سرور تھیں۔ آنکھوں کا نور تھیں

علیہ وآلہ وسلم کے اعزّہ اور اقارب نے جن کے نامِ نامی ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس یتیمِ رسالت کو پوری ہمدردی اور شفقت سے اپنے دامن اور اپنی گود میں برابر رکھا اور آپ کو کسی وقت ملول و محزون ہونے نہ دیا۔ اسی وجہ سے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بڑھکر کسی ہمدرد اور شفیق کے پیدا کرنیکے لیے کوئی تردد نہیں ہوا۔ اور کیسے ہوتا۔ گھر میں اتنے دلسوز اور ہمدرد موجود تھے جن کے قلبی تعلقات اور جذبات فطرتِ انسانی کے خلاف کیسے بیکار اور بے اثر ثابت ہو سکتے تھے۔

اب رہا یہ امر کہ واقعی جناب سیّدہ کی فطرتِ صالحہ کو ان کے یا کسی کے اشفاق و تربیت کی ضرورت تھی۔ تو ہم کہیں گے۔ نہیں اور کبھی نہیں۔ آپکی فطرتِ صالحہ روحانی طریقوں پر آپ مرتب ہو رہی تھی۔ انسانی اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اسکے ثبوت میں جناب اُمِ سلمہؓ کا یہ قول کہ بجائے اسکے کہ میں اُنکو آداب سکھاؤں۔ میں اُنسے آپ آداب سکھتی تھی۔ اُن کو آداب سیکھنے کی مطلق حاجت نہیں تھی۔ وہ سب چیزوں کو مجھ سے کیا سب سے بہتر جانتی تھیں۔ کافی ہے۔

حقیقتاً برگزیدگانِ الٰہی کی فطرتِ صالحہ کے یہی انداز ہوتے ہیں۔ اور یہی شان جیسا اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ علیہا السلام کے قول سے ظاہر ہو کہ قدرت کے ایسے روحانی آثار اور تدبیروں کے مقابلہ میں معمولی طبیعتوں کی طرح جناب سیّدہ علیہا السّلام کی نورانی ترکیب و ترتیب میں انسانی تربیت و تعلیم کو تامل کرنا بیکار ہے۔

اس مضمون کے متعلق اگرچہ ہم کافی طور پر لکھ چکے ہیں تاہم ناظرینِ بانمکین کے مزید اطمینان کے لیے تھوڑی سی تشریح کو ہم اور ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ اب اس امر کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھنا چاہیے۔ اگر حقیقت میں جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی پرورش اور تربیت کے لیے اپنے گھروالوں کو چھوڑکر جنابِ ختمی مرتبت نے محلہ اور غیر رشتہ والوں کو کسی شخص خاص سے منتخب فرمایا ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہی سے اپنے اس دُرِّ یتیم کو اُنکے سپرد اور حوالہ فرما دیا ہوتا۔ کیونکہ اُنکے گھر میں کتنے ہی

اُن لوگوں کو اپنے اپنے دور گھروں سے صاحبزادی کی پرورش و پرداخت کے لیے بار بار آنے جانے اور [illegible] کی بیکار زحمت ہوتی۔ اور خود حضور کو انکے آنے [illegible] بجالانے کا انتظار کرنا ہوتا۔

حاشا للہ۔ کوئی معمولی سے معمولی عقل والا آدمی بھی جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی ہمتی حسنِ اخلاق اور کریم النفسی کو ان امور میں دوسروں کے زیر بار احسان ہونے سے نسبت دینا پسند کرسکتا ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال استغنا اور اخلاق کا پایہ تو بحد رفیع ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ آنحضرت تو درکنار آپ کے اہلبیت میں سے کوئی متنفس اپنی خاندانی غیرت و حمیّت کے مقابلہ میں اس منت کے احسان کو اپنے سر لینا کسی حالت میں پسند نہیں کرسکتا تھا۔ اور اگر حقیقتاً جناب ختمی مرتبت کو امداد اغیار پر اعتبار و اعتماد ہوتا تو آپ جناب سیّدہؑ کو انہی حضرات کے سپرد فرما کر مدینۂ منوّرہ کو ہجرت فرماتے۔ اور اپنے گھروالوں کے پاس جن کی خدمت کی طرف سے اطمینان نہیں تھا کبھی اپنے پارۂ جگر کو تنہا چھوڑ جاتے۔ مگر واقعات اسکے خلاف ہیں۔ مشاہدِ تاریخی بتلا رہے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے وقت وفات ہی سے جناب سیّدہؑ کی پرورش اور تربیت کے متعلق اپنے گھروالوں کے حسنِ خدمات کو دیکھ دیکھکر ایسے مطمئن ہو گئے تھے کہ پھر آپ نے اسکے متعلق کوئی فکر نہیں کی۔ کوئی حدیث۔ کوئی قول اور کوئی خبر عام اس سے کہ وہ کیسی ہی ضعیف۔ غیر مقید اور مقطوع الاسناد ہو فریقین کی کسی کتاب میں ہم کو ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جناب سیّدہ کی پرورش اور تربیت میں آپ کے گھروالوں کے ساتھ آپ کے محلّہ والے اور دیگر غیر رشتہ دار بھی شریک تھے۔ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدانخواستہ اپنے گھر والوں کو ان کی طرف سے غافل اور غیر متوجہ پاکر دوسروں کو اُن کے عوض میں منتخب فرمایا ہو۔ یا کبھی کم ان حضرت کی ناتوجہی کی کبھی شکایت ہی فرمائی ہو۔

...کے برعکس مشاہدِ تاریخی ثابت کر رہے ہیں کہ جنابِ ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے حضرت خدیجہ کے بعد اپنی یتیم صاحبزادی کو ایسی بزرگواروں کے سپرد فرمایا جن میں سے اکثر کی کفالت اور شفقت کے دامنوں میں خود آپ نے اپنی یتیمی کا بھی ایک معتدبہ زمانہ کاٹا تھا اور ایک عرصہ تک اُنکے اخلاق، ہمدردی اور سرپرستی کا لطف اُٹھایا تھا اسی لیے اکثر مواقع پر اُنکے محاسن خدمات کا اعتراف بھی زبان مبارک سے فرمایا تھا ان میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ بنت اسد زوجہ محترمہ جناب ابیطالب علیہ السلام تھیں۔ یہ وہی محترمہ تھیں جنہوں نے بعد حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے یتیم عبد اللہ علیہ السلام کو بچپن سے لیکر جوانی تک اپنے دامن اور اپنی گود میں پالا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایسے حقیقی ہمدردوں اور اصلی سرپرستوں کی موجودگی میں کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی پرورش اور تربیت میں انکے ہوتے غیروں سے بیرونی امداد لی گئی ہو۔ بہرحال جناب خدیجہ کی وفات سے لیکر عقد امّ سلمہ کے زمانہ تک جناب سیدہؑ حضرت فاطمہ بنت اسد کے دامن اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ اور وہ خاتون مقدسہ اس دُرِ یتیم کو ہر وقت اپنے لیے حسرت کا تعویذ بنائے رہیں۔ انکے مقابلہ میں امّ ایمن کی خدمتیں ویسی ہی سمجھی جائینگی جیسی جناب رسالت مآب صلعم کے ایام طفولیت میں ثوبیہ کنیز حضرت حمزہ کی خدمتیں انہی فاطمہ بنت اسد کی نگرانی میں انجام پاچکی تھیں۔

مگر ان تمام واقعات کے ساتھ ہم کو یقین کرلینا چاہیے کہ آپ کی تربیت و تادیب کے متعلق حضرت فاطمہ بنت اسد کی بھی وہی کیفیت اور حیثیت ثابت ہوتی ہے جو جناب اُمّ سلمہ کی جیسا کہ خود اُنکی زبانی اوپر نقل ہوچکی کیونکہ اصول قدرت پر آپکی فطرتِ صالحہ انسانی تعلیم و تادیب کی طرف سے بالکل مستغنی پیدا کی گئی تھی۔

بہرحال اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک تو معلوم ہوچکا ہے کہ جناب اُمّ سلمہ کے عقد نکاح تک جناب سیدہؑ کی پرورش حضرت فاطمہ بنت اسد کے متعلق رہی چنانچہ حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی بزرگواروں کے اشفاق اور سچی ہمدردیوں کے اعتبار پر اپنے ایسے منتیم پارہ جگر کو جس کا نعم البدل آپکے لیے دوسرا ممکن نہیں تھا۔ اس عام بےآشوبی اور ستم آفرینی کے سخت ترین زمانہ میں سپرد فرماکر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت اختیار کی۔

ہم سیرۃ النبویۃ کے اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت خدیجہ اور جنابِ ابیطالب کے ایکبارگی اُٹھ جانے سے مشرکین قریش کی موذی اور خونخوار جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذادہی اور ظلم رسانی میں اور شیر ہوگئی۔ علامہ نعمانی اسی زمانہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

بچپن میں رسولؐ کی خدمت اور رفاقت

آپ ایکدفعہ راہ میں جارہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی۔ اُسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپکی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا جانِ پدر! رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائیگا۔ ص ۱۸۲

پھر کچھ آگے چلکر اس سے بڑھکر ظلم و ستم اور آزاردہی کا ایک دوسرا واقعہ یوں قلمبند فرماتے ہیں

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو اُن کی گردن پر ڈالدیتا۔ عقبہ نے کہا کہ یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈالدی قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کو خبر لگی۔ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ صحاح تاریخ مدینہ میں امام سمہودی لکھتے ہیں کہ آپ نے اس وقت جن جن کافروں کے لیے بد دعا کی وہ سب کے سب غزوۂ احد میں مارے گئے اور واصل بجہنم ہوئے۔

اس کے برعکس مشاہد تاریخی ثابت کر رہے ہیں کہ جناب ختمی مرتبت علیہ الف التحیۃ والثناء نے حضرت خدیجہ کے بعد اپنی یتیم صاحبزادی کو بھی ان بزرگواروں کے سپرد فرمایا جن میں سے اکثر کی کفالت اور شفقت کے دامنوں میں خود آپ نے اپنی یتیمی کا بھی ایک معتدبہ زمانہ کاٹا تھا اور ایک عرصہ تک اُنکے اخلاق ہمدردی اور سرپرستی کا لطف اُٹھایا تھا اسی لیے اکثر مواقع پر اُنکے محاسن و احسانات کا اعتراف بھی زبان مبارک سے فرمایا تھا ان میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ بنت اسد زوجہ محترمہ جناب ابیطالب علیہ السلام تھیں۔ یہ وہی محترمہ تھیں جنھوں نے بعد حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے یتیم عبداللہ علیہ السلام کو بچپن سے لیکر جوانی تک اپنے دامن اور اپنی گود میں پالا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

پس ایسے حقیقی ہمدردوں اور اصلی سرپرستوں کی موجودگی میں کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی پرورش اور تربیت میں انکے ہوتے غیروں سے بیرونی امداد لی گئی ہو۔ بہرحال جناب خدیجہ کی وفات سے لیکر عقد ام سلمہ کے زمانہ تک جناب سیدہؑ حضرت فاطمہ بنت اسد کے دامن اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ اور وہ خاتون مقدسہ اس دُرِ یتیم کو ہر وقت اپنے دل پُر حسرت کا تعویذ بنائے رہیں۔ انکے مقابلہ میں ام ایمن کی خدمتیں ویسی ہی سمجھی جائینگی جیسی جناب رسالت مآب صلعم کے ایام طفولیت میں ثوبیہ کنیز حضرت حمزہ کی خدمتیں انہی فاطمہ بنت اسد کی نگرانی میں انجام پاچکی تھیں۔

مگر ان تمام واقعات کے ساتھ ہم کو یقین کرلینا چاہیے کہ آپ کی تربیت و تادیب کے متعلق حضرت فاطمہ بنت اسد کی بھی وہی کیفیت اور حیثیت ثابت ہوتی ہے جو جناب اُمّ سلمہ کی جیسا کہ خود اُنکی زبانی اوپر نقل ہوچکی کیونکہ اصول قدرت پر آپکی فطرت صالحہ انسانی تعلیم و تادیب کی طرف سے بالکل مستغنی پیدا کی گئی تھی۔

بہرحال اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک تو معلوم ہوچکا ہے کہ جناب اُم سلمہ کے عقد نکاح تک جناب سیدہؑ کی پرورش حضرت فاطمہ بنت اسد کے متعلق رہی چنانچہ حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی بزرگواروں کے اشفاق اور سچی ہمدردیوں کے اعتبار پر اپنے ایسے مقتنم پارۂ جگر کو جس کا نعم البدل آپکے لیے دوسرا ممکن نہیں تھا۔ اس عام بے آشوبی اور ستم آفرینی کے سخت ترین زمانہ میں سپرد فرماکر مکہ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت اختیار کی۔

ہم سیرۃ النبویہ کے اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت خدیجہ اور جناب ابیطالب کے ایکبارگی اُٹھ جانے سے مشرکین قریش کی موذی اور خونخوار جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذادہی اور ظلم رسانی میں اور دلیر ہوگئی۔ علامہ نعمانی اسی زمانہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

بچپن میں رسولؐ کی خدمت اور رفاقت

آپ ایک دفعہ راہ میں جارہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی۔ اُسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپکی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا جان پدر! رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائیگا۔ ص ۱۸۲

پھر کچھ آگے چل کر اس سے بڑھکر ظلم و ستم اور آزاردہی کا ایک دوسرا واقعہ یوں قلمبند فرماتے ہیں

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو اُن کی گردن پر ڈالدیتا۔ عقبہ نے کہا کہ یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈالدی قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کو خبر لگی۔ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں جنانچہ تاریخ مدینہ میں امام سمہودی لکھتے ہیں کہ آپ نے اس وقت جن جن کافروں کے لیے بد دعا کی وہ سب کے سب غزوۂ احد میں مارے گئے اور واصل بجہنم ہوئے۔

اور پانسو درہم دیکر مکہ معظمہ کی طرف روانہ فرمایا اور وہ اپنے ہمراہ جناب سیدہ۔ حضرت سودہ۔ اُمِّ ایمن اور اسامہ وغیرہ کو لے آئے آپ نے انہی کے ساتھ زینب۔ رقیہ اور امِّ کلثوم کو بھی بُلا بھیجا تھا لیکن رقیہ اپنے شوہر عثمان کے ساتھ حبشہ میں تھیں۔ زینب اور امِّ کلثوم کو اُن کے شوہروں نے آنے نہ دیا۔

سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے مکان بنوائے۔ اس وقت تک صرف حضرت سودہ اور حضرت عائشہ نکاح میں آ چکی تھیں جب اور ازواج آتی گئیں اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت امِّ سلمہ۔ امِّ حبیبہ۔ زینب۔ جویریہ۔ میمونہ اور زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ صفیہ۔ سودہ مقابل جانب تھیں۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ آپ جب مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں ص ۲۰۶۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب سیدہ حضرت سودہ کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔ اس لیے قرینہ یہ بتلاتا ہے کہ انہی کے مکان میں قیام فرما ہوئیں مگر یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے جس کے لیے کوئی مشاہدہ تاریخی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی وجہ سے یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو اس ہمراہی کی مدت ایک سال سے زائد ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ حالات سالِ اول ہجرت کے تھے۔ سالِ دوم ہجرت میں حضرت امِّ سلمہ عقدِ نکاح میں آگئیں۔ اور اسی وقت سے جناب سیدہ کی تمام خدمتیں آپ سے خاص طور پر متعلق ہو گئیں جیسا کہ ہمارے آئندہ واقعات سے پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گا۔

اتنا لکھ کر ہم ایک اور امر کی توضیح و تنقیح کو ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کی ماں مدینہ میں کب آئیں۔ تاریخیں خاموش ہیں۔ محدثین کو انکی خصوصیات کے لکھنے اور ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا ہو ہی قیاس۔ وہ تاریخوں کو دیکھ کر عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ آپ اپنے صاحبزادے علی مرتضےٰ کے ساتھ تو آئی نہیں۔ حضرت جعفر حبشہ میں تھے۔ یہ آئیں تو اپنے بڑے صاحبزادے عقیل کے ہمراہ جو حضرت عباس ابن عبد المطلب کے ہمراہ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں قیام گزیں تھے۔ مگر یہ بھی ایسا قیاس ہے جسکے لیے کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اب دیکھیے۔ ان تمام قیاسات کو امام شعبی کا یہ قول جناب فاطمہ بنت اسد کے متعلق کہ ھاجرت واسلمت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقابلِ اعتبار اور بالکل بے اعتبار کر دیتا ہے۔

اب یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو امام صاحب کے اس قول پر مورخین کی نظر ہی نہیں پڑی۔ یا امام صاحب کا یہ قول اُن کے نزدیک صحیح نہیں ٹھہرا۔ اتنے مورخین اسلام میں سے کسی مورخ کی نظر کا اس قول پر آج تک نہ پڑنا سراسر محال ہے اور اگر کوئی تاریخ جاننے والا اس سے استدلال کرے تو اُسکے خاموش کرنے کے لیے مولوی شبلی کا بتلایا ہوا اصول تنقید کہ حدیث کے مقابلہ میں تاریخی واقعات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے جس کو وہ سیرۃ النبویہ کے دیباچہ میں تحریر فرما چکے ہیں پورے طور سے کافی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ امام صاحب کا قول مورخین کے معیارِ صحت پر کامل نہ اُترا۔ یہ بھی اس طریقہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ قرنِ ثانیہ کے اتنے بڑے مستند اور قدیم محدث کے مختار کو اہلِ تاریخ اور سیر کا جو ضرور اُسکے بعد وجود میں آئے اپنے اجتہاد سے رد کر دیں۔

تحقیق کرنیوالے اور ہر امر کی اصلیت کو ڈھونڈ نکالنے والے جانتے ہیں کہ امام صاحب کا قول بھی صحیح ہے اور مورخین کی خاموشی اور سکوت بھی معنے دارد کہ در گفتن نمی آید۔ غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مورخین نے اس قول کو ضرور دیکھا مگر جناب فاطمہ بنت اسد کے ہجرت فرمانے کے واقعہ کو خاص طور پر لکھنے اور دکھلائے جانے کو ضروری نہ سمجھے۔ اور کیوں سمجھے وہاں تو ابتدا ہی سے اہلبیت اور تمام متعلقین اور وابستگانِ اہلبیت کے خصائص اور فضائل و مناقب کا استخفاف مدنظر تھا۔ مثال کے لیے ابھی ابھی گزشتہ واقعات کے تاریخی اختلافات کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

مولوی شبلی نے طبقات ابن سعد کے اسناد سے ہمراہی زید

سیّدہؑ اور حضرت سودہ کا تشریف لانا لکھا ہے۔ امام سمہودی نے اخبار الوفا تاریخ مدینہ میں ہمراہی زید و ابو رافع۔ جناب سیّدہ اور سودہ کے ساتھ امّ ایمن اور اسامہ پسرِ زید کا آنا بھی لکھا ہے۔ مگر نہیں لکھا ہے تو فاطمہ بنت اسد کا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان سے اور جناب رسالت مآبؐ سے اتنی خصوصیات اور تعلقات نہ ثابت ہو سکیں۔

اب انکے خلاف دوسروں کی رعایت اور قدر افزائی بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت زید کو دو اونٹ اور پانسو درم دیکر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرمِ نبوی کو لے آئیں حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ بھی ساتھ گئے۔ مولوی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے زید کے ہمراہ عبداللہ بھی گئے۔ خواہ آنحضرتؐ کی طرف سے بھیجے گئے یا خود گئے۔ مگر ایک گونہ حسن خدمت میں حصّہ دے ہی دیا گیا۔ اب سُنیے۔ امام سمہودی صاحب بخلاف اسکے اخبار الوفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب زید اپنے قافلہ کو مکہ سے لیکر چلے تو عبداللہ بھی اپنے اہل و عیال کو لیکر انکے ہمراہ ہو گئے۔

اب تو انصاف عقل والوں سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ جب اسلامی واقعات کا تاریخی مرقع ایسی ایسی قلمکاریوں اور رنگ آمیزیوں سے بھرا پڑا ہے تو پھر کسی واقعہ کے اصلی صورت و شکل میں دیکھنے اور پائے جانے کی خصوصًا چودہ سو برس کے بعد کیا امید ہو سکتی ہے۔

مگر ان تمام واقعات کے خلاف ایک منصف مزاج محقق کی آنکھ جب امام شعبی کے ایسے معتبر محدث کے اس مختار پر پڑتی ہے تو وہ اسکو بے معنی اور بلا وجہ نہیں بتلا سکتا۔ کیونکہ اصطلاح محدثین میں مہاجرت مع النبی کے معنوں کا زیادہ تر اطلاق اُن ہی حضرات پر کیا جاتا ہے جنہوں نے ہجرتِ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب زمانہ میں مکہ کے قیام کو ترک کرکے مدینہ میں ہجرت اختیار کی ہو۔ نہ وہ لوگ جو سال دو سال کے بعد مکہ سے مدینہ میں آگئے ہوں۔ اس لیے اگر جناب فاطمہ بنت اسد کا آنا ہجرتِ رسولؐ کے ایک زمانہ بعد اور قیاسًا حضرت عقیل کے آنے کے قریب یا بعد بتلایا جائے تو امام شعبی کے قول کے خلاف واقع [illegible] ہے اور کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ تو اب [illegible] ہجرتِ نبیؐ کے بعد اور واقعۂ عقیل سے قبل ہجرت [illegible] میں مدینہ آگئی ہوں کہ انکی تشریف آوری کو ہم اجرت [illegible] انہیں عبارت سے تعبیر کر سکتے ہوں۔

اب یہ تلاش کرنا باقی رہگیا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے [illegible] ہجرت فرمائی۔ اس کے لیے سوائے دو وقتوں کے اور کوئی [illegible] وقت نہیں بتلایا جا سکتا۔ یا تو جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام اپنی مادرِ گرامی قدر کو ہمراہ لیکر مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ میں ہجرت فرما ہوئے۔ یا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ آپ کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ اور آپ بھی زید کی ہمراہی میں مکہ سے مدینۂ منورہ میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے تھوڑے ہی دنوں بعد رونق افروز ہوئیں۔ تاریخی مشاہدہ کے اعتبار سے قولِ اوّل کے تسلیم کرنے میں مشکل ہے کیونکہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے آنے کو تاریخوں میں کیا حدیثوں کی کتابوں میں بھی تنہا لکھا ہے۔ دوسرے قول کے اعتبار کر لینے اور صحیح مان لینے میں اتنی دشواریاں نہیں ہیں کیونکہ اتنی ترمیم کے بعد کہ جناب سیّدہؑ اور حضرت سودہ کے ساتھ آپ بھی مکہ سے بُلالی گئیں امام شعبی کے مندرجۂ بالا قول کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔

اس بحث کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اگرچہ جناب سودہ کا عقد حضرت امّ سلمہ کے پہلے ثابت ہوا ہے اور اس وجہ سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جناب سیّدہؑ تا وقتِ تزویج یا کم سے کم تا عقدِ امّ سلمہ حضرت سودہ کے ساتھ رہتی ہونگی۔ مگر افسوس کہ کسی تاریخ و سیر کی کتاب سے اس دعوے کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایک حضرت سودہ پر کیا منحصر ہے۔ ازواج مطہرات کے دائرہ میں سوائے جناب امّ سلمہ کے اور کسی مطہرہ کی [illegible] جناب سیّدہ کی نگرانی خبرگیری اور تربیت کا تعلق کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ اتنی تحقیق اور تفتیش کے بعد جو واقعات کی اصلیت کا متلاشی ہر طریقہ اور ہر قرینہ کو پھر جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کی اُس روایت کو

تسلیم کرلینگا جو جناب سیدہؑ کی تربیت اور خدمت کا شرف خاص طور پر حضرت ام سلمہ کے متعلق ثابت کرتی ہے اور جسکو ہم اس مضمون کی ابتدا میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

اب ایک اور امر تنقیح طلب رہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر جناب سیدہؑ کی خدمت تربیت جیسا کہ مندرجۂ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے قیام مدینہ کے وقت سے حضرت ام سلمہ کے متعلق مان بھی لی جائے تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقد ام سلمہ جو بروایتے سنہ ہجری کے آخر اور بروایتے سنہ۳ ہجری میں واقع ہوا اور جو جناب سیدہؑ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت سے لیکر اپنے وقوع کے روز تک کم وبیش دو برس کی مدت پیدا کرتا ہے تو اس مدت میں جناب سیدہؑ کی خدمت کس کے متعلق رہی۔ ام سلمہ تو اُس وقت تک عقد میں آئی ہی نہیں تھیں۔ تو ایسی حالت میں پھر اس مدت تک آپ کی خدمت حضرت سودہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی تو پھر کس کے متعلق سمجھی جائیگی۔ کیونکہ اُس وقت تک سوائے حضرت سودہ کے کسی معظمہ کو زوجۂ نبی ہونیکا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔

اسکے جواب میں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں اگرچہ حضرت سودہ بیت الشرف میں داخل ہو چکی تھیں۔ جو صورت جناب سیدہؑ کی خدمت تربیت کی قائم تھی وہی صورت یہاں بھی اور اس زمانہ میں بھی یقین کیجائیگی۔ مکہ کے قیام کے ایام میں بھی آپکی خدمت تربیت کا کوئی واقعہ حضرت سودہ کے متعلق کسی کتاب میں مندرج پایا نہیں جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود شرف زوجیت حاصل ہو جانیکے بھی یہ معظمہ اس خدمت کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئیں۔ اور اس وجہ سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمات اہلبیت نبوی میں اُنہی حضرات کے متعلق رکھی گئیں۔ جو جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے وقت سے ان خدمتوں کو باحسن وجوہ انجام دیتے چلے آتے تھے۔ اسی طرح قیام مدینہ کے اُن ایام میں بھی جب تک کہ حضرت ام سلمہ عقد میں نہ آچکیں۔ یہی حضرات اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ اور اسی ضرورت سے حضرت فاطمہ بنت اسد بھی زید مکہ سے مدینہ میں جناب فاطمہؑ کے ساتھ ہی بلائی گئی تھیں۔ جیسا کہ امام شعبی کے

قول سے استفادہ ہوتا ہے۔ پھر جب حضرت ام سلمہ حبالۂ نکاح میں آچکیں اور ان محترمہ کو اس مبارک خدمت کے لیے موزوں اور اہل سمجھ لیا گیا۔ اُس وقت سے یہ خدمت انکے سپرد فرما دی گئی۔

بخلاف اور ازواج مطہرات کے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے حضرت ام سلمہ کو خاص طور پر کیا تعلق تھا۔ اور آپکی خدمات کے لیے اور ازواجِ مطہرات پر آپ کو ترجیح دیے جانے کی کیا وجہ تھی؟

ان سوالوں کا جواب پہلے تو قدرت سے پوچھنا چاہیے کہ اُسنے عالم آفرینش میں انسانی طبائع کو کیوں مختلف پیدا کیا۔ اور پھر اُن میں سے ایک فرد خاص کو ایک امر خاص کے لیے کیوں موزوں قرار دیا۔ اور بخلاف اُسکے دوسرے کو اُسی جنس اور اُسی طبقہ میں اُسی امر خاص کے لیے بالکل ناموزوں تجویز فرمایا۔ یہ قدرت کی خاص الخاص تصرفات ہیں اور انتخابات۔ جنہیں انسان کی معمول پسند طبیعتیں اپنی طبیعت کے عام اصول پر ایسے غیر متوقع امور کے ظہور پر مضطرب ہو کر اسکی وجہیں تلاش کرتی ہیں۔ اور ہزاروں فکریں کرتی ہیں۔ مدتوں سر کھپاتی ہیں اور ایک وقت خاص تک کچھ نہیں پاتیں۔ پر جب تک کہ مشیت کو اُنکے قلوب کی تسکین اور دلوں کی تشفی نہ منظور ہولے وہ لوگ اسکی وجہ کو نہیں سمجھ سکتے قدرت معلّم ہے اور زمانہ متعلّم۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے آج تک انکار نہیں کیا گیا۔ زمانہ کی ایسی اضطرابی حالتوں میں قدرت کا معلّم قدرت کے اُن بعض امور کو خود بتلا دیتا اور سمجھا دیتا ہے جسکو وہ ضروری اور مناسب سمجھتا ہے۔ اور اکثر اوقات یہ امور عملی طریقوں کے اظہار و آثار سے متحیرین زمانہ کے سامنے ظاہر و آشکار کیے جاتے ہیں۔ جن کو وہ عالم کی رفتار دکر دار میں روزانہ مشاہدہ کرکے ان امور میں اپنے قلب مضطر کی کافی تسکین و تشفی کر لیتے ہیں۔ اور پھر ایسی کہ انکا شش و پنج کامل اعتماد و اعتقاد سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جناب ام سلمہ کے ان شرف خصائص اور حسن ترجیح کو سمجھنا چاہیے کہ ابتدا میں تو ان مقدسہ کے انتخاب کی کوئی وجہ ظاہر طور پر معلوم نہیں ہوتی مگر آگے چلکر فاطمہ فاطمہؑ کے شوہر، فاطمہؑ کے بچوں کے ساتھ انکے قلبی اور روحانی تعلقات

تسلیم کرنیگا جو جناب سیدہؑ کی تربیت اور خدمت کا شرف خاص طور پر حضرت ام سلمہ کے متعلق ثابت کرتی ہے اور جسکو ہم اس مضمون کی ابتدا میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

اب ایک اور امر تنقیح طلب رہا جاتا ہی اور وہ یہ ہے کہ اگر جناب سیدہؑ کی خدمت تربیت جیسا کہ مندرجۂ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے قیام مدینہ کے وقت سے حضرت ام سلمہ کے متعلق مان بھی لی جائے تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقد ام سلمہ جو بروایتے سنہ ہجری کے آخر اور بروایتے سنہ ۳ ہجری میں واقع ہوا اور جو جناب سیدہؑ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت سے لیکر اپنے وقوع کے روز تک کم و بیش دو برس کی مدت پیدا کرتا ہی تو اس عرصہ میں جناب سیدہؑ کی خدمت کس کے متعلق رہی۔ ام سلمہ تو اس وقت تک عقد میں آئی ہی نہیں تھیں۔ تو ایسی حالت میں پھر اس عرصہ تک، آپ کی خدمت حضرت سودہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی تو پھر کس کے متعلق سمجھی جائیگی۔ کیونکہ اُس وقت تک سوائے حضرت سودہ کے کسی معظمہ کو زوجۂ نبی ہونیکا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔

اسکے جواب میں صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں اگرچہ حضرت سودہ بیت الشرف میں داخل ہو چکی تھیں۔ جو صورت جناب سیدہؑ کی خدمت تربیت کی قائم تھی وہی صورت یہاں بھی اور اس زمانہ میں بھی یقین کیجائیگی۔ مکہ کے قیام کے ایام میں بھی آپکی خدمتِ تربیت کا کوئی واقعہ حضرت سودہ کے متعلق کسی کتاب میں مندرج پایا نہیں جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود شرف زوجیت حاصل ہو جانیکے بھی یہ معظمہ اس خدمت کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئیں۔ اور اس وجہ سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمات اہلبیتِ نبوی میں اُنہی حضرات کے متعلق رکھی گئیں۔ جو جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے وقت سے ان خدمتوں کو باحسن وجوہ انجام دیتے چلے آتے تھے۔ اسی طرح قیام مدینہ کے اُن ایام میں بھی جب تک کہ حضرت ام سلمہ عقد میں نہ آچکیں۔ یہی حضرات اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ اور اسی ضرورت سے حضرت فاطمہ بنت اسد بھی ہمراہی زید مکہ سے مدینہ میں جناب فاطمہؑ کے ساتھ ہی بلالی گئی تھیں۔ جیسا کہ امام شعبی کے قول سے مستفاد ہوتا ہے۔ پھر جب حضرت ام سلمہ حبالۂ نکاح میں آچکیں اور ان محترمہ کو اس مبارک خدمت کے لیے موزوں اور اہل سمجھ لیا گیا۔ اُس وقت سے یہ خدمت انکے سپرد فرما دی گئی۔ بخلاف اور ازواجِ مطہرات کے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے حضرت ام سلمہ کو خاص طور پر کیا تعلق تھا۔ اور آپکی خدمات کے لیے اور ازواجِ مطہرات پر آپ کو ترجیح دیے جانے کی کیا وجہ تھی؟

ان سوالوں کا جواب پہلے تو قدرت سے پوچھنا چاہیے کہ اُسنے عالم آفرینش میں انسانی طبائع کو کیوں مختلف پیدا کیا۔ اور پھر اُن میں سے ایک فردِ خاص کو ایک امرِ خاص کے لیے کیوں موزوں قرار دیا۔ اور بخلاف اُسکے دوسرے کو اُسی جنس اور اُسی طبقہ میں اُسی امرِ خاص کے لیے بالکل ناموزوں تجویز فرمایا۔ یہ قدرت کی خاص الخاص تصرفات ہیں اور انتخابات۔ جنہیں انسان کی معمول پسند طبیعتیں اپنی طبیعت کے عام اصول پر ایسے غیر متوقع امور کے ظہور پر مضطرب ہوکر اسکی وجہیں تلاش کرتی ہیں۔ اور ہزاروں فکریں کرتی ہیں۔ مدتوں سر کھپاتی ہیں اور ایک وقت خاص تک کچھ نہیں پاتیں۔ پر جب تک کہ مشیت کو اُنکے قلوب کی تسکین اور دلوں کی تشفی نہ منظور ہولے وہ لوگ اسکی وجہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ قدرت معلم ہے اور زمانہ متعلم۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے آج تک انکار نہیں کیا گیا۔ زمانہ کی ایسی اضطرابی حالتوں میں قدرت کا معلم قدرت کے اُن بعض امور کو خود بتلا دیتا اور سمجھا دیتا ہے جسکو وہ ضروری اور مناسب سمجھتا ہے۔ اور اکثر اوقات یہ امور عملی طریقوں کے اظہار و آثار سے متحیرین زمانہ کے سامنے ظاہر و آشکار کیے جاتے ہیں۔ جن کو وہ عاقل کی رفتار دکر دار میں روزانہ مشاہدہ کرکے ان امور میں اپنے قلب مضطر کی کافی تسکین و تشفی کر لیتے ہیں۔ اور پھر ایسی کہ انکا شش و پنج کامل اعتماد و اعتقاد سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جناب ام سلمہ کے ان شرف خصائص اور حسنِ ترجیح کو سمجھنا چاہیے کہ ابتدا میں تو ان مقدسہ کے انتخاب کی کوئی وجہ ظاہر طور پر معلوم نہیں ہوتی مگر آگے چلکر فاطمہ فاطمہ کے شوہر، فاطمہؑ کے بچوں کے ساتھ انکے قلبی اور روحانی تعلقات

جناب سلمان الفارسی علیہا السّلام تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حدِ بلوغ کو پہنچیں۔ اکابر و اشرافِ قریش و صاحبانِ مال و ثروت و شرف و عزّت نے جناب فاطمہؑ کی خواستگاری کی اور جو شخص ان میں سے خواستگاری کرتا تھا۔ جنابِ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکی طرف سے روئے مبارک پھیر لیتے تھے۔ اور اظہار کراہت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کو معلوم ہو جاتا تھا کہ حضرت ہم پر خشمناک ہوئے۔ یا آسمان سے وحی ہماری مذمت میں نازل ہوئی ہے۔ اور اُن لوگوں میں کہ جنہوں نے خواستگاری کی تھی ابوبکر بھی تھے اُنکے سوال پر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اسکا اختیار خدا کو ہے۔ انکے بعد عمر نے سوال کیا۔ اور حضرت نے اُنکو بھی وہی جواب دیا۔ اسکے بعد ایک دن ابوبکر عمر سعد ابن معاذ وغیرہم مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپس میں مراد جنابِ سیدہؑ کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ اشرافِ قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری آنحضرتؐ سے کی اور حضرت نے اُن کو جواب صاف دیدیا۔ کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے اگر اُس کو تزویج کرنا چاہے تو وہ تزویج کر سکتا ہے۔ مگر علیؑ ابن ابیطالب نے ابھی تک اس بارے میں نہیں کہا اور نہ کسی نے اُنکی طرف سے کچھ عرض کی۔ ہمیں گمان ہے کہ سوائے تنگدستی اور کچھ مانع نہیں ہے اور اُن کی نسبت جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو بیشک علی ہی کے لیے تجویز کر رکھا ہے۔ پس ابوبکر نے عمر اور سعد بن معاذ سے کہا کہ اُٹھو علیؑ کے پاس چلیں اور اُن سے کہیں کہ فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگر تنگدستی اُنھیں مانع ہے تو ہم اس باب میں اُنکی مدد کرینگے۔ اُنہوں نے کہا بہت درست ہے۔ یہ کہکر اُٹھے اور جناب امیر علیہ السّلام کے گھر گئے حضرت کو وہاں نہ پایا۔ اُس وقت حضرت اپنے اونٹ کو لے گئے تھے۔ اور ایک مرد انصاری کے باغ میں اُجرت پر آبکشی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اسی باغ میں گئے۔ اور جب آپکی خدمت میں پہنچے تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کس غرض سے میرے پاس آئے ہو۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اے علیؑ کوئی خصلت خصلتہائے نیک میں سے ایسی نہیں ہے کہ اُس میں تم کو سب لوگوں پر ترجیح نہ ہو۔ تمہارے اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو رابطہ بسبب یگانگی و مصاحبت دائمی و نصرت و یاری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری کی مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ اور جواب دیا کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تم کو کیا چیز فاطمہؑ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ ہمکو گمان ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فاطمہؑ کو تمہارے لیے رکھا ہے۔ پس جب جناب امیر علیہ السّلام نے ابوبکر کا یہ کلام سُنا۔ آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہو گئے اور فرمایا تم نے میرے اندوہ و غم کو زیادہ کر دیا اور جو تمنّا میرے دل میں پنہاں تھی اُسکو تم نے ظاہر کر دیا۔ کون ایسا ہے جو فاطمہؑ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو لیکن تنگدستی کے سبب اس امر کے اظہار کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور تامّل ہوتا ہے۔ پس ان لوگوں نے جس طرح ہو ا جناب امیر علیہ السّلام کو اس امر پر راضی کر لیا کہ آپ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کریں۔ جناب امیرؑ نے اونٹ کھولا اور گھر میں لا کر باندھ دیا۔ اور نعلین پہنکر جناب رسولؐ خدا کے بیت الشرف کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ اُس وقت خانۂ اُمّ سلمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ جب جناب امیرؑ نے دقّ الباب کیا۔ اُمّ سلمہ نے کہا کون ہے؟ پس قبل اس کے کہ آپ فرمائیں میں ہوں علی ابن ابیطالبؑ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے اُمّ سلمہ اُٹھو اور دروازہ کھولدو کہ یہ وہ مرد ہے جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اُمّ سلمہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کون شخص ہے جس کے حق میں آپ ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور ہنوز آپ نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے اُمّ سلمہ چپ رہو۔ یہ وہ مرد ہے جو سفیہ نہیں ہے۔ بلکہ خوش کن اور شجاع ترین مردم ہے۔ یہ میرا بھائی اور ابن عم ہے اور یہ مجھے سب خلق سے زیادہ محبوب تر ہے۔ اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ سُنکر میں اُٹھی اور جلدی سے میں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ اور اس عجلت کی وجہ سے میرا پاؤں میری ردا میں اُلجھ گیا اور قریب تھا کہ میں گر پڑوں پھر جب میں نے دروازہ کھولا تو علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کو دیکھا

جناب سلمان الفارسی علیہا السلام تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حدِ بلوغ کو پہنچیں۔ اکابر و اشرافِ قریش و صاحبان مال و ثروت و شرف و عزت نے جناب فاطمہؑ کی خواستگاری کی اور جو شخص ان میں سے خواستگاری کرتا تھا۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکی طرف سے روئے مبارک پھیر لیتے تھے۔ اور اظہار کراہت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کو معلوم ہو جاتا تھا کہ حضرت ہم پر خشمناک ہوئے۔ یا آسمان سے وحی ہماری مذمت میں نازل ہوئی ہے۔ اور اُن لوگوں میں کہ جنہوں نے خواستگاری کی تھی ابوبکر بھی تھے انکے سوال پر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اسکا اختیار خدا کو ہے۔ انکے بعد عمر نے سوال کیا۔ اور حضرت نے اُنکو بھی وہی جواب دیا۔ اسکے بعد ایک دن ابوبکر عمر سعد ابن معاذ وغیرہم مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپس میں مذاکرت جناب سیدہؑ کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ اشراف قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری آنحضرتؐ سے کی اور حضرت نے اُن کو جواب صاف دیدیا۔ کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے اگر اُس کو تزویج کرنا چاہے تو وہ تزویج کر سکتا ہے۔ مگر علیؑ ابن ابیطالب نے ابھی تک اس بارے میں نہیں کہا اور نہ کسی نے اُنکی طرف سے کچھ عرض کی۔ ہمیں گمان ہے کہ سوائے تنگدستی اور کچھ مانع نہیں ہے اور اُن کی نسبت جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو بیشک علی ہی کے لیے تجویز کر رکھا ہے۔ پس ابوبکر نے عمر اور سعد ابن معاذ سے کہا کہ اُٹھو علیؑ کے پاس چلیں اور اُن سے کہیں کہ فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگر تنگدستی اُنھیں مانع ہے تو ہم اس باب میں اُنکی مدد کرینگے۔ اُنہوں نے کہا بہت درست ہے۔ یہ کہکر اُٹھے اور جناب امیر علیہ السلام کے گھر گئے حضرت کو وہاں نہ پایا۔ اُس وقت حضرت اپنے اونٹ کو لے گئے تھے۔ ور ایک مرد انصاری کے باغ میں اُجرت پر آب کشی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اسی باغ میں گئے۔ اور جب آپکی خدمت میں پہنچے تو آپنے پوچھا کہ تم لوگ کس غرض سے میرے پاس آئے ہو۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اے علیؑ کوئی خصلت خصلتہائے نیک میں سے ایسی نہیں

ہے کہ اُس میں تم کو سب لوگوں پر ترجیح نہ ہو۔ تمہارے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو رابطہ بسبب یگانگی و مصاحبت دائمی و نصرت و یاری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری کی مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ اور جواب دیا کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تم کو کیا چیز فاطمہؑ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ ہمکو گمان یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے فاطمہؑ کو تمہارے لیے رکھا ہے۔ پس جب جناب امیر علیہ السلام نے ابوبکر کا یہ کلام سُنا۔ آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہو گئے اور فرمایا تم نے میرے اندوہ و غم کو زیادہ کر دیا اور جو تمنا میرے دل میں پنہاں تھی اُسکو تم نے ظاہر کر دیا۔ کون ایسا ہے جو فاطمہؑ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو۔ لیکن تنگدستی کے سبب اس امر کے اظہار کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور تامل ہوتا ہے۔ پس ان لوگوں نے جس طرح ہوا جناب امیر علیہ السلام کو اس امر پر راضی کر لیا کہ آپ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کریں۔ جناب امیرؑ نے اونٹ کھولا اور گھر میں لا کر باندھ دیا۔ اور نعلین پہنکر جناب رسولؐ خدا کے بیت الشرف کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ اُس وقت خانۂ اُم سلمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ جب جناب امیرؑ نے دق الباب کیا۔ اُم سلمہ نے کہا کون ہے؟ پس قبل اس کے کہ آپ فرمائیں میں ہوں علی ابن ابیطالبؑ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے اُم سلمہ اُٹھو اور دروازہ کھولدو کہ یہ وہ مرد ہے جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اُسکو دوست رکھتے ہیں۔ اُم سلمہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کون شخص ہے جس کے حق میں آپ ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور ہنوز آپ نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے اُم سلمہ چپ رہو۔ یہ وہ مرد ہے جو سفیہ نہیں ہے۔ بلکہ خوش کُن اور شجاع ترین مردم ہے۔ یہ میرا بھائی اور ابن عم ہے اور یہ مجھے سب خلق سے زیادہ محبوب تر ہے۔ اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ سُنکر میں اُٹھی اور جلدی سے میں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ اور اس عجلت کی وجہ سے میرا پاؤں میری ردا میں اُلجھ گیا اور قریب تھا کہ میں گر پڑوں پھر جب میں نے دروازہ کھولا تو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیکھا

کو وحی فرمائی کہ مزین ہو جائیں پس روضات جناں مزین ہو گئے۔ پھر درخت طوبیٰ کو حکم فرمایا کہ زیور اور اسباب زینت سے آراستہ ہو۔ حوران بہشت نے زینت اور بناؤ کیا۔ اور حق تعالےٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمان چہارم پر نزدیک بیت المعمور جمع ہوں پس فرشتہ جو آسمان چہارم پر تھا بیت المعمور کے پاس موجود ہوا اور جو فرشتے آسمان چہارم کے نیچے تھے سب اوپر ہو گئے اور حق تعالےٰ نے رضوان خازن بہشت کو حکم دیا کہ منبر کرامت نزدیک بیت المعمور نصب کرے۔ اور وہ منبر وہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے جس روز فرشتوں کو تعلیم اسمار کی اوس اُسپر خطبہ پڑھا تھا۔ اور وہ منبر نور کا ہے پس حق تعالےٰ نے ایک ملک کو ملائکہ حجب سے کہ اُسکا نام راحیل ہے وحی فرمائی کہ اُس منبر پر جاکر حق سبحانہ وتعالےٰ کی ستائش بجا لائے اور اُسکو بجلالت و بزرگی یاد کرے۔ اور حق تعالےٰ کی تعریف کرے پس تعریف کا وہ سزاوار ہے اور درمیان ملائکہ اُس فرشتہ سے خوش زبان اور نیکو بیان زیادہ کوئی فرشتہ نہیں ہے پس وہ فرشتہ منبر پر آیا۔ اور حمد و ستائش حق تعالےٰ کی اُن محامد سے بیان کی جو سزاوار عظمت وجلال ایزد متعال تھی۔ اور سب آسمانوں سے صدائے فرح و شادی آئی۔ اور جمیع اہل سماوات خورسند و شاد ہو گئے۔ اور بروایتے اُس فرشتہ نے یہ خطبہ پڑھا:۔

حمد و سپاس اُس خدا کو سزاوار ہے جو سب پہلوں کی اولیت سے پہلے ہے اور بعد فنائے عالمیان باقی ہے۔ میں اُس خدا کی ثنا کرتا ہوں جس نے ہم کو ملائکۂ روحانیان کیا۔ اور ہم کو اپنی پروردگاری کا اقرار کرنے والا کیا۔ اور اُن نعمتوں پر جو ہمکو عطا ہوئیں شاکر کیا۔ ہم کو گناہوں سے محجوب اور عیبوں سے مستور کیا۔ ہمکو سماوات میں ساکن کیا اور مقرب سراوقات فرمایا۔ ہم سے حرص شہوات زائل کی اور حرص وخواہش ہماری اپنی تسبیح و تقدیس میں قرار دی۔ وہ خدا کہ جس نے اپنی رحمت وسیع کی ہے اور نعمتوں کا بخشنے والا ہے اُس سے جلیل تر ہے کہ جو مشرکین اُس سے منسوب کرتے ہیں اور بوجہ اپنی عظمت وجلال کے اُن افتراؤں سے بلند تر ہے جو اُسپر قرار دیتے ہیں۔ پس بعد چند باتوں کے بیان کیا بدرستیکہ خداوند جبار نے اپنے برگزیدہ گرامی اور پسندیدہ کو اپنی کنیز کے لیے اختیار کیا کہ بہترین زنان و دختر بہترین پیغمبران و اشراف مرسلان ہے۔ پس اُس پیغمبرؐ کے رشتہ کو ایک مرد اہلبیت کے رشتہ سے پیوند کر دیا کہ وہ مرد اُسکا مصاحب اور اُسکی دعوت کا تصدیق کرنیوالا اور اُس کے دین کی طرف مبادرت کرنیوالا ہے اور وہ مرد علی ابن ابیطالب ہے جس نے دختر رسولؐ یعنی فاطمہ بتول سے پیوند پایا۔ اور بروایت اوّل جبرئیلؑ نے کہا کہ پس حق تعالےٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ اسکا عقد نکاح باندھوں۔ بدرستیکہ میں نے اپنی کنیز فاطمہؑ اپنے حبیب محمدؐ کی دختر کو اپنے بندے علیؑ ابن ابیطالب سے تزویج کیا۔ پس میں نے عقد نکاح باندھا۔ اور ملائکہ مقربین کو اسپر شاہد کیا۔ اور اُنکی گواہی اس حریر پر لکھی ہوئی ہے۔ اور تحقیق کہ مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ یہ نامہ آپ کو دکھاؤں اور مشک سے اُسپر مُہر کروں اور رضوان خزانہ دار بہشت کو سپرد کر دوں۔ اور تحقیق کہ جب حق تعالےٰ نے ملائکہ کو تزویج فاطمہؑ پر گواہ کیا تو درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ جو کچھ زیور اور حُلّے تجھ پر ہیں سب جھاڑ دے اور اُسپر نثار کر دے۔ پس ملائکہ اور حور العین نے وہ نثار سمیٹ لیا۔ اور تحقیق کہ اُس نثار کا حوریں ایک دوسری کو ہدیہ بھیجتی ہیں اور اُس پر قیامت تک فخر و مباہات کرتی ہیں۔ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حق تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو حکم دوں کہ زمین پر فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج فرما دیجیے اور اُن کو بشارت دیجیے کہ حق تعالےٰ ان کو دو فرزند عطا کریگا۔ کہ وہ پاکیزہ نجیب طیّب طاہر ماہر صاحب فضیلت دنیا و آخرت میں ہونگے۔

اے ابوالحسن بخدا سوگند کہ ملک ابھی میرے پاس سے گیا تھا کہ تم نے دق الباب کیا۔ پس واضح ہو کہ میں تمہارے مقدمہ میں امر پروردگار جاری کرونگا۔ اے ابوالحسنؑ تم جاؤ کہ میں بھی تمہارے عقب میں بجانب مسجد آتا ہوں۔ اور سب لوگوں کے سامنے فاطمہؑ کو تم سے تزویج کرتا ہوں۔ اور تمہاری ایسی فضیلت بیان کرونگا کہ وہ تمہاری اور تمہارے دوستوں کی دنیا و آخرت میں باعث روشنی چشم ہو گی۔ پس جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدمت بابرکت حضرت رسالتؐ سے اُٹھکر بسرعت متوجہ مسجد ہوا اور مجھے اس قدر فرح و شادی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اُدھر ابوبکر و عمر منتظر تشریف آوری جناب امیر علیہ السلام تھے۔ اس لیے کہ امتحاناً جناب امیر علیہ السلام

کو وحی فرمائی کہ مزین ہو جاؤ۔ پس روضات جنان مزین ہو گئے۔
پھر درخت طوبٰی کو حکم فرمایا کہ زیور اور اسباب زینت سے آراستہ
ہو۔ حوران بہشت نے زینت اور سنگار کیا۔ اور حق تعالیٰ نے فرشتوں
کو حکم دیا کہ آسمان چہارم پر نزدیک بیت المعمور جمع ہوں پس فرشتہ
جو آسمان چہارم کے اوپر تھے بیت المعمور کے پاس موجود ہوا اور جو فرشتے
آسمان چہارم کے نیچے تھے سب اوپر ہو گئے اور حق تعالیٰ نے
رضوان خازن بہشت کو حکم دیا کہ منبر کرامت نزدیک بیت المعمور
نصب کرے۔ اور وہ منبر وہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے جس روز فرشتوں
کو تعلیم اسماء کی اوس پر خطبہ پڑھا تھا۔ اور وہ منبر نور کا ہے پس
حق تعالیٰ نے ایک ملک کو ملائکہ حجب سے کہ اسکا نام راحیل ہے
وحی فرمائی کہ اُس منبر پر جاکر حق سبحانہ و تعالیٰ کی ستائش بجا لائے
اور اُسکو بجلالت و بزرگی یاد کرے۔ اور حق تعالیٰ کی تعریف کرے
پس تعریف کا وہ سزاوار ہے اور درمیان ملائکہ اُس فرشتہ سے
خوش زبان اور نیکو بیان زیادہ کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ پس وہ
فرشتہ منبر پر آیا۔ اور حمد و ستائش حق تعالیٰ کی اُن محامد سے بیان
کی جو سزاوار عظمت و جلال ایزد متعال تھی۔ اور سب آسمانوں
سے صدائے فرح و شادی آئی۔ اور جمیع اہل سماوات خورسند و
شاد ہو گئے۔ اور بروایتے اُس فرشتہ نے یہ خطبہ پڑھا:-
حمد و سپاس اُس خدا کو سزاوار ہے جو سب پہلوں کی اولیت
سے پہلے ہے اور بعد فنائے عالمیان باقی ہے۔ میں اُس خدا کی
ثنا کرتا ہوں جس نے ہم کو ملائکہ روحانیاں کیا۔ اور ہم کو اپنی
پروردگاری کا اقرار کرنے والا کیا۔ اور اُن نعمتوں پر جو ہمکو عطا
ہوتیں شاکر کیا۔ ہم کو گناہوں سے محجوب اور عیبوں سے مستور کیا۔
ہمکو سماوات میں ساکن کیا اور مقرب سرادقات فرمایا۔ ہم سے ہوس
شہوات زائل کی اور حرص و خواہش ہماری اپنی تسبیح و تقدیس میں
قرار دی۔ وہ خدا کہ جس نے اپنی رحمت وسیع کی ہے اور نعمتوں
کا بخشنے والا ہے اُس سے جلیل تر ہے کہ جو مشرکین اُس سے
منسوب کرتے ہیں اور بوجہ اپنی عظمت و جلال کے اُن افتراؤں سے
بلند تر ہے جو اُسپر قرار دیتے ہیں۔ پس بعد چند باتوں کے بیان کیا
بدرستیکہ خداوند جبار نے اپنے برگزیدہ گرامی اور پسندیدہ کو
اپنی کنیز کے لیے اختیار کیا کہ بہترین زنان و دختر بہترین پیغمبرانؐ و
اشراف مرسلان ہے۔ پس اُس پیغمبرؐ کے رشتہ کو ایک مرد اہلبیت
کے رشتہ سے پیوند کردیا کہ وہ مرد اُسکا مصاحب اور اُسکی دعوت
کا تصدیق کرنیوالا اور اُس کے دین کی طرف مبادرت کرنیوالا ہے
اور وہ مرد علی ابن ابیطالب ہے جس نے دختر رسولؐ یعنی فاطمہؑ
بتول سے پیوند پایا۔ اور بروایت اوّل جبرئیلؑ نے کہا کہ پس حق تعالیٰ
نے مجھے وحی فرمائی کہ اسکا عقد نکاح باندھوں۔ بدرستیکہ میں نے
اپنی کنیز فاطمہؑ اپنے حبیب محمدؐ کی دختر کو اپنے بندے علیؑ ابن
ابیطالب سے تزویج کیا۔ پس میں نے عقد نکاح باندھا۔ اور
ملائکہ مقربین کو اسپر شاہد کیا۔ اور اُنکی گواہی اس حریر پر لکھی ہوئی
ہے۔ اور تحقیق کہ مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ یہ نامہ آپ کو
دکھاؤں اور مشک سے اُسپر مُہر کروں اور رضوان خزانہ دار بہشت
کو سپرد کردوں۔ اور تحقیق کہ جب حق تعالیٰ نے ملائکہ کو تزویج فاطمہؑ
پر گواہ کیا تو درخت طوبٰی کو حکم دیا کہ جو کچھ زیور اور حُلّے تجھ پر ہیں
سب جھاڑ دے اور اُسپر نثار کردے۔ پس ملائکہ اور حورالعین نے
وہ نثار سمیٹ لیا۔ اور تحقیق کہ اُس نثار کا حوریں ایک دوسری
کو ہدیہ بھیجتی ہیں اور اُس پر قیامت تک فخر و مباہات کرتی ہیں۔
اے محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)! حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے
کہ میں آپ کو حکم دوں کہ زمین پر فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج فرما دیجیے
اور اُن کو بشارت دیجیے کہ حق تعالیٰ ان کو دو فرزند عطا کریگا۔
کہ وہ پاکیزہ نجیب طیّب طاہر باخبر صاحب فضیلت دنیا و آخرت
میں ہونگے۔
اے ابوالحسن بخدا سوگند کہ ملک ابھی میرے پاس سے گیا تھا کہ تم نے
دق الباب کیا۔ پس واضح ہو کہ میں تمہارے مقدمہ میں امر پروردگار
جاری کرونگا۔ اے ابوالحسنؑ تم جاؤ کہ میں بھی تمہارے عقب میں بجانب
مسجد آتا ہوں۔ اور سب لوگوں کے سامنے فاطمہؑ کو تم سے تزویج
کرتا ہوں۔ اور تمہاری ایسی فضیلت بیان کرونگا کہ وہ تمہاری اور
تمہارے دوستوں کی دنیا و آخرت میں باعث روشنی چشم ہو گی۔
پس جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدمت بابرکت حضرت
رسالتؐ سے اُٹھکر بسرعت متوجہ مسجد ہوا اور مجھے اس قدر فرح و
شادی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اُدھر ابوبکر و عمر منتظر تشریف آوری
جناب امیر علیہ السلام تھے۔ اس لیے کہ امتحاناً جناب امیر علیہ السلام

يا انس اتدرى ما جاءنى من ربى جبرئيل عليه السلام
قال قال لى ان الله تعالى وتبارك يامرك ان تزوج فاطمة
من على فانطلق وادع لى ابا بكر وعمر وعثمان وطلحة وزبير
وبعدتهم من الانصار قال فانطلقت فدعوتهم فلما اخذوا
مجالسهم قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الحمد
لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع سلطانه
المهروب اليه من عذابه النافذ امره فى ارضه وسمائه
الذى خلق الخلق بقدرته وميزهم باحكامه واعزهم
بدينه واكرمهم بمحمد صلى الله عليه وآله وسلم ان الله
عز وجل جعل المصاهرة نسبا لاحقا وامرا مفترضا
وحكما عادلا وخيرا جامعا وشج بها الارحام والزمها الانام
فقال عز وجل وهو الذى خلق من الماء بشرا فجعله نسبا
وصهرا وكان ربك قديرا وامر الله تعالى يجرى الى قضائه
ويجرى قضائه الى قدره ولكل قضاء قدر ولكل قدر اجل
ولكل اجل كتاب يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب
ثم ان الله تعالى امرنى ان ازوج فاطمة من على واشهدكم
انى زوجت فاطمة من على على اربع مائة مثقال فضة
ان رضى بذلك على السنة القائمة والفريضة الواجبة
فجمع الله شملهما وبارك لهما وطاب نسلهما وجعل نسلهما
مفاتيح الرحمة ومعادن الحكمة وامن الامة اقول قولى
هذا واستغفر الله لى ولكم ثم قال رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم متبسما يا على ان الله يامرنى ان ازوجك
فاطمه وانى قد زوجتكها على اربع مائة مثقال فضة فقال
على عليه السلام رضيت يا رسول الله ثم ان عليا خر
ساجدا شكرا لله فلما رفع راسه قال له رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم بارك الله لكما واسعد جدكما واخرج
منكما الكثير الطيب قال انس والله لقد اخرج منهما
الكثير الطيب ۔

انس سے منقول ہے کہ میں ایک دن جناب رسولؐ خدا کے پاس تھا
کہ آپ کو وحی کے سبب سے غشی طاری ہوئی پس جس وقت افاقہ
ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اے انس! تو جانتا ہے کہ میرے پاس جبرئیلؑ
خداوند عرش کی طرف سے کیا حکم لائے۔ میں نے عرض کی کہ میرے
ماں باپ آپ پر فدا ہوں جبرئیلؑ آپ کے پاس کیا حکم لائے ہیں؟
فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ آپ کو
حکم کرتا ہے کہ فاطمہ کو علی سے تزویج کیجئے۔ پس تو جا اور میرے پاس
ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ اور زبیر اور انہیں کی تعداد کے مطابق انصار
میں سے لوگوں کو بلا لا۔ انس کہتا ہے کہ میں گیا اور ان لوگوں کو
بلا لایا۔ پس جس وقت وہ لوگ آکے بیٹھے جناب رسولؐ خدا نے
فرمایا کہ تمیع حمد ثابت ہے واسطے اللہ کے جو محمود ہے بسبب اپنی
نعمتوں کے اور معبود ہے بسبب اپنی قدرت کے اور اطاعت
کیا گیا ہے بسبب اپنے غالب ہونے کے اور اسکی طرف لوگ گریزاں
ہیں اس کے عذاب سے جاری ہے حکم اسکا اسکی زمین اور
آسمان میں۔ وہ ایسا ہی ہے کہ اس نے خلق کو اپنی قدرت سے پیدا
کیا ہے اور اپنے احکام سے ان کو تمیز دی ہے۔ اور اپنے دین کے
سبب ان کو عزت بخشی ہے اور محمدؐ کی وجہ سے انکو بزرگی عطا
فرمائی ہے۔ بتحقیق اللہ عزوجل نے سسرالی رشتہ کو نسب تازہ۔
امر واجب۔ حکم عادل اور خیر مع روا نا۔ اور اسکے سبب سے
رحموں کو پیوند کرتا ہے اور تمام خلق کے اوپر اسکو لازم کر دیا ہے۔
اور فرمایا ہے (ترجمۂ آیت) "وہ اللہ ایسا ہے کہ اسنے پانی سے
آدمی کو پیدا کیا پس اسکے واسطے نسب اور سسرالی رشتہ قرار
دیا۔ اور تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔" اور خدا کا حکم اسکی
قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسکی قضا اسکی قدر کی طرف
جاری ہوتی ہے اور واسطے ہر قضا کے ایک قدر ہے اور واسطے
ہر قدر کے ایک زمانہ معین ہے اور واسطے ہر زمانہ معین کے
ایک کتاب ہے۔ محو کر دیتا ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے۔ اور
ثابت کرتا ہے اور اسکے پاس اصل کتاب ہے (لوح محفوظ)
اما بعد۔ پس اللہ تعالےٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ
سے تزویج کروں۔ اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہؑ
کو علیؑ سے چار سو مثقال چاندی پر تزویج کیا۔ اگر علی اس بات
پر راضی ہوں۔ یہ سنت قائم ہے اور فریضہ واجب ہے پس اللہ تعالےٰ
ان دونوں میں جمعیت عطا کرے اور ان دونوں کو برکت دے۔
اور ان دونوں کی نسل کو پاکیزہ کرے۔ اور گروات اور چشموں کی

یا انس اتدری ما جاءنی من ربی جبرئیل علیہ السلام قال قال لی ان اللہ تعالیٰ وتبارک یامرک ان تزوج فاطمۃ من علیؑ فانطلق وادع لی ابا بکر وعمر وعثمان وطلحۃ وزبیر وبعدتہم من الانصار قال فانطلقت فدعوتہم فلما اخذوا مجالسہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع سلطانہ المھروب الیہ من عذابہ النافذ امرہ فی ارضہ وسمائہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ عز وجل جعل المصاھرۃ نسبا لاحقا وامرا مفترضا وحکما عادلا وخیرا جامعا وشج بھا الارحام والزمھا الانام فقال عز وجل وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا وامر اللہ تعالیٰ یجری الی قضائہ ویجری قضائہ الی قدرہ ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب ثم ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علیؑ واشھدکم انی زوجت فاطمۃ من علی علی اربع مائۃ مثقال فضۃ ان رضی بذلک علی السنۃ القائمۃ والفریضۃ الواجبۃ فجمع اللہ شملھما وبارک لھما وطاب نسلھما وجعل نسلھما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متبسما یا علی ان اللہ یامرنی ان ازوجک فاطمہ وانی قد زوجتکہا علی اربع مائۃ مثقال فضۃ فقال علی علیہ السلام رضیت یا رسول اللہ ثم ان علیا خر ساجدا شکرا للہ فلما رفع راسہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارک اللہ لکما واسعد جدکما واخرج منکما الکثیر الطیب قال انس واللہ لقد اخرج منھما الکثیر الطیب۔

انس سے منقول ہے کہ میں ایک دن جناب رسولؐ خدا کے پاس تھا کہ آپ کو وحی کے سبب سے غشی طاری ہوئی پس جس وقت افاقہ ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اے انس! تو جانتا ہے کہ میرے پاس جبرئیلؑ خداوند عرش کی طرف سے کیا حکم لائے۔ میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں جبرئیلؑ آپ کے پاس کیا حکم لائے ہیں؟ فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو حکم کرتا ہے کہ فاطمہ کو علی سے تزویج کیجیے۔ بس تو جا اور میرے پاس ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ اور زبیر اور انہیں کی تعداد کے مطابق انصار میں سے لوگوں کو بلا لا۔ انس کہتا ہے کہ میں گیا اور ان لوگوں کو بلا لایا۔ پس جس وقت وہ لوگ آ کے بیٹھے جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تمیع حمد ثابت ہے واسطے اللہ کے جو محمود ہے بسبب اپنی نعمتوں کے اور معبود ہے بسبب اپنی قدرت کے اور اطاعت کیا گیا ہے بسبب اپنے غالب ہونے کے اور اسکی طرف لوگ گریز کرتے ہیں اس کے عذاب سے جاری ہے حکم اسکا اسکی زمین اور آسمان میں۔ وہ ایسا ہی ہے کہ اس نے خلق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اپنے احکام سے ان کو تمیز دی ہے۔ اور اپنے دین کے سبب ان کو عزت بخشی ہے اور محمدؐ کی وجہ سے انکو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ بتحقیق اللہ عز وجل نے سسرالی رشتہ کو نسب تازہ۔ امر واجب۔ حکم عادل اور خیر مع کردانا اور اسکے سبب سے رحموں کو پیوند کرتا ہے اور تمام خلق کے اوپر اسکو لازم کر دیا ہے۔ اور فرمایا ہے (ترجمۂ آیت) "وہ اللہ ایسا ہے کہ اسنے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پس اسکے واسطے نسب اور سسرالی رشتہ قرار دیا۔ اور تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔" اور خدا کا حکم اسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسکی قضا اسکی قدر کی طرف جاری ہوتی ہے اور واسطے ہر قضا کے ایک قدر ہے اور واسطے ہر قدر کے ایک زمانہ معین ہے اور واسطے ہر زمانہ معین کے ایک کتاب ہے۔ محو کر دیتا ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے اور اسکے پاس اصل کتاب ہے (لوح محفوظ) امابعد۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج کروں۔ اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہؑ کو علیؑ سے چار سو مثقال چاندی پر تزویج کیا۔ اگر علی اس بات پر راضی ہوں۔ یہ سنت قائم ہے اور فریضہ واجب پس اللہ تعالیٰ ان دونوں میں جمعیت عطا کرے اور ان دونوں کو برکت دے۔ اور ان دونوں کی نسل کو پاکیزہ کرے۔ اور گردانے ان دونوں کی

امام سلیمان قندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں جواہر العقدین کی اصل عبارت سے دو مختلف طریقوں سے اس واقعۂ مبارکہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فغشیہ الوحی فلما افاق قال یا انس تدری بما جاءنی بہ جبرئیل من عند صاحب العرش عز وجل قلت بابی وامی جاءک جبرئیل قال قال جبرئیل ان اللہ یامرک ان تزوج فاطمۃ بعلی فانطلق فادع لی ابوبکر وعمر وعثمان وطلحۃ والزبیر ونفرا من الانصار قال فانطلقت فدعوتہم فلما ان اخذوا مقاعدہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم الحمد للہ المحمود بنعمتہ وذکر الخطبۃ المشتملۃ علی التزویج و فی اٰخرہا فجمع اللہ شملہما واطاب نسلہما وجعل ذریتہما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ ثم حضر علی وکان غائبا فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقال یا علی ان اللہ امرنی ان ازوجک فاطمۃ وانی قد زوجتکہا علی اربع مائۃ مثقال فضۃ فقال علی قد رضیتہا یا رسول اللہ ثم ان علیا خر للہ ساجدا فلما ارفع راسہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بارک اللہ لکما وبارک فیکما واسعد جدکما واخرج منکما الکثیر الطیب قال انس واللہ لقد اخرج اللہ منہما کثیر الطیب اخرجہ ابوالحسن بن شاذان فیما نقلہ عنہ الحافظ الزرندی فی نظم درر السمطین وقد اوردہ المحب الطبری فی ذخائر العقبیٰ واخرجہ ابوالخیر القزوینی الحاکمی - ینابیع المودۃ ۱۷۵ بمبئی۔

انس کہتے ہیں کہ میں ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایکبارگی آپ پر وحی کی غشی طاری ہوئی۔ جب اُس سے افاقہ ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے انس! تم کو معلوم ہے کہ خداوند عرش کی طرف سے جبرئیل امین کیا پیام لائے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ جبرئیلؑ کیا حکم لائے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیلؑ امین نے خدا کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ سے بیاہ دوں۔ یہ سنکر وہ چلے گئے۔ پس اسے انس جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر اور اسی طرح انکو جماعت انصار میں سے میرے پاس بُلا لاؤ۔ انس کا بیان ہے کہ میں حسب الارشاد اُٹھا اور اُن حضرات کو بُلا لایا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اُس مجمع میں آکے کھڑے ہوئے اور آپنے وہ خطبہ پڑھا جس کا آغاز الحمد للہ المحمود بنعمتہ سے ہوتا ہے اور آخر فقرات اُس کے یہ ہیں۔ فجمع اللہ شملہما واطاب نسلہما وجعل نسلہما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ اس اثناء میں علی حاضر ہوئے اور اسکے قبل آپ وہاں نہیں تھے۔ آپ علیؑ کو آتا دیکھکر مسکرا دیے اور انکو مخاطب کرکے فرمانے لگے اے علیؑ! خداوند عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو تم سے بیاہ دوں۔ اور اس حکم کے مطابق میں نے فاطمہؑ کو تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی کی تعداد مہر پر بیاہ دیا۔ علیؑ نے فرمایا۔ مجھے قبول ہے۔ یہ کہکر وہ شکر الٰہی کے سجدے میں زمین پر گر پڑے۔ جب اُنہوں نے سر سجدے سے اُٹھایا تو جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم تم دونوں کو برکت دے۔ اور تم دونوں کی کوششوں کو نیک کرے۔ اور تم دونوں کی نسل سے اولاد طاہرہ کثیرہ پیدا کرے۔ انس بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ان دونوں حضرات سے کثرت سے نفوس طاہرہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کو ابوعلی حسن ابن شاذان نے بھی نقل کیا ہے۔ اور اُن سے امام الحرمین علامہ حافظ زرندی نے اپنی کتاب نظم درر السمطین میں اور علامہ محب طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں اور علامہ ابوالخیر قزوینی حاکمی نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) روی ابوداؤد باسنادہ عن قتادہ عن الحسن البصری عن انس قال ان ابابکر خطب فاطمۃ فاعرض النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم عنہ ثم خطبہا عمر ابن الخطاب فاعرض عنہ وقال انتظر امر اللہ فیہا ثم خطبہا علی فقال لہ اعندک شیٔ قال علی فلت فرسی و درعی قال اما فرسک فلابد لک منہ واما درعک فبعہا واتنی بہا قال فانطلقت فبعتہا باربع مائۃ وثمانین درہما فوضعتہا فی حجرہ فقبض منہا قبضۃ وقال ابن بلال فجاء اشتر بہا طیبا الیٰ آخر الحدیث۔

ابوداؤد اپنی سنن میں قتادہ کی سند سے جس کو اُنہوں نے حسن بصری کی اسناد سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ انس سے منقول ہے کہ پہلے ابوبکر

امام سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں جواہر العقدین کی اصل عبارت سے دو مختلف طریقوں سے اس واقعۂ مبارکہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فغشیہ الوحی فلما افاق قال یا انس تدری بما جاءنی بہ جبرئیل من عند صاحب العرش عز وجل قلت بابی وامی جاءک جبرئیل قال قال جبرئیل ان اللہ یامرک ان تزوج فاطمۃ بعلی فانطلق فادع لی ابوبکر وعمر وعثمان وطلحۃ والزبیر ونفرا من الانصار قال فانطلقت فدعوتھم فلما ان اخذو مقاعدھم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم الحمد للہ المحمود بنعمتہ وذکر الخطبۃ المشتملۃ علی التزویج و فی اخرھا فجمع اللہ شملھما واطاب نسلھما وجعل ذریتھما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ ثم حضر علی وکان غائبا فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقال یا علی ان اللہ امرنی ان ازوجک فاطمۃ وانی قد زوجتکھا علی اربع مائۃ مثقال فضۃ فقال علی قد رضیتھا یا رسول اللہ ثم ان علیا خر للہ ساجدا فلما رفع راسہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بارک اللہ لکما وبارک فیکما واسعد جدکما واخرج منکما الکثیر الطیب قال انس واللہ لقد اخرج اللہ منھما کثیر الطیب اخرجہ ابوالحسن بن شاذان فیما نقلہ عنہ الحافظ الزرندی فی نظم درر السمطین وقد اوردہ المحب الطبری فی ذخائر العقبی واخرجہ ابوالخیر القزوینی الحاکمی - ینابیع المودۃ ۱۲۵ ممبئی۔

انس کہتے ہیں کہ میں ایک دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایکبارگی آپ پر وحی کی غشی طاری ہوئی۔ جب اُس سے افاقہ ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ای انس! تم کو معلوم ہے کہ خداوند عرش کی طرف سے جبرئیل امین کیا پیام لائے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ جبرئیلؑ کیا حکم لائے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیلؑ امین نے خدا کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ سے بیاہ دوں۔ یہ سُنکر وہ چلے گئے۔ پس اسے انس جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بُلا لاؤ۔ انس کا بیان ہے کہ میں حسب الارشاد اُٹھا اور اُن حضرات کو بُلا لایا جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اُس مجمع میں آ کے کھڑے ہوئے اور آپنے وہ خطبہ پڑھا جس کا آغاز الحمد للہ المحمود بنعمتہ سے ہوتا ہے اور آخر فقرات اُس کے یہ ہیں۔ فجمع اللہ شملھما واطاب نسلھما وجعل نسلھما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ اس اثناء میں علی حاضر ہوئے اور اسکے قبل آپ وہاں نہیں تھے۔ آپ علیؑ کو آتا دیکھکر مسکرا دیے اور اُنکو مخاطب کرکے فرمانے لگے اے علیؑ! خداوند عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو تم سے بیاہ دوں۔ اور اس حکم کے مطابق میں نے فاطمہؑ کو تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی کی تعداد مہر پر بیاہ دیا۔ علیؑ نے فرمایا۔ مجھے قبول ہے۔ یہ کہکر وہ شکر الٰہی کے سجدے میں زمین پر گر پڑے۔ جب اُنہوں نے سر سجدے سے اُٹھایا تو جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم تم دونوں کو برکت دے۔ اور تم دونوں کی کوششوں کو نیک کرے۔ اور تم دونوں کی نسل سے اولاد طاہرہ کثیرہ پیدا کرے۔ انس بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ان دونوں حضرات سے کثرت سے نفوس طاہرہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کو ابوعلی حسن ابن شاذان نے بھی نقل کیا ہے۔ اور اُن سے امام الحرمین علامہ حافظ زرندی نے اپنی کتاب نظم درر السمطین میں اور علامہ محب طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں اور علامہ ابوالخیر قزوینی حاکمی نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) روی ابوداؤد باسنادہ عن قتادہ عن الحسن البصری عن انس قال ان ابابکر خطب فاطمۃ فاعرض النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم عنہ ثم خطبھا عمر ابن الخطاب فاعرض عنہ وقال انتظر امر اللہ فیھا ثم خطبھا علی فقال لہ اعندک شیء قال علی فقلت فرسی ودرعی قال اما فرسک فلابد لک منہ واما درعک فبعھا واتنی بھا قال فانطلقت فبعتھا باربع مائۃ وثمانین درھما فوضعتھا فی حجرہ فقبض منھا قبضۃ وقال ابن بلال فجاء اشتر بھا طیبا الی آخر الحدیث۔

ابوداؤد اپنی سنن میں قتادہ کی سند سے جس کو اُنہوں نے حسن بصری کی اسناد سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ انس سے منقول ہے کہ پہلے ابوبکر

اور عظمت دکھلائی تھی۔ اور یہ بتلا دیا تھا کہ سواد اعظم کو تمام علماء و محدثین اس واقعہ کو خاص طور پر حکم خداوندی کے مطابق اور اسکے تمام سامان و اسباب کو قدرت کے آثار و اسرار سے پُر اور مملو کہتے اور مانتے ہیں۔ اور اُن کا یہ مختار تواتر کے معیار تک پہنچا ہوا ہے جیسا کہ مندرجۂ بالا اسناد سے ظاہر ہے۔

بہرحال۔ اتنا عرض کرکے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر لکھا جا چکا ہے کہ دارا مشیت خداوندی سے اس مبارک تزویج کی نسبت فرمان ایزدی پاکر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جناب علی مرتضٰے علیہ السّلام سے حضرت سیّدۃ نساء العالمین۔ بتول العذراء۔ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہا کا عقد۔ تمام اہلِ اسلام کی بھری مجلس میں کر دیا۔ اس مبارک تقریب کے موقع پر مجلس عقد کے مجمع میں جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا اور جس کے چند فقرات مع ترجمہ مجملی طور پر اوپر لکھے جا چکے ہیں وہ تمام و کمال امام طبری کی کتاب ذخائر العقبٰے سے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ وہو ہٰذا۔

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرہوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سمائہ و ارضہ الّذی خلق الخلق بقدرتہ و میزہم باحکامہ اعزہم بدینہ واکرمہم بنبیّہ محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انّ اللہ تبارک وتعالٰی جلت عظمتہ جعل المصاہرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج بہ الارحام والزم بہ الانام فقال عزّ من قائل وھو الّذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربّک قدیرا فامر اللہ یجری الی قضائہ و قضائہ یجری الی قدرہ ولکلّ قضاء قدر ولکلّ قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ امّ الکتب وان اللہ تبارک وتعالٰی امرنی ان ازوّج فاطمۃ ابنتی من علی ابن ابیطالب فاشھدوا انی قد زوّجتہ علی اربع مائۃ مثقال فضّۃ ان رضی بذٰلک علی وکان علی غائبا لحاجۃ النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ثم دعا بطبق من تمر فوضع بین ایدینا فاکلنا لما دخل علی تبسّم فی وجہ علی وقال انّ اللہ تبارک وتعالٰی امرنی ان ازوّجک فاطمۃ علی اربع مائۃ مثقال فضّۃ ان رضیت بذٰلک فقال علی رضیت بذٰلک یا رسول اللہ ثمّ قال النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جمع اللہ شملکما واسعد جدّکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا قال انس فواللہ لقد اخرج اللہ منھما کثیرا طیّبا۔

اُس خدا کی لائق تعریف ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے اور قدرت کے باعث سے معبود۔ قابلِ اطاعت ہے شانِ سلطانی میں۔ اور مقام پناہ ہے ہنگام ہیبت و عذاب میں۔ اور اپنے حکم و احکام کا زمین و آسمان میں نافذ و صادر فرمانیوالا ہے۔ وہ خدا وہی ہے جس نے خلقت کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور اپنے احکام اُن پر ممیز کیے اور اپنا دین عنایت کرکے اُن کو معزز فرمایا۔ اور پھر جناب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سا پیغمبر دیکر اُن کو تمام مخلوق میں مکرم کیا۔ اُسی خدائے تبارک وتعالٰے نے جسکی عظمت سب سے بڑھی ہوئی ہے سسرالی قرابتوں کو سبب لاحق گردانا اور امر مفترض قرار دیا۔ جس سے رحموں کو ملایا اور اُسکو دنیا کے لیے لازم ٹھہرایا اور اُسنے فرمایا اور سب سے معزز وہ کہنے والا ہے کہ وہ خدا وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا فرمایا اور اُسکے لیے آبائی اور سسرالی قرابتیں قرار دیں اور وہی تیرا رب ہے جو سب چیزوں پر قادر ہے۔ خدا کا حکم اُسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے۔ اور قضا اُسکی قدرت کی جانب۔ اُسکی ہر قضا کے واسطے قدر کا ہونا شرط ہے اور ہر قدر کے لیے ایک وقت معین ہے اور ہر وقت معین کے لیے ایک حکم خاص۔ پھر خداوند عالم ان میں سے جس کو چاہے مٹا دے یا قائم رکھے اور اُسی کو اپنے حکم کا علم ہے۔ تحقیق کہ اُسی خداوند عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اپنی لڑکی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا عقد علیؑ سے کردوں۔ پس اے حاضرین جلسہ! تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنی لڑکی (فاطمہ) کا عقد علیؑ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے عوض میں کردیا۔ بشرطیکہ علیؑ اسکو قبول کرلیں۔ جناب علی مرتضٰے علیہ السلام یہاں موجود نہیں تھے۔ جناب رسالتمآبؐ کی ضرورت سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے منگاکر ایک طبق خرما اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھایا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم سب نے ملکر اُسکو کھایا۔ اسی اثنا میں جناب علی مرتضٰے علیہ السلام

اور عظمت دکھلانی تھی۔ اور یہ بتلا دینا تھا کہ سواد اعظم کو تمام علماء و محدثین اس واقعہ کو خاص طور پر حکم خداوندی کے مطابق اور اسکے تمام سامان و اسباب کو قدرت کے آثار و اسرار سے پُر اور مملو کہتے اور مانتے ہیں۔ اور اُن کا یہ مختار تواتر کے معیار تک پہنچا ہوا ہے جیسا کہ مندرجۂ بالا اسناد سے ظاہر ہے۔ بہرحال۔ اتنا عرض کرکے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر لکھا جاچکا ہے کہ دار مشیت خداوندی سے اس مبارک تزویج کی نسبت فرمان ایزدی پاکر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام سے حضرت سیدۃ نساء العالمین۔ بتول العذراء۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا عقد تمام اہل اسلام کی بھری مجلس میں کردیا۔ اس مبارک تقریب کے موقع پر مجلس عقد کے مجمع میں جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا اور جس کے چند فقرات مع ترجمہ مجمل طور پر اوپر لکھے جاچکے ہیں وہ تمام و کمال امام طبری کی کتاب ذخائر العقبےٰ سے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

الحمد للہ المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه وسطوته النافذ امره فی سمائه و ارضه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامه واعزهم بدینه واکرمهم بنبیه محمد صلی اللہ علیه واله وسلم ان اللہ تبارك وتعالیٰ جلت عظمته جعل المصاهرة سببا لاحقا وامرا مفترضا وشج به الارحام والزم به الانام فقال عز من قائل وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربك قدیرا فامر اللہ یجری الی قضائه و قضائه یجری الی قدره ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعنده ام الکتاب وان اللہ تبارك وتعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمة ابنتی من علی ابن ابیطالب فاشهدوا انی قد زوجته علی اربع مائة مثقال فضة ان رضی بذلك علی وکان علی غائبا لحاجة النبی صلی اللہ علیه واله وسلم ثم دعا بطبق من تمر فوضع بین ایدینا فاکلنا اذا دخل علیؑ فتبسم فی وجه علی وقال ان اللہ تبارك وتعالیٰ امرنی ان ازوجك فاطمة علی اربع مائة مثقال فضة ان رضیت بذلك فقال علی رضیت بذلك یارسول اللہ ثم قال النبی صلی اللہ علیه واله وسلم جمع اللہ شملکما واسعد جدکما وبارك علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا قال انس فواللہ لقد اخرج اللہ منهما کثیرا طیبا۔

اور وہ ذات لائق تعریف ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے اور بقدرت کاملہ کے باعث سے معبود و قابل اطاعت ہے شان سلطانی میں۔ اور مقام پناہ ہے ہنگام ہیبت و عذاب میں۔ اور اپنے حکم و احکام کا زمین و آسمان میں نافذ و صادر فرمانیوالا ہے۔ وہ خدا وہی ہے جس نے خلقت کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور اپنے احکام اُن پر ممیز کیے اور اپنا دین عنایت کرکے اُن کو معزز فرمایا۔ اور پھر جناب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سا پیغمبر دیکر اُن کو تمام مخلوق میں مکرم کیا۔ اُسی خدائے تبارک و تعالےٰ نے جسکی عظمت سب سے بڑھی ہوئی ہے سسرالی قرابتوں کو سبب لاحق گردانا اور امر مفترض قرار دیا۔ جس سے رحموں کو ملایا اور اُسکو دنیا کے لیے لازم ٹھیرایا اور اُسنے فرمایا اور سب سے معزز وہ کہنے والا ہے کہ وہ خدا وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا فرمایا اور اُسکے لیے آبائی اور سسرالی قرابتیں قرار دیں اور وہی تیرا رب ہے جو سب چیزوں پر قادر ہے۔ خدا کا حکم اُسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے۔ اور قضا اُسکی قدرت کی جانب۔ اُسکی ہر قضا کے واسطے قدر کا ہونا شرط ہے اور ہر قدر کے لیے ایک وقت معین ہے اور ہر وقت معین کے لیے ایک حکم خاص۔ پھر خداوند عالم ان میں سے جس کو چاہے مٹادے یا قائم رکھے اور اُسی کو اپنے حکم کا علم ہے۔ تحقیق کہ اُسی خداوند عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اپنی لڑکی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا عقد علیؑ سے کردوں۔ پس اے حاضرین جلسہ! تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنی لڑکی (فاطمہ) کا عقد علیؑ کے ساتھ چارسو مثقال چاندی کے عوض میں کردیا۔ بشرطیکہ علیؑ اسکو قبول کرلیں۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام یہاں موجود نہیں تھے۔ جناب رسالتمآبؐ کی ضرورت سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منگاکر ایک طبق خرما اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھایا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم سب نے ملکر اُسکو کھایا۔ اس اثنا میں جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام

اسنادسے ذیل کی عبارت میں لکھا ہے :-

عن عطاء ابن رباح قال لما خطب علیؑ فاطمۃ رضی اللہ عنہا سئل رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنہا فسکتت فزوجھا (اخرجہ الدولابی)

امام دولابی نے عطاء ابن رباح کی اسناد سے لکھا ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی مرتضےٰ کا خطبۂ نکاح حضرت سیدہ کے ساتھ پڑھا تو آپ نے بالنفس نفیس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو آپ صرف خاموش رہ گئیں اور آپ نے اُن کو علیؑ سے بیاہ دیا۔

امام طبری نے آگے چل کر عبداللہ ابن مسعود کی اسناد سے یہاں تک لکھدیا اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرما دیا تھا کہ حضرت علی کیساتھ تمہاری تزویج میری تجویز نہیں ہے بلکہ خدا کا حکم۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہے۔

یا فاطمۃ انی لما ازوجک من علی من تلقاء نفسی بل امرنی اللہ تبارک وتعالیٰ ان ازوجک منہ (اخرجہ الحافظ الغسانی) اے فاطمہؑ میں تمکو علیؑ کے ساتھ اپنی ذاتی تجویز اور خواہش سے نہیں بیاہتا ہوں بلکہ خدائے تبارک وتعالےٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے کہ میں تم کو اُنکے ساتھ بیاہ دوں۔

اب تو ان تمام واقعات سے پورے طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب حضرت علیہ السلام سے اس امر کو بالکلیہ حکم خدا اور ارادۂ الٰہی کے مطابق ہونا جیسا کہ اسکے آغاز سے ارشاد فرمایا تھا اُسی طرح اُس کے انجام کے وقت تک بتلا دیا۔ اور اس امر خاص کی طرف سے جو ذمہ داریاں آپکے سپرد فرمائی تھیں اُنکو آپنے جملہ حاضرین و شاہدین کے سامنے جس طرح بیان فرما دی تھیں اُسی طرح جناب علی مرتضےٰ اور جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو روبرو بھی ظاہر فرما دیں۔ تاکہ عوام میں کسی کو اس امر کا خیال نہو کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے نسبی تعلقات۔ ذاتی اور روحانی صفات۔ خصوصیات اور آپ کے محاسن خدمات کی خاص عنایتوں سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو انکے عقد نکاح میں دیدیا ہے۔ اور آپکے ان ذاتی امور جزئیات میں وحی اور الہام الٰہی کی ہدایات وغیرہ کی کوئی مداخلت یا مطابقت نہیں تھی۔

مرقومۂ بالا واقعات اور اُنکی متواتر تصدیق اور شہادت کو پڑھکر ایک معمولی سے معمولی سمجھ والا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً اپنی ان صاحبزادی کی مسئلہ تزویج میں اپنی رائے اور اختیار سے کسی تجویز اور انتخاب کے لیے ماذون ومختار نہیں تھے۔ اور اپنی رائے وتدبیر سے اسکی نسبت کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ مسئلہ خاص طور پر ایسی عظمت اور اہمیت رکھتا تھا کہ اس کے انجام دینے کے لیے نظام رسالت ارشاد واستمداد قدرت کے خاص طور پر محتاج تھے۔ اور اگر یہ مسئلہ عام طور سے ایسا ہی معمولی ہوتا جیسا کہ اس سے قبل آپکی دو یا تین منسوبی صاحبزادیوں کا نکاح ہو چکا تھا جن میں نہ انتظار وحی کی ضرورت دکھلائی گئی تھی۔ نہ جبرئیلؑ کی مخصوص لائی ہوئی بشارت کی خبر پہنچائی گئی تھی۔ اُن نسبتوں کو خاص طور پر نہ مشیت الٰہی سے کوئی تعلق تھا اور نہ آسمان وزمین پر اُن تقریبات کا اس عظمت واقتدار کے ساتھ منعقد ہونا دکھلایا گیا تھا۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ابھی تک اس مبارک تقریب میں ہم نے متعدد اور متواتر اسناد کو صرف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے خطبۂ نکاح بیان فرمانا لکھا ہے۔ مگر تھوڑی سی اور تلاش کے بعد یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے بھی حضرت رسولؐ خدا کے حکم سے ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کا یہ خطبہ پڑھنا بھی کچھ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص مرضی اور خواہش سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ جس طرح اس تزویج کے متعلق تمام احکام دربار ایزدی سے نافذ ہوئے تھے اُسی طرح حضرت علیؑ سے مخصوص خطبہ پڑھوائے جانے کا حکم بھی خدائے سبحانہ وتعالےٰ ہی کی طرف سے صادر ہوا تھا۔ امام ابو نصر ہمدانی کتاب سبعیات میں رقمطراز ہیں :-

فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال ان اللہ تعالیٰ امر علیاً ان یقرء الخطبۃ بنفسہ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان یقرء الخطبۃ بنفسہ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقال الحمد للہ المتوحد بالجلال المتفرد بالکمال خالق بریتہ ومجنس طبقات خلیقتہ الذی لیس کمثلہ شیٔ ولا یکون کمثلہ الا ہو خالق العباد فی البلاد الہمہم التسبیح والثناء علیہ فسبحوا بحمدہ وقل سوہ ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو وامر عبادہ بالنکاح فاجابوہ الحمد للہ علی نعمۃ والایۃ واشہد ان لا الہ الا اللہ شہادۃ تبلغہ وترضیہ وتجیر قائلہا وتقیہ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد نبی الذی نجاہ لوحیہ ورضیہ صلوٰۃ تبلغہ الزلفی وتحظیہ ورحمۃ اللہ علی آلہ واصحابہ ومحبیہ والنکاح مما قضاہ اللہ تعالیٰ اذن فیہ انی عبد اللہ وابن امتہ الراغب الی اللہ الخاطب خیر نساء العلمین قد بذلت لہا من الصداق اربع مائۃ درہم عاجلۃ غیر اجلہ۔ زوجنیہا یا ایہا الرسول الامین علی سنۃ من مضی من المرسلین فقال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم زوجت فاطمۃ بک یا علی زوجک اللہ تعالیٰ ورضیک واختارک فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبلتہا من اللہ تعالیٰ ومنک یا رسول اللہ ۱۵۔

پھر حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ تحقیق اللہ تعالےٰ نے علیؑ کو حکم دیا ہے کہ وہ بذاتِ خود خطبہ پڑھیں پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو خطبہ پڑھنے کا حکم دیا انہوں نے یہ خطبہ پڑھا کہ جمیع حمد ثابت ہیں واسطے اللہ کے اسکی نعمتوں پر اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے ایسی گواہی جو اللہ تعالےٰ تک پہنچ جائے اور اسکو راضی کرے اور گواہی دینے والے کی پشت و پناہ ہو اور اُس کی حفاظت اُس دن کرے کہ جب آدمی گریز کریگا اپنے بھائی سے۔ اپنی ماں سے اپنے باپ سے اپنی زوجہ سے اور اپنی اولاد سے (یعنی روزِ قیامت) اور درود بھیجے اللہ ہمارے سردار پر جو محمدؐ خدا کے نبی ہیں وہ ایسے ہیں کہ خداتعالےٰ نے اُن کو اپنی وحی کے لیے مخصوص کیا اور اُن سے راضی وخوشنود ہوگیا ہے۔ ایسا درود اُن پر چاہیے جو اُن حضرت کو مقامِ قربت میں پہنچائے اور انکو حظ حاصل ہو۔ اور رحمت خدا کی اُن پر اور اُنکی آل پر اور اُنکے اصحاب پر اور اُن کی اجابت کرنیوالوں پر۔ اور امر نکاح اُس قبیل سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُسکا حکم فرمایا ہے اور اجازت دی ہے۔ اور تحقیق کہ میں خدا کا بندہ اور اُسکی کنیز کا بیٹا ہوں اور اُسکی طرف رغبت کرنیوالا ہوں اور اِس وقت جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔ اُسکا خطبہ کرتا ہوں اور اسی وقت اُسکے مہر میں چار سو مثقال چاندی دیتا ہوں اور اُسکی ادا کاری کی مدت پر نہیں ہے۔ اے رسولِ امین! اپنے اُسکو یعنی فاطمہؑ کو مرسلین سابقین کے طریقہ پر اپنی زوجیت میں لے لیا۔ پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تزویج کیا فاطمہؑ کو تیرے ساتھ یا علیؑ اور تزویج کیا ہے تجھکو اللہ تعالےٰ نے اور وہ تجھ سے راضی ہوا ہے اور اُسنے تجھ کو منتخب کیا ہے پس کہا حضرت علیؑ نے کہ میں نے اُنکو اللہ کی جانب سے اور آپ کی جانب سے اے رسولِ خدا قبول کیا[۱]۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی بہ تغیرِ الفاظ چند جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام کا یہی خطبہ اپنی کتاب جلاء العیون میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُسکا ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ اُٹھو اور فاطمہ کی خواستگاری کرو حسب الحکم آپ کے جنابِ امیر علیہ السلام اُٹھے اور ایک نہایت فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اُسکے بعض الفاظ یہ ہیں۔

میں اپنے پروردگار کا اُسکی نعمتوں اور شکر واحسان پر حمد کرتا ہوں اور خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ

---

[۱] اس روایت سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صیغۂ نکاح میں تکرار استیجاب استیذان جانبین کی جو ترکیب مطریقۂ شریعت اہلبیت میں جاری ہے وہ اسی سنتِ رسولؐ کی خاص تاسی اور اتباع ثابت ہوتا ہے۔
الموٴلف سید اولاد حیدر

موجب رضا و خوشنودی حق تعالیٰ ہو اور محمد و آل محمد پر درود بھیجا ہو تا۔ تو باعث اسکی مزید قربت و منزلت کا ہو۔ واضح ہو کہ نکاح منجملہ ان چیزوں کے ہے جس کا حکم خداوند عالمیان نے دیا ہے۔ اور اسکو اس نے پسندیدہ کہا ہے۔ اور یہ مجلس و مجمع حق تعالیٰ کے حکم قضا و قدر سے مرتب ہوا ہے۔ اور تحقیق کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی دختر فاطمہ کو مجھ سے تزویج کیا اور مہر انکا میری زرہ ہے۔ اور بروایت دیگر۔ فاطمہ کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا۔ اور میں اس پر راضی ہوا۔ پس اے حاضرین جلسہ! آپ بھی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس امر کو دریافت کرلیں اور اس معاملہ کی صورت حال کو خاص طور پر معلوم کرلیں۔ یہ سنکر تمام اہل اسلام نے جناب ختمی مرتبت کی خدمت میں دریافت کیا کہ آیا آپ نے اپنی صاحبزادی جناب فاطمہ کو حضرت علی کی تزویج میں دیدیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ سنکر تمام حاضرین مسلمین نے کہا کہ خدا آپ کو برکت دے اور آپکی پراگندگی کو یکجہتی و یکجائی سے مبدل فرمائے۔

بعض روایات اہلسنت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مجلس نکاح ختم ہوجانے کے بعد صحابہ نے ان لفظوں میں مبارکباد دی اور تہنیت ادا کی۔ اللّٰھم لک بالرفاء والبنین۔ جیسا کہ قدیم سے ان میں متعارف تھا۔ یعنی یہ مزاوجت مقرون باتفاق و کثرت اولاد ہو۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ اسے یوں کہو اللّٰھم لکما علی الخیر والبرکۃ یعنی یہ تزویج دونوں کے لیے باخیر و برکت ہو اور روایات اہلبیت علیہم السلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب کا یہ ارشاد سنکر جناب امیر نے یہ آیۂ وافی ہدایہ تلاوت فرمایا۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی۔ پروردگارا! جو نعمت کہ تونے مجھے عنایت فرمائی اور میرے والدین کو اُنکے عمل صالح بجالانے کے باعث عطا کی اور راضی ہوا۔ اُن پر مجھ کو شکر ادا کرنیکی توفیق عنایت فرما۔ اور میری اولاد اور ذریات کو صالح اور نیکوکار فرما۔ آپ کی یہ دعا سنکر جناب رسول خدا نے فرمایا آمین یا رب العلمین ویا خیر الناصرین۔

بہرحال فریقین کی اسناد سے ہم نے اس مبارک تقریب کی مرتبہ جناب علی مرتضے علیہ السلام کا بحکم خدا و رسول خاص طور پر خطبہ پڑھنا اور اُسکے مضامین عالیہ میں تزویج جناب فاطمہ کے متعلق اپنا ایجاب۔ جناب رسول خدا کا اقرار اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ کا حکم پوری تفصیل سے بیان فرمانا۔ پوری وضاحت سے لکھدیا ہے اور ان تمام متواتر اظہار و اقرار سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ان واقعات سے یہ امر خاص کلیتاً منشاء و مدعائے الٰہی کے مطابق یقین کرلیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس امر کی من اللہ عظمت اور اہمیت کو دیکھکر جناب علی مرتضےٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراء کی بارگاہ الٰہی میں خصوصیت اور قربت اور دربار رسالت پناہی میں انکی قدر و منزلت معلوم کرلیجائے۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تزویج کے متعلق مجلس عقد اور تقریب نکاح تک کی پورے حالات فریقین کی معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ صیغۂ نکاح کے بعد آپکے سامان جہیز کی تفصیل لکھتے ہیں جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے دیا گیا۔

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ قمطراز ہیں کہ شیخ طوسی نور اللہ مرقدہ نے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ حسب الحکم نبوی میں نے اپنی زرہ بیچ ڈالی اور اسکی قیمت کے روپے لاکر آپ کے دامن میں رکھدیے۔ حضرت نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کتنے روپے ہیں اور نہ میں نے انکی تعداد کی نسبت آپ سے کچھ عرض کی پس آپ نے اُن میں سے ایک مٹھی روپیہ لے لیا اور بلال کو بلاکر دیا اور فرمایا بازار میں جاؤ اور فاطمہ کے لیے عطر و خوشبو خرید لاؤ۔ پھر ان درہموں سے دو مٹھیاں لیکر ابوبکر کو دیا اور فرمایا بازار میں جاؤ اور کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہو لے آؤ۔ پھر عمار ابن یاسر اور صحابہ کی ایک جماعت کو ابوبکر کے ساتھ کردیا۔ غرضکہ ان لوگوں نے بازار میں پہنچکر ایک پیراہن قیمتی سات درہم اور ایک مقنعہ قیمتی چار درہم خریدے۔ ان کے علاوہ ایک سیاہ رنگ کی خیبری چادر جو کرس نامی کپڑے کی بنی تھی یہ دو پاٹ کی تھی اور

موجب رضا و خوشنودی حق تعالیٰ ہو اور محمدؐ و آل محمدؑ پر درود بھیجا ہو۔ تو باعث اُسکی مزید قربت و منزلت کا ہو۔ واضح ہو کہ نکاح منجملہ اُن چیزوں کے ہے جس کا حکم خداوند عالمیان نے دیا ہے۔ اور اُسکو پسندیدہ کہا ہے۔ اور یہ مجلس و مجمع حق تعالیٰ کے حکم قضا و قدر سے مرتب ہوا ہے۔ اور تحقیق کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی دختر فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا اور مہر اُنکا چار سو درہم ہے۔ اور بروایت دیگر۔ فاطمہؑ کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا اور میں اُس پر راضی ہوا پس اے حاضرین جلسہ! آپ بھی جناب رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس امر کو دریافت کرلیں اور اس معاملہ کی صورت حال کو خاص طور پر معلوم کرلیں۔ یہ سنکر تمام اہل اسلام نے جناب ختمی مرتبت کی خدمت میں دریافت کیا کہ آیا آپ نے اپنی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کو حضرت علیؑ کی تزویج میں دیدیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ سنکر تمام حاضرین مسلمین نے کہا کہ خدا آپ کو برکت دے اور آپکی پراگندگی کو یکجہتی و یکجائی سے مبدل فرمائے۔

بعض روایات اہلسنت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مجلس نکاح ختم ہوجانے کے بعد صحابہ نے ان لفظوں میں مبارکباد دی اور تہنیت ادا کی۔ اللّٰھم لک بالرفاء والبنین۔ جیسا کہ قدیم سے اُن میں متعارف تھا۔ یعنی یہ مزاوجت مقرون باتفاق و کثرت اولاد ہو۔ جناب رسولؐ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ اسے یوں کہو اللّٰھم لکما علی الخیر والبرکۃ یعنی تزویج دونوں کے لیے باخیر و برکت ہو اور روایات اہلبیت علیہم السلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کا یہ ارشاد سُنکر جناب امیرؑ نے یہ آیہ وافی ہدایہ تلاوت فرمایا۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریّتی۔ پروردگارا! جو نعمت کہ تونے مجھے عنایت فرمائی اور میرے والدین کو اُسکے عمل صالح بجالانے کے باعث عطا کی اور راضی ہوا۔ اُن پر مجھ کو شکر ادا کرنیکی توفیق عنایت فرما۔ اور میری اولاد اور ذرّیات کو صالح اور نیکوکار فرما۔ آپ کی یہ دعا سنکر جناب رسولِ خدا نے فرمایا آمین یا ربّ العٰلمین ویا خیر الناصرین۔

بہرحال فریقین کی اسناد سے ہم نے اس مبارک تقریب کی مرتبیہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کا بحکم خدا و رسولؐ خاص طور پر خطبہ پڑھنا اور اُسکے مضامینِ عالیہ میں تزویج جنابِ فاطمہؑ کے متعلق اپنا ایجاب۔ جنابِ رسولِؐ خدا کا اقرار اور خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ کا حکم پوری تفصیل سے بیان فرمانا۔ پوری وضاحت سے لکھدیا ہے اور ان تمام متواتر اظہار و اقرار سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ان واقعات سے یہ امر خاص کلیتاً منشاء و مدعائے الٰہی کے مطابق یقین کرلیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس امر کی من اللہ عظمت اور اہمیت کو دیکھکر جناب علی مرتضےٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی بارگاہِ الٰہی میں خصوصیت اور قربت اور دربارِ رسالت پناہی میں انکی قدر و منزلت معلوم کرلیجائے۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی تزویج کے متعلق مجلس عقد اور تقریب نکاح تک کے پورے حالات فریقین کی معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ صیغہ نکاح کے بعد آپکے سامان جہیز کی تفصیل لکھتے ہیں جو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے دیا گیا۔

ملّا مجلسی علیہ الرحمہ قمطراز ہیں کہ شیخ طوسی نوّر اللہ مرقدہ نے جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اپنی زرہ بیچڈالو۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ حسب الحکم نبوی میں نے اپنی زرہ بیچڈالی اور اُسکی قیمت کے روپے لاکر آپ کے دامن میں رکھدیے۔ حضرتؐ نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کتنے روپے ہیں اور نہ میں نے اُنکی تعداد کی نسبت آپ سے کچھ عرض کی پس آپ نے اُن میں سے ایک مٹھی روپیہ لے لیا اور بلال کو بلاکر دیا اور فرمایا بازار میں جاؤ اور فاطمہؑ کے لیے عطر و خوشبو خرید لاؤ۔ پھر ان درہموں سے دو مٹھیاں لیکر ابوبکر کو دیا اور فرمایا بازار میں جاؤ اور کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہو لے آؤ۔ پھر عمار ابن یاسر اور صحابہ کی ایک جماعت کو ابوبکر کے ساتھ کردیا۔ غرضکہ ان لوگوں نے بازار میں پہنچکر ایک پیراہن قیمتی سات (درہم) اور ایک مقنعہ قیمتی چار درہم خریدے۔ ان کے علاوہ ایک سیاہ رنگ کی خیبری چادر جو کرس نامی کپڑے کی بنی تھی یہ دو پاٹ کی تھی اور

امام طبری ذخائر العقبےٰ میں لکھتے ہیں۔ عن انس قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد اذ قال لعلی ھذا جبرئیل یخبرنی ان اللہ تبارک وتعالیٰ زوج ابنتی فاطمۃ منک واشھد علی تزویجکما اربعین الف ملئکۃ المقربین واوحی الی شجرۃ طوبیٰ ان انثری علی الحوراء العین اللدر والیواقیت فنثرت علیھن فابتدرت الحوراء العین یلتقطھا فھن یتھادن بینھن الی یوم القیامۃ (اخرجہ الملا فی سیرتہ)

انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ نے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد کیا کہ ابھی ابھی جبرئیل مجھے یہ خبر دے گئے ہیں کہ خداوند تبارک تعالیٰ نے میری دختر فاطمہ زہراؑ کو تمہارے ساتھ بیاہ دیا۔ اور تم دونوں کی تزویج پر چالیس ہزار ملائکہ مقربین کو گواہ قرار دیا اور شجر طوبےٰ کو حکم دیا کہ وہ حوران بہشت کے اوپر درویاقوت نثار کرے حسب الحکم دربار ایزدی شجر طوبےٰ نے مروارید ویاقوت نثار کیے۔ تمام حوروں نے خوش ہو ہو کر وہ جواہرات اٹھالیے اور آپس میں ایک نے دوسری کو اُن کا ہدیہ بھیجا۔ اور یہ مراسم اُن میں تا روز قیامت جاری اور قائم رہیں گے۔ ملا نے اسکو سیرت میں بھی لکھا ہے۔

کتاب سبعیات میں امام ابو نصر ہمدانی نے اس مضمون کو کچھ زائد تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

قال جبرئیل علیہ السلام یا محمد ان اللہ تعالیٰ امر بان تفتح ابواب الجنان ففتحت وتغلق ابواب النیران فغلقت ثم زین اللہ تعالیٰ العرش والکرسی وشجرۃ طوبیٰ وسدرۃ المنتھی ثم امر الولدان والغلمان بان ینصبوا فی کل قصر خیمۃ وفی کل غرفۃ حجلۃ ویجلسوا الولیمۃ عرس فاطمۃ وامر ملئکۃ السمٰوات المقربین والروحانیین والکروبین بان یجتمعوا تحت شجرۃ طوبیٰ ثم ارسل اللہ تعالیٰ الریح المسیرۃ ھبت فی الجنان فاسقطت من اثمارھا الکافور والمسک والعنبر علی الملائکۃ ثم امر اللہ تعالیٰ طیر الجنۃ بان تغنی فغنت ورقصت الحوراء العین ونثرت الاشجار الحلی والجواھر علیھن وحنت الولدان والغلمان ثم نادی الجلیل جل جلالہ واثنی علی نفسہ وقال انی قد زوجت سیدۃ نساء العٰلمین بفاطمۃ بعلی رضی اللہ تعالیٰ عنھما وقال لی یا جبرئیل کن انت خلیفۃ علیؑ وانا خلیفۃ رسولی محمد فزوجھا اللہ تعالیٰ ایاہ وقبلتھا انا عن علی ھذا عقد نکاحھا فی السماء فاعقد انت یا محمد فی الارض۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تحقیق کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کے حکم سے بہشت کے دروازے کھول گئے اور جہنم کے دروازے بند کردیے گئے۔ بعد اسکے اللہ تعالےٰ نے عرش اور کرسی اور درخت طوبےٰ اور سدرۃ المنتہےٰ کو آراستہ کیا۔ پھر غلمان کو حکم دیا کہ بہشت کی ہر قصر میں ایک خیمہ نصب کریں اور ہر غرفہ میں ایک حجلہ بنائیں اور فاطمہ کی دعوت ولیمہ کے لیے جمع ہوں۔ اور آسمان کے فرشتوں کو جو مقرب ہیں۔ روحانی ہیں اور کروبی ہیں حکم فرمایا کہ درخت طوبےٰ کے نیچے سب اکٹھے ہوں۔ بعد اُسکے اللہ تعالےٰ نے ایک ہوائے خوشگوار کو بھیجا کہ جو بہشت میں چلی اور اُس ہوا نے فرشتوں کے اوپر بہشت کے درختوں میں سے کافور۔ مشک اور عنبر چھڑکا۔ بعد اسکے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت کے طائر نغمہ سرا ہوئے۔ حوروں نے رقص کیا اور درختوں نے حلّے اور جواہر اُنکے اوپر نثار کیے اور غلمان نے مبارکباد دی۔ بعد اُسکے خدائے جلیل جل جلالہ نے اپنی ذات پاک کی ثنا وصفت کی اور فرمایا کہ تحقیق میں نے سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراؑ کو علیؑ کے ساتھ تزویج کیا اور مجھ کو حکم دیا کہ اے جبرئیل تم علیؑ کی طرف سے وکیل ہوا اور میں اپنے رسول محمدؐ کی طرف سے وکیل ہوتا ہوں۔ پس اللہ تعالےٰ نے فاطمہ کو علیؑ سے تزویج کیا اور میں نے علیؑ کی جانب سے قبول کیا۔ اس طرح فاطمہ کا عقد آسمان پر ہوا۔ پس اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم زمین پر بھی دونوں کا عقد کردو۔

مرقومۂ بالا روایات سے جو خاصکر سواد اعظم کے دو شہور معتبر اور مستند محدثین کا مختار ہیں۔ ساکنین ملاء اعلےٰ کا بیحد مسرت اور لاانتہا سرور وفرحت کے ساتھ اس مبارک موقع پر متاثر ہونا پورے

طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں جب پروردگار عالم کی مشیت اور اُسکا ارادہ تقدیر اس امر کی تفصیل اور اجراء کے لیے خاص طور پر مہیا اور آمادہ تھا اور اس تقریب کو اپنی قدرتی عظمت اور اہمیت کی پوری شان و اقتدار سے آراستہ کرنا چاہتا تھا تو پھر اُسکی محکوم مخلوق عام اس سے کہ وہ کائنات انسانی میں ہوں یا پیکر نورانی میں کیونکر اسکے قدرتی منظر کی آرائیوں سے خالی رہ سکتے ہیں۔

بہرحال اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اس مبارک تقریب کے تمام و کمال حالات ہم پوری تفصیل سے لکھ چکے۔ مختلف خطبات عقد جو فریقین کی معتبر اسنادوں سے اوپر لکھے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا مہر چار سو اسّی درہم تھا۔ کیونکہ بقول صاحب روضۃ الاحباب اتنی ہی کو جناب امیر علیہ السلام کی زرہ بکی تھی۔ یہ مہر اُسی وقت ادا کیا گیا جیسا کہ علی مرتضےٰ نے اپنے اُس خطبہ میں جسکو ہم نے امام ابو نصر ہمدانی کی کتاب سبعیات سے ابھی ابھی اوپر نقل کیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ رقم موعودہ نہیں رکھی گئی بلکہ اسی وقت ادا کر دی گئی ہے انتہ معجل غیر موجل۔ مگر اس میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی صرف چار سو درہم بتلاتا ہے۔ کوئی اس سے کم۔ کوئی چالیس اوقیہ چاندی بتلاتا ہے اور ایک اوقیہ چاندی کا وزن کل ۱۲ رتی مقرر کرتا ہے۔ کوئی صرف تیس روپیہ بتلاتا ہے۔ غرضکہ اصل اور صحیح تعداد مہر میں سخت اختلاف ہے۔ اور یہ عام طور سے شکایت کے قابل نہیں کیونکہ اسلام کے ہر تاریخی واقعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اُسکے تعین میں اختلاف ہے۔ مگر تاہم یہ بھی مسلم ہے کہ اپنی خلط مبحث سے صحت کا جوہر جدا کر لیا جاتا ہے اور خذ ما صفا ودع ما کدر کی تعمیل پوری کیجاتی ہے۔

اُن تمام طول طویل اور پر تفصیل مباحث اور دلائل سے پورے طور پر قطع نظر کرکے جو فریقین نے مختلف محدثین کرام اور محققین عظام نے اپنے اپنے مختار کے اثبات میں تحریر کیے ہیں۔ اس خاص مسئلہ کی نسبت سب سے زیادہ قوی سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ قابل قبول وہ رائے اور وہ قول ہے جو ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے فریقین کے مختلف اور متعدد علماء کی رایوں کی تحقیق و تنقید کے بعد اپنی کتاب مستطاب بحار الانوار اور جلاء العیون میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُنکی فارسی عبارت

کا اردو ترجمہ [illegible] پیش کرتے ہیں [illegible] جناب سیدہ [illegible] علیہا [illegible] اصلی اور حقیقی مہر کی تعداد [illegible] قول مشہور ہے کہ مہر جناب [illegible] پانسو تھا کہ اس زمانہ (رسالتمآب) مرحوم کے [illegible] تو مالیت (ایرانی سکۂ طلائی) [illegible] [illegible] ہوتے ہیں۔ اور یہ ہمارے ہندوستانی [illegible] انگریزی [illegible] رائج الوقت کے حساب سے تقریباً ایک [illegible] ہے۔

مرقومۂ بالا واقعات سے یہاں تک معلوم ہو گیا کہ اس مبارک تقریب کی تمام ضروریات مثل خطبۂ عقد نکاح۔ تعین مہر اور [illegible] ایجاب وغیرہ۔ غرض جملہ لوازم و مراسم پوری عظمت و اقتدار سے انجام پا چکے۔ ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ جس خوبی اور نیک اسلوبی سے اس تقریب مبارک نصیب کی مندرجۂ بالا ضرورتیں انجام دی گئیں۔ اُسی جلالت اور منزلت سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نوعروس صاحبزادی کو اُس کے مقدس اور خوش قسمت شوہر کے گھر اُسکے گھر کی رونق۔ زینت اور مفاخرت بننے کے لیے رخصت فرما دیا۔ اور اس طرح اس تقریب تزویج کی آخری یا قیماندہ ضرورت کو پورا کر دیا اُسکی تفصیل یہ ہے۔

فریقین کی اسناد سے ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ عقد مناکحت کے بعد ایک مہینہ تک جناب سیدہ کے رخصت فرما دیئے جانے کی نسبت میں نے جناب ختمی مرتبت کی خدمت میں کچھ عرض نہیں کی۔ اکثر اوقات خلوت کے موقع پر آپ مجھ سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے ابن عم! خدا تمہیں مبارک کرے۔ تمکو وہ زوجہ ملی ہے جو بہترین زنان عالمیان ہے۔ اور اے میرے ابن عم! کیا اچھی تمہاری زوجہ ہے۔ میں آپ سے یہ ارشاد و بشارت سُن سُن کر از حد مسرور و فرحناک ہوتا تھا لیکن سوائے سکوت اور فرط ادب جھکا لینے کے کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

آپ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد ایک دن عقیل اور جعفر میرے دونوں بھائی میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ حقیقت تو یوں ہے کہ اب تک ہم دونوں کو کسی نیا دنیا میں ایسے اتنا خوش

نہیں کیا تھا جس قدر فاطمہؑ کے تمہارے ساتھ بیاہے جانے سے خوشنود و مسرور کیا ہے۔ اب ہم دونوں بھائی ملکر اس وقت اس غرض سے تمہارے پاس آئے ہیں کہ تم سے پوچھیں کہ تم جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے فاطمہؑ کے رخصت فرمادیے جانے کے لیے کیوں درخواست نہیں کرتے ہو تاکہ تمہارے گھر میں ہم اُس نورِ رسالت کی زیارت کرکے اپنے دیدۂ دل کو روشن کریں۔

آپ کا بیان ہے کہ یہ سُنکر میں نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا کہ مجھے حیا مانع ہوتی ہے کہ میں اس سوال کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس اثنا میں امِ ایمن بھی کسی ضرورت سے وہاں آگئیں اُنہوں نے ہماری باتوں کو سُنکر کہا کہ تم اطمینان رکھو۔ میں آنحضرت سے اس امر میں خود گفتگو کرتی ہوں کیونکہ ان امور میں عورتوں کے مشورے مفید اور زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔

امِ ایمن نے وعدہ تو کردیا مگر تنِ تنہا اُن کو بھی عرضِ حال کی مجال نہیں ہوئی۔ وہ حضرت امِ سلمہ کے پاس گئیں اور اُن سے سارا ماجرا دُہرایا۔ اور اُن کا استمزاج لیا۔ حضرت امِ سلمہ نے اُنکی رائے سے اتفاق فرمایا اور پھر تمام ازواجِ مطہرات کو طلب کیا اور سب کو اس امر پر متفق پاکر آپ نے اُن سے کہا کہ مناسب ہے کہ ہم لوگ سب ملکر اس امر کو جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں عرض کریں۔ سب نے اس بات پر بھی اتفاق کیا۔ اور حضرت امِ سلمہ تمام ازواجِ مطہرات کو ہمراہ لیکر جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ اُس وقت حجرۂ عائشہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ازواجِ مطہرات نے عرض کی کہ ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ اگر حضرت خدیجہ اس وقت زندہ ہوتیں تو فاطمہؑ کی عروسی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔ امِ سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ جناب خدیجہ کا نام سُنتے ہی آپکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب خدیجہ کی مثال کہاں۔ اُس نے میری اُس وقت تصدیق کی جب سب تکذیب کرتے تھے۔ اُسنے اشاعتِ دین اور قیامِ شرعِ مبین میں اپنے مال و متاع سے میری اعانت کی۔ مجھے حق تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کے حق میں بشارت دوں کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے بہشت میں ایک گھر قصبائے زمرد سے بنایا ہے کہ اُس گھر میں تعب و مشقت نہیں ہے۔ امِ سلمہ بیان کرتی ہیں کہ یہ سُنکر ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم سب کی جانیں آپ پر نثار ہوں، جو کچھ آپ حضرت خدیجہ کے فضائل میں بیان فرماتے ہیں وہ سب درست اور بجا ہے۔ وہ تو رحمتِ پروردگار عالم میں داخل ہو چکیں اور کرامتہائے حق تعالےٰ سے واصل جنت ہوئیں خداوند عالم یہ تمام نعمتیں اُنکے لیے گوارا اور زیادہ فرمائے اور ہمارے اور اُنکے درمیان اعلےٰ علیین بہشت میں جمعیت عطا کرے۔ ہم سب ملکر آپکی خدمت میں اُسکا جو دنیا و آخرت میں اپنی انتہا اور نادر خصوصیت کے ساتھ آپ کا بھائی اور ابن عم ہے پیام لائی ہیں۔ وہ آپکی خدمت قدسی برکت سے خواستگار اور مستدعی ہے کہ اُس کی زوجہ فاطمہؑ اُسے تسلیم کردی جائے۔ وہ شرائط آداب اور لوازم حجاب کی وجہ سے خود گزارش خدمت کی جرأت نہیں رکھتا۔ امِ ایمن کہتی ہیں کہ یہ سُنکر آپنے میری طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ علیؑ کو بُلا لاؤ۔ میں گئی اور علیؑ کو بُلا لائی۔ آپ کے تشریف لاتے ہی تمام ازواجِ مطہرات تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔

جنابِ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا اور شرم و حیا سے سر جھکائے بیٹھ گیا۔ آپنے خود ابتدائے سخن اپنی طرف سے کی اور مجھے مخاطب فرماکر ارشاد کیا کہ آیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری زوجہ کو تمہارے گھر رخصت کردوں؟ میں نے نیچی سر جھکائے ہوئے عرض کی۔ ہاں۔ آپنے جواب دیا کہ آج کی رات یا کل کی رات انشاء اللہ تعالےٰ میں فاطمہؑ کو تمہارے سپرد کردونگا۔

جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سُنکر میں انتہا فرحان و شادان آپکی خدمت سے اُٹھکر باہر چلا آیا۔ میرے باہر چلے آنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی ازواج سے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ کو آراستہ کرو۔ اور اپنے حجروں میں سے ایک حجرہ اُسکے لیے علٰحدہ کردو۔ حضرت امِ سلمہ نے پوچھا کہ کونسا حجرہ اُنکے لیے درست کردیا جائے؟ ارشاد ہوا کہ تم اپنا حجرہ آراستہ کردو۔ یہ فرماکر آپ باہر تشریف لائے۔

جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے باہر تشریف لاکر جناب علی مرتضےٰ سے فرمایا کہ اے علی! تم اپنے اہل کے لیے کھانا تیار کرو۔

نہیں کہہ سکتا تھا جس قدر فاطمہؑ کے تمہارے ساتھ بیاہے جانے سے ہم کو شاد و مسرور کیا ہے۔ اب ہم دونوں بھائی ملکر اس وقت اس غرض سے تمہارے پاس آئے ہیں کہ تم سے پوچھیں کہ تم جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے فاطمہؑ کے رخصت فرمادیے جانے کے لیے کیوں درخواست نہیں کرتے ہو تاکہ تمہارے گھر میں ہم اُس نورِ رسالت کی زیارت کرکے اپنے دیدہ و دل کو روشن کریں۔

آپ کا بیان ہے کہ یہ سُنکر میں نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا کہ مجھے حیا مانع ہوتی ہے کہ میں اس سوال کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس اثنا میں امِ ایمن بھی کسی ضرورت سے وہاں آگئیں اُنہوں نے ہماری باتوں کو سُنکر کہا کہ تم اطمینان رکھو۔ میں آنحضرت سے اس امر میں خود گفتگو کرتی ہوں کیونکہ ان امور میں عورتوں کے مشورے مفید اور زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔

امِ ایمن نے وعدہ تو کردیا مگر تنِ تنہا اُن کو بھی عرضِ حال کی مجال نہیں ہوئی۔ وہ حضرت امِ سلمہ کے پاس گئیں اور اُن سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور اُن کا استمزاج لیا۔ حضرت امِ سلمہ نے اُنکی رائے سے اتفاق فرمایا اور پھر تمام ازواجِ مطہرات کو طلب کیا اور سب کو اس امر پر متفق پاکر آپ نے اُن سے کہا کہ مناسب ہے کہ ہم لوگ سب ملکر اس امر کو جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت میں عرض کریں۔ سب نے اس بات پر بھی اتفاق کیا۔ اور حضرت امِ سلمہ تمام ازواجِ مطہرات کو ہمراہ لیکر جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ اُس وقت حجرۂ عائشہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ازواجِ مطہرات نے عرض کی کہ ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ اگر حضرت خدیجہ اس وقت زندہ ہوتیں تو فاطمہؑ کی عروسی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔ امِ سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ جناب خدیجہ کا نام سنتے ہی آپکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب خدیجہ کی مثال کہاں۔ اُس نے میری اُس وقت تصدیق کی جب سب تکذیب کرتے تھے۔ اُس نے اشاعتِ دین اور قیامِ شرعِ مبین میں اپنے مال و متاع سے میری اعانت کی۔ مجھے حق تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کے حق میں بشارت دوں کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے بہشت میں ایک گھر قصبائے زمرد سے بنایا ہے کہ اُس گھر میں تعب و مشقت نہیں ہے۔ امِ سلمہ بیان کرتی ہیں کہ یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم سب کی جانیں آپ پر نثار ہوں، جو کچھ آپ حضرت خدیجہ کے فضائل میں بیان فرماتے ہیں وہ سب درست اور سچ ہے۔ وہ تو رحمتِ پروردگار سے عالمِ آخرت میں ہو چلیں اور کرامتہائے حق تعالےٰ سے واصل جنّت ہوئیں خدا اونِ عالم یہ تمام نعمتیں اُنکے لیے گوارا اور زیادہ فرمائے اور ہمارے اور اُنکے درمیان اعلیٰ علیین بہشت میں جمعیت عطا کرے۔ ہم سب ملکر آپکی خدمت میں اُسکا جو دنیا و آخرت میں آپکی انتہا اور بنا در خصوصیت کے ساتھ آپ کا بھائی اور ابن عم ہے پیام لائے ہیں۔ وہ آپکی خدمتِ قدسی برکت سے خواستگار اور مستدعی ہے کہ اُس کی زوجہ فاطمہؑ اُسے تسلیم کر دی جائے۔ وہ شرائط آداب اور لوازم حجاب کی وجہ سے خود گزارش خدمت کی جرأت نہیں رکھتا۔ امِ ایمن کہتی ہیں کہ یہ سُنکر آپنے میری طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ علیؑ کو بُلا لاؤ۔ میں گئی اور علیؑ کو بُلا لائی۔ آپ کے تشریف لاتے ہی تمام ازواجِ مطہرات تعظیماً کھڑی ہوگئیں۔

جنابِ امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا اور شرم و حیا سے سر جھکائے بیٹھ گیا۔ آپنے خود ابتدائے سخن اپنی طرف سے کی اور مجھے مخاطب فرماکر ارشاد کیا کہ آیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری زوجہ کو تمہارے گھر رخصت کر دوں؟ میں نے اپنی سر جھکائے ہوئے عرض کی۔ ہاں۔ آپنے جواب دیا کہ آج کی رات یا کل کی رات انشاءاللہ تعالےٰ میں فاطمہؑ کو تمہارے سپرد کر دونگا۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں سُنکر میں نہایت فرحان و شاداں آپکی خدمت سے اُٹھکر باہر چلا آیا۔ میرے باہر چلے آنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنی ازواج سے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ کو آراستہ کرو۔ اور اپنے حجروں میں سے ایک حجرہ اُسکے لیے علیحدہ کر دو۔ حضرت امِ سلمہ نے پوچھا کہ کونسا حجرہ اُنکے لیے درست کر دیا جائے؟ ارشاد ہوا کہ تم اپنا حجرہ آراستہ کردو۔ یہ فرماکر آپ باہر تشریف لائے۔

جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے باہر تشریف لاکر جنابِ علی مرتضےٰ سے فرمایا کہ اے علی! تم اپنے اہل کے لیے کھانا تیار کرو۔

علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اور جناب سیدہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ جناب فاطمہؑ نے فوراً تعمیل حکم کی اور ایک کاسہ میں پانی لائیں۔ آپ نے اس پانی پر ادعیات ماثورہ دم کرکے جناب سیدہؑ کے سر و سینہ پر چھڑکا اور میرے سر و بازو پر چھڑکا۔ اور ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم! یہ دونوں میرے حبیب ترین خلائق ہیں۔ تو انکو دوست رکھ اور انکی نسل میں برکت دے۔ اور میں انکو اور انکی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری حفاظت و حراست میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لیے تم باہر چلے جاؤ۔ میں سمعاً و طاعتاً کہتا ہوا فوراً باہر چلا آیا۔ میرے چلے آنیکے بعد آپ نے جناب سیدہؑ سے پوچھا کہ اے فاطمہؑ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ جناب سیدہ بے ساختہ رونے لگیں۔ آپ نے سوچا کہ علیؑ کی تنگدستی کی وجہ سے فاطمہؑ روتی ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ذرا بھی پریشان خاطر نہ ہو۔ میرے آگے کئی بار دولت دنیا پیش کی گئی مگر میں نے تو ہر بار ثواب آخرت کو اموال دنیا پر ترجیح دیکر اختیار کیا۔ ہر شئے کی جتنی خبر اور جتنا علم مجھ کو عنایت کیا گیا ہے۔ اگر اتنا تجھے بھی دیا گیا ہوتا تو دنیا کی قدر تیری نگاہ میں کبھی ذرا نہ ہوتی۔ اے فاطمہؑ خدا کی قسم! میں نے بچپن سے لیکر اس وقت تک تیری خدمت اور خیر خواہی میں کوئی قصور نہیں کیا۔ اور آج تجھ کو اس کے ساتھ بیاہ دیا ہے جس کا اسلام سب سے مقدم ہے اور جو باعتبار علم و حلم کے سب سے افضل ہے۔ اے فاطمہؑ! پروردگار عالم نے دنیا بھر میں دو آدمیوں کو منتخب فرمایا۔ ایک کو تیرا باپ کیا اور دوسرے کو تیرا شوہر۔ اے فاطمہ! تیرا شوہر دنیا بھر کے شوہروں سے نیک ترین شوہر ہے کسی شئے میں اس کی مخالفت کو جائز نہ رکھنا۔ یہ فرما کر آپ نے مجھے آواز دی اور میں لبیک کہتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ارشاد ہوا۔ اے علی! اپنی زوجہ سے ہمیشہ بہ نرمی اور مہربانی پیش آیا کرو۔ کیونکہ فاطمہؑ میری پارۂ تن ہے۔ جو اسے آزار دیتا ہے وہ مجھے آزار دیتا ہے۔ جو اسے آزردہ کرتا ہے وہ مجھے آزردہ کرتا ہے۔ اور جو اسے شاد کرتا ہے وہ مجھے شاد کرتا ہے۔ اے علیؑ! وہ تمہارا اہل ہے اور ناموس ہے۔ تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور خدا کو تم پر وکیل مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دولتسرا کی طرف تشریف لیگئے۔

یہاں تک تو وہ واقعات تھے جو ہم نے ملا مجلسی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے شیعہ کی متعدد اور متفرق تالیفات سے مستنبط کرکے یہاں جمع کر دیے۔ کتاب جلاء العیون کی عبارت سے یہ امر خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدمت قدسی برکت مرحوم ملا مجلسیؒ نے ان تمام واقعات و حالات کو کتب فریقین سے ملا ملا کر لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے سلسلۂ تالیف کے موجودہ نظام اور التزام میں ہر واقعہ کی توثیق و تصدیق میں علمائے فریقین کی اسناد و اشہاد کی اصلی عبارت لکھدینے کا ہمیشہ سے معیار اور دستور قائم کرچکے ہیں اس لیے ہم اپنے موجودہ مضامین کی تصدیق اور ثبوت کے لیے ملا مرحوم کے تنہا حوالے کو کافی نہیں سمجھتے اس باعث سے کہ میر الیقین اور میر احسن اعتقاد ملا مرحوم کے حوالے پر توضرور اعتماد رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ میں دوسروں کو اعتبار کرنیکے لیے مجبور بھی نہیں کرسکتا۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ میں مرقومہ بالا واقعات کو بلکہ اسکے ہر ہر جزو اور شعبہ کو علمائے اہلسنت کے متعدد اور متفرق علماؤ محدثین کے اقوال سے نقل کرکے انکی توثیق و تصدیق کی طرف سے ناظرین کتاب کا پورا اطمینان اور کافی تشفی کردوں۔

روضۃ الاحباب میں حافظ جمال الدین محدث شیرازی تحریر فرماتے ہیں حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت دختر مرا بخانۂ علیؑ ببرو بسیار و باز بگو عجلت مکنید تا من بیایم و ایشاں را بالکید بگر بہ بینم۔ و چوں نماز خفتن گزارد در کوزہ آب بر داشت و بنزد ایشاں بیامد و آب دہن مبارک در آں بیانداخت و معوذتین و دیگر ادعیہ بر آں خواند آنگاہ فرمود یا علیؑ از ایں آب بیاشام و وضو بساز و با فاطمہؑ فرمود تو ہم بیاشام و وضو ساز و مقدارے ازآں بر سر فاطمہؑ و سینۂ ایشاں پاشیدہ گفت اللھم انی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطان الرجیم آنگاہ مقدارے ازاں بر سر علیؑ و شانہ وے پاشیدہ گفت اللھم انی اعیذہ بک و ذریتہ من الشیطان الرجیم و در روایتے آنکہ بفرمود اللھم انھما منی وانا منھما اللھم کما اذھبت عنی الرجس و طھرتنی فطھرھما و فرمود برخیزید

علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے۔ اور جنابِ سیّدہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ جنابِ فاطمہ نے فوراً تعمیلِ حکم کی اور ایک کاسہ میں پانی لائیں۔ آپ نے اُس پانی پر ادعیاتِ ماثورہ دم کرکے جنابِ سیّدہؑ کے سر و سینہ پر چھڑکا۔ اور میرے سر و بازو پر چھڑکا۔ اور ارشاد فرمایا کہ پروردگارِ عالم! یہ دونوں میرے حبیب ترین خلائق ہیں۔ تو انکو دوست رکھ اور انکی نسل میں برکت دے۔ اور میں انکو اور انکی ذریت کو شیطانِ رجیم سے تیری حفاظت وحراست میں دیتا ہوں۔ اسکے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لیے تم باہر چلے جاؤ۔ میں سمعاً وطاعتاً کہتا ہوا فوراً باہر چلا آیا۔ میرے چلے آنیکے بعد آپ نے جنابِ سیّدہؑ سے پوچھا کہ اے فاطمہؑ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ جنابِ سیّدہ بے ساختہ رونے لگیں۔ آپ نے سمجھا کہ علیؑ کی تنگدستی کی وجہ سے فاطمہؑ روتی ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ذرا بھی پریشاں خاطر نہ ہو۔ میرے آگے کئی بار دولتِ دنیا پیش کی گئی مگر میں نے تو ہر بار ثوابِ آخرت کو اموالِ دنیا پر ترجیح دیکر اختیار کیا۔ ہر شے کی جتنی خبر اور جتنا علم مجھ کو عنایت کیا گیا ہے۔ اگر اتنا تجھے بھی دیا گیا ہوتا تو دنیا کی قدر تیری نگاہ میں کبھی ذرا نہ ہوتی۔ اے فاطمہؑ خدا کی قسم! میں نے بچپن سے لیکر اس وقت تک تیری خدمت اور خیرخواہی میں کوئی قصور نہیں کیا۔ اور آج تجھ کو اُس کے ساتھ بیاہ دیا ہے جس کا اسلام سب سے مقدم ہے اور جو باعتبار علم وحلم کے سب سے افضل ہے۔ اے فاطمہؑ! پروردگارِ عالم نے دنیا بھر میں دو آدمیوں کو منتخب فرمایا۔ ایک کو تیرا باپ کیا اور دوسرے کو تیرا شوہر۔ ای فاطمہ! تیرا شوہر دنیا بھر کے شوہروں سے نیک ترین شوہر ہے۔ کسی شے میں اُس کی مخالفت کو جائز نہ رکھنا۔ یہ فرما کر آپ نے مجھے آواز دی اور میں لبیک کہتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ارشاد ہوا۔ اے علی! اپنی زوجہ سے ہمیشہ بہ نرمی اور مہربانی پیش آیا کرو۔ کیونکہ فاطمہؑ میری پارۂ تن ہے۔ جو اسے آزار دیتا ہے وہ مجھے آزار دیتا ہے۔ جو اسے آزردہ کرتا ہے وہ مجھے آزردہ کرتا ہے اور جو اسے شاد کرتا ہے وہ مجھے شاد کرتا ہے۔ اے علیؑ! وہ تمہارا اہل ہے اور ناموس ہیں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور خدا کو تم پر وکیل مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد جنابِ رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی دولتسرا کی طرف تشریف لے گئے۔

یہاں تک تو وہ واقعات تھے جو ہم نے ملا مجلسی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے شیعہ کی متعدد اور متفرق تالیفات سے مستنبط کرکے یہاں جمع کر دیے۔ کتاب جلاء العیون کی عبارت سے یہ امر خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدمت قدسی برکت مرحوم ملا مجلسیؒ نے ان تمام وقعات وحالات کو کتب فریقین سے ملا ملا کر لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے سلسلۂ تالیف کے موجودہ نظام اور التزام میں ہر واقعہ کی توثیق وتصدیق میں علمائے فریقین کی اسناد واشہاد کی اصلی عبارت لکھدینے کا ہمیشہ سے معیار اور دستور قائم کر چکے ہیں اس لیے ہم اپنے موجودہ مضامین کی تصدیق اور ثبوت کے لیے ملا مرحوم کے تنہا حوالے کو کافی نہیں سمجھتے اس باعث سے کہ میر الیقین اور میر احسن اعتقاد ملا مرحوم کے حوالے پر توضرور اعتماد رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ میں دوسروں کو اعتبار کرنیکے لیے مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ میں مرقومہ بالا واقعات کو بلکہ اُسکے ہر ہر جزو اور شعبہ کو علمائے اہلسنت کے متعدد اور متفرق علما ومحدثین کے اقوال سے نقل کرکے اُنکی توثیق وتصدیق کی طرف سے ناظرین کتاب کا پورا اطمینان اور کافی تشفی کردوں۔

روضۃ الاحباب میں حافظ جمال الدین محدث شیرازی تحریر فرماتے ہیں حضرت رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم گفت دختر مرا بخانۂ علیؑ ببرو بسپار و باز گو بعجلت مکنید تا من بیایم و ایشان را باکدیگر ببینم۔ وچوں نماز خفتن گزارد در کوزہ آب برداشت وبنزد ایشان بیامد وآب دہن مبارک دراں بیانداخت و معوذتین ودیگر ادعیہ براں خواند آنگاہ فرمود یا علیؑ ازیں آب بیاشام ووضو بساز وبا فاطمہؑ فرمود تو ہم بیاشام ووضو ساز ومقدارے ازاں بر سر فاطمہؑ وسینۂ ایشاں پاشیدہ گفت اللّٰھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم آنگاہ مقدارے ازاں بر سر علیؑ وشانہ وے پاشیدہ گفت اللّٰھم انی اعیذہ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم ودر روایتے آنکہ فرمود اللّٰھم انھما منی وانا منھما اللّٰھم کما اذھبت عنی الرجس وطھرتنی فطھرھما فرمودہ بخیزید

فاطمة الی علی رضی الله عنهما ارکبها النبی صلی الله
علیه وآله وسلم علی بغلة الشهباء وامر سلمان الفارسی
رضی الله عنه ان یقودها والنبی صلی الله علیه وآله
وسلم یسوقها فبینا کانوا فی اثناء الطریق لسمع وجبة
فاذا هم بجبرئیل معه سبعین الفا من الملئکة
فقال النبی صلی الله علیه وآله وسلم ما اهبطکم قالوا
جئنا نزفت فاطمة علی زوجها فکبر جبرئیل ومیکائیل
والملئکة فصار التکبیر سنة علی العرائس من
تلک اللیلة۔

جس وقت حضرت علیؑ کے گھر میں جناب فاطمہ علیہا السلام کے
تشریف لیجانے کی رات آئی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے جناب سیدہؑ کو اپنے اُس اشتر پر سوار کیا جس کا
نام شہبا تھا۔ اور سلمان فارسی کو حکم دیا کہ اُسکی لگام کو پکڑیں۔
اور حضرت خود بالنفس نفیس اُس کو ہانکتے تھے۔ پس جس وقت
یہ لوگ راہ میں تھے اُس وقت ایک آواز آنے کی آئی ناگاہ
حضرت جبرئیل علیہ السلام مع ستر ہزار فرشتوں کے نازل ہوئے
حضرت نے پوچھا کہ تمہارے نازل ہونیکا کیا سبب ہے۔ فرشتوں
نے عرض کی کہ ہم اس واسطے آئے ہیں کہ فاطمہؑ کو اُنکے شوہر
کے گھر پہنچا دیں پس حضرت جبرئیل اور میکائیل اور تمام فرشتگان
ہمراہی نے تکبیریں کہیں چنانچہ اسی رات سے دُلہن کے رخصت
ہونے کے وقت تکبیریں کہنا سنت ہوگیا۔

کتاب ذخائر العقبیٰ میں امام طبری اس واقعہ کو اس عبارت
کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں :۔

عن ابن عباس کانت اللیلة التی زفت بها فاطمة الی
علی رضی الله عنهما کان النبی صلی الله علیه وآله وسلم
یمشی امامها وجبرئیل عن یمینها ومیکائیل عن یسارها
وسبعون الف ملک خلفها وهم یسبحون الله تبارک
وتعالیٰ ویقدسونه حتی یطلع الفجر (اخرجه الحافظ
ابو القاسم الدمشقی)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب وہ رات آئی کہ
فاطمہؑ علیؑ کے گھر پہنچا دی جائیں تو جناب رسالتمآب صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم آگے آگے چلے اور حضرت جبرئیل آپکی داہنی طرف
ہوئے اور میکائیل بائیں جانب اور ستر ہزار فرشتے اُنکے پیچھے پیچھے
چلے اور یہ سب کے سب خدائے تعالےٰ کی رات بھر تسبیح و تقدیس
فرماتے رہے یہانتک کہ صبح ہوگئی۔

امام مناوی کتاب روض الفائق میں رقمطراز ہیں :۔

ثم دعا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بفاطمة
وعلی فاخذ علیا بیمینه وفاطمة بشماله وجمعهما
الی صدره وقبلهما بین عینیهما ثم دفعها الیه فقال
یا ابا الحسن نعم الزوجة زوجتک ثم قام یمشی معهما
الی البیت الذی لهما ثم خرج واخذ بعضادتی الباب
وقال جمع الله شملکما استودعکما الله واستخلفته
علیکما وفی روایة ثم امر علیا بالخروج فخرج فقال
بفاطمة کیف رأیت بعلک یا بنیة فقالت انه خیر
بعل یا ابت ثم دعا بعلی فقال له ارفق بزوجتک والطف
بها فان فاطمة بضعة منی یولمنی ما یولمها ویسرنی
ما یسرها استودعکما الله واستخلفه علیکما
واذهب عنکما الرجس وطهرکما تطهیرا۔

پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ وفاطمہؑ
کو بلایا۔ علیؑ کا دہنا ہاتھ تھاما اور فاطمہؑ کا اُلٹا ہاتھ۔ پھر دونوں
کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور دیدہ بوسی فرمائی۔ اسکے
بعد فاطمہؑ کو علیؑ کے سپرد فرمایا اور ارشاد کیا اے ابوالحسنؑ!
کیا اچھی تیری زوجہ ہے۔ پھر کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں
بزرگواروں کے گھر میں تشریف لے گئے۔ بعد اُسکے اُن کے
حجرہ سے باہر آئے اور دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا
اللہ تعالےٰ تم دونوں میں جمعیت عطا فرمائے۔ میں تم دونوں
کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ اور اُس کو اپنی غیبت میں تمہا
تمہارا حافظ اور نگہبان قرار دیتا ہوں۔ ایک دوسری
روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں کے حق میں دعائے خیر کی اور
حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کو باہر تشریف لیجانیکا
حکم دیا۔ حسب الحکم جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو
آپ نے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟

فاطمة الی علی رضی اللہ عنہما ارکبہا النبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم علی بغلۃ الشہباء وامر سلمان الفارسی
[illegible] ان یقودھا والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ
[illegible] یسوقہا فبینا کانوا فی اثناء الطریق لسمع وجبۃ
[illegible] جبرئیل معہ سبعین الفا من الملٰئکۃ
[illegible] النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اھبطکم قالوا
جئنا نزفت فاطمۃ علی زوجہا فکبر جبرئیل ومیکائیل
والملٰئکۃ فصار التکبیر سنۃ علی العرائس من
تلک اللیلۃ۔

جس وقت حضرت علیؑ کے گھر میں جناب فاطمہ علیہا السلام کے تشریف لیجانے کی رات آئی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہؑ کو اپنے اُس اشتر پر سوار کیا جس کا نام شہبا تھا۔ اور سلمان فارسی کو حکم دیا کہ اُسکی لگام کو پکڑیں۔ اور حضرت خود بالنفس نفیس اُس کو ہانکتے تھے۔ پس جس وقت یہ لوگ راہ میں تھے اُس وقت ایک آواز آنے کی آئی ناگاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مع ستر ہزار فرشتوں کے نازل ہوئے حضرت نے پوچھا کہ تمہارے نازل ہونیکا کیا سبب ہے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ ہم اس واسطے آئے ہیں کہ فاطمہؑ کو اُنکے شوہر کے گھر پہنچا دیں پس حضرت جبرئیل اور میکائیل اور تمام فرشتگان ہمراہی نے تکبیریں کہیں چنانچہ اسی رات سے دُلہن کے رخصت ہونے کے وقت تکبیریں کہنا سنت ہوگیا۔

کتاب ذخائر العقبےٰ میں امام طبری اس واقعہ کو اس عبارت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں :۔

عن ابن عباس کانت اللیلۃ التی زفت بہا فاطمۃ الی
علی رضی اللہ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یمشی امامہا وجبرئیل عن یمینہا ومیکائیل عن یسارہا
وسبعون الف ملک خلفہا وھم یسبحون اللہ تبارک
وتعالیٰ ویقدسونہ حتی یطلع الفجر (اخرجہ الحافظ
ابو القاسم الدمشقی)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب وہ رات آئی کہ فاطمہؑ علیؑ کے گھر پہنچا دی جائیں تو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے آگے چلے اور حضرت جبرئیل آپکی داہنی طرف ہوئے اور میکائیل بائیں جانب اور ستر ہزار فرشتے اُنکے پیچھے پیچھے چلے اور یہ سب کے سب خدائے تعالےٰ کی رات بھر تسبیح و تقدیس فرماتے رہے یہانتک کہ صبح ہوگئی۔

امام مناوی کتاب روض الفائق میں رقمطراز ہیں :۔

ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بفاطمۃ
وعلی فاخذ علیا بیمینہ وفاطمۃ بشمالہ وجمعہما
الی صدرہ وقبلہما بین عینہما ثم دفعہا الیہ فقال
یا ابا الحسن نعم زوجۃ زوجتک ثم قام یمشی معہما
الی البیت الذی لہما ثم خرج واخذ بعضادتی الباب
وقال جمع اللہ شملکما استودعکما اللہ واستخلفہ
علیکما وفی روایۃ ثم امر علیا بالخروج فخرج فقال
بفاطمۃ کیف رأیت بعلک یا بنیہ فقالت انہ خیر
بعل یا ابت ثم دعا بعلی فقال لہ رافق زوجتک والطف
بہا فان فاطمۃ بضعۃ منی یؤلمنی ما یؤلمہا ویسرنی
ما یسرھا استودعکما اللہ واستخلفہ علیکما
واذھب عنکما الرجس وطہرکما تطہیرا۔

پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ و فاطمہؑ کو بلایا علیؑ کا دہنا ہاتھ تھاما اور فاطمہؑ کا اُلٹا ہاتھ۔ پھر دونوں کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور دیدہ بوسی فرمائی۔ اسکے بعد فاطمہؑ کو علیؑ کے سپرد فرمایا اور ارشاد کیا اے ابو الحسنؑ! کیا اچھی تیری زوجہ ہے۔ پھر کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں بزرگواروں کے گھر میں تشریف لے گئے۔ بعد اسکے اُن کے حجرہ سے باہر آئے اور دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالےٰ تم دونوں میں جمعیت عطا فرمائے میں تم دونوں کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ اور اُس کو اپنی غیبت میں تمہارا حافظ اور نگہبان قرار دیتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپنے دونوں کے حق میں دعائے خیر کی اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کو باہر تشریف لیجانیکا حکم دیا۔ حسب الحکم جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو آپنے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟

راسِ فاطمة وكفّين بين ثدييها ثم اصرهاان يرش بقية الماء على ساقيها وقدميها ففعلت ثم صنع بعليٍّ كما صنع بفاطمة ثم قال اللّٰهم انهما مني وانا منهما اللّٰهم كما اذهبت عني الرجس وطهرتني فاذهب عنهما الرجس وطهرهما.

جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ نے پانی مانگا۔ اُس میں کلّی کی۔ پھر اپنا روئے مبارک دھویا اور پھر اپنے پائے مبارک دھوئے۔ پھر اُس میں سے ایک چلّو پانی لیا اور اُسکو حضرت فاطمہ کے سر و سینہ پر چھڑکا اور فرمایا کہ بقیہ پانی کو تم اپنے جسم پر تھوڑا تھوڑا چھڑک لو اور پھر بار دیگر پانی منگا کر حضرت علیؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ فاطمہؑ کے ساتھ عمل فرما چکے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔ پروردگارِ عالم! یہ دونوں مجھسے ہیں اور میں ان دونوں سے ہوں۔ پروردگارا! جس طرح تو نے مجھ کو ناپاکی سے طاہر فرمایا اُسی طرح ان دونوں سے ناپاکی کو خارج فرما اور طاہر فرما۔

اس کے بعد مروی ہے کہ ثم قال جمع اللّٰه شملكما وبارك لكما في شبلكما وبارك فيكما واصلح بالكما ثم قام واغلق عليهما باب البيت بيده المبارك ويدعوالهما حتى دخل في بيته۔ پھر فرمایا خداوند تعالےٰ تم دونوں میں یکجائی اور موافقت پیدا کرے اور تم دونوں کی اولاد میں برکت دے اور اُن کو تمہیں مبارک فرمائے۔ اور تمہاری اولاد کو صالح قرار دے۔ یہ کہکر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دستِ مبارک سے اُنکے حجرے کے دروازے بند کر دیے۔ اور اُن دونوں بزرگواروں کے حق میں دعائے خیر فرمائے۔ یہاں تک کہ اپنے بیت الشرف میں داخل ہوئے۔

مرقومۂ بالا متعدد اور متواتر اسناد لکھکر ہم نے اپنے دعوے کی توثیق وتصدیق بھی کر دی اور اپنے ناظرین کتاب کی تشفی اور تسکین بھی۔ ان اسناد کے مطالعہ سے وہ بآسانی سمجھ جائیں گے کہ ان حالات کے متعلق جو کچھ غیر مستند تالیفات سے اوپر قلمبند کیا گیا ہے وہی قریب قریب سواد اعظم اہلسنت کے علماء اور محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں مندرج فرمایا ہے۔ یہ ہماری عدم تحقیق اور غفلت کا باعث ہے کہ ہم ایک واقعہ کو ایک خاص کتاب میں دیکھکر اُسکو صرف اُسی کے مؤلف کا اختراع سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ذرا سی کوشش اور تلاش کے بعد وہی واقعہ جسکو ہم کسی کا خاص اور ذاتی مختار تصنیف کرتے تھے۔ وہی عام طور سے ایک متفق علیہ امر اور مشہور بین الجمہور واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ صاحب رسالۂ عقد ازدواجِ جنت نے بھی جو بالکل حال کی تالیفات سے ہے اور تھوڑے دنوں سے شائع ہوئی ہے ان حالات کو اسی تفصیل سے لکھا ہے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ مضامین میں قریب قریب تمام واقعات اور اُنکے ہر شعبہ کی اسناد مسلسلہ وار قلمبند کر چکے۔ صرف دعوت ولیمہ کی توثیق وتصدیق باقی ہے۔ اگرچہ وہ ایسی ضروری نہیں ہے لیکن تاہم اپنے سلسلۂ بیان و نظام مضامین قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں اسکی تصدیق و توثیق بھی مندرج کرتے ہیں۔

روضۃ الاحباب میں مرقوم ہے کہ خواجۂ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات مقدارے زما و موئے بجہت ولیمۂ ایشان انعام فرمود وسعد گوسفندی آورد۔ وجمعے از انصار چند صاع ذرت آوردند و ولیمۂ عروسی فاطمہؑ آن بود۔

امام طبری ذخائر العقبیٰ میں تحریر کرتے ہیں:-

اخرج احمد من قوله صلّى اللّٰه عليه وآله وسلّم لعلي لا بد للعروس من وليمة فقال سعد علي كبش وقال فلان علي كذا وقال فلان علي كذا وعن جابر قال حضرنا وليمة علي وفاطمة رضي اللّٰه عنهما فما رأيت وليمة اطيب منها (اخرجه ابو بكر ابن فارس)

امام احمد حضرت علیؑ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آپ کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا یعنی شادی میں بغیر دعوت ولیمہ کے چارہ نہیں ہے یہ سنکر سعد ابن عبادہ نے کہا کہ میں ایک مینڈھا حاضر کرونگا کسی نے کہا میں فلاں چیز حاضر کرونگا کسی نے کہا فلاں چیز۔ جابر انصاری سے منقول ہے کہ میں حضرت فاطمہؑ اور جناب علی مرتضےٰ کی دعوتِ ولیمہ میں حاضر تھا۔ میں نے کوئی دعوت ولیمہ ایسی طیب وطاہر نہیں دیکھی جیسی ان کے ولیمہ کی ضیافت

کتاب اسعاف الراغبین میں صحیح مسلم سے منقول صرقوم ہے

راس فاطمة وكفين بين ثديها ثم اصرها ان يرش بقية الماء في ما بين كتفيها ثم دعا بجفنة اخرى فصنع بعلى كما صنع بفاطمة ثم قال اللهم انهما مني وانا منهما اللهم كما اذهبت عني الرجس وطهرتني فاذهب عنهما الرجس وطهرهما۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ نے پانی مانگا۔ اُس میں کلی کی۔ پھر اپنا روئے مبارک دھویا اور پھر اپنے پائے مبارک دھوئے۔ پھر اُس میں سے ایک چلو پانی لیا اور اُسکو حضرت فاطمہ کے سر و سینہ پر چھڑکا اور فرمایا کہ بقیہ پانی کو تم اپنے جسم پر تھوڑا تھوڑا چھڑک لو اور پھر بار دیگر پانی منگا کر حضرت علیؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ فاطمہؑ کے ساتھ عمل فرما چکے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔ پروردگار عالم! یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان دونوں سے ہوں۔ پروردگارا! جس طرح تو نے مجھ کو ناپاکی سے طاہر فرمایا اُسی طرح ان دونوں سے ناپاکی کو خارج فرما اور طاہر فرما۔

اس کے بعد مروی ہے کہ ثم قال جمع الله شملكما وبارك لكما في شبلكما وبارك فيكما واصلح بالكما ثم قام واغلق عليهما باب البيت بيده المبارك ويدعوا لهما حتى دخل في بيته۔ پھر فرمایا خداوند تعالے تم دونوں میں یکجائی اور موافقت پیدا کرے اور تم دونوں کی اولاد میں برکت دے اور اُن کو تمہیں مبارک فرمائے۔ اور تمہاری اولاد کو صالح قرار دے۔ یہ کہکر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے اُنکے حجرے کے دروازے بند کر دیئے۔ اور اُن دونوں بزرگواروں کے حق میں دعائے خیر فرمائے۔ یہاں تک کہ اپنے بیت الشرف میں داخل ہوئے۔

مرقومہ بالا متعدد اور متواتر اسناد لکھکر ہم نے اپنے دعوے کی توثیق وتصدیق بھی کر دی اور اپنے ناظرین کتاب کی تشفی اور تسکین بھی۔ ان اسناد کے مطالعہ سے وہ بآسانی سمجھ جائیں گے کہ ان حالات کے متعلق جو کچھ تصنیف ہالیفات سے اوپر قلمبند کیا گیا ہے وہی قریب قریب سواد اعظم اہلسنت کے علماء اور محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں مندرج فرمایا ہے۔ یہ ہماری عدم تحقیق اور غفلت کا باعث ہے کہ ہم ایک واقعہ کو ایک خاص کتاب میں دیکھکر اُسکو صرف اُسی کے مؤلف کا من گھڑت سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ذرا سی کوشش اور تلاش کے بعد وہی واقعہ جس کو ہم کسی کا خاص اور ذاتی مختار تصنیف کرتے تھے۔ وہی عام طور سے ایک متفق علیہ امر اور مشہور بین الجمہور واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ صاحب رسالہ زفاف جنت نے بھی جو بالکل حال کی تالیفات سے ہے اور تھوڑے دنوں سے شائع ہوئی ہے ان حالات کو اسی تفصیل سے لکھا ہے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلہ مضامین میں قریب قریب تمام واقعات اور اُنکے ہر شعبہ کی اسناد مسلسلہ واقلمبند کر چلے۔ صرف دعوت ولیمہ کی توثیق وتصدیق باقی ہے۔ اگرچہ وہ ایسی ضروری نہیں ہے لیکن تاہم اپنے سلسلہ بیان ونظام مضامین قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں اسکی تصدیق و توثیق بھی مندرج کرتے ہیں۔

روضۃ الاحباب میں مرقوم ہے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات مقدار خرما و مویز بجہت ولیمہ ایشان انعام فرمود وسعد گوسپندی آورد۔ وجمعے از انصار چند صاع ذرت آوردند و ولیمۂ عروسی فاطمہؑ آن بود۔

امام طبری ذخائر العقبیٰ میں تحریر کرتے ہیں:۔

اخرج احمد من قوله صلى الله عليه وآله وسلم لعلى لا بد للعرس من وليمة فقال سعد على كبش وقال فلان على كذا وقال فلان على كذا وعن جابر قال حضرنا وليمة على وفاطمة رضي الله عنهما فما رأيت وليمة اطيب منها (اخرجه ابو بكر ابن فارس)

امام احمد حضرت علیؑ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آپ کا بیان ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا یعنی شادی میں بغیر دعوت ولیمہ کے چارہ نہیں ہے۔ یہ سنکر سعد ابن عبادہ نے کہا کہ میں ایک مینڈھا حاضر کرونگا کسی نے کہا میں فلاں چیز حاضر کرونگا کسی نے کہا فلاں چیز۔ جابر انصاری سے منقول ہے کہ میں حضرت فاطمہؑ اور جناب علی مرتضےؑ کی دعوت ولیمہ میں حاضر تھا۔ میں نے کوئی دعوت ولیمہ ایسی طیب وطاہر نہیں دیکھی جیسی ان کے ولیمہ کی ضیافت

کتاب اسعاف الراغبین میں صحیح مسلم سے منقول ومرقوم ہے

تشریف لے گئے تشریف لیجانے کے حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُن سے باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ رات زیادہ گزر گئی۔ سیدہ نے رونا شروع کیا حضرت علیؑ نے پوچھا کہ اے عورتوں کی سردار! تم کیوں روتی ہو۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اور تم میری زوجہ ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! میں راضی کیوں نہوں۔ حالانکہ تم میری مرضی کے موافق ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ میں تو صرف اس بات کی سوچ اور فکر میں ہوں کہ مرنے کے وقت اور قبر میں اُتارے جانیکے وقت میرا کیا حال ہوگا اس لیے کہ میں اس عزت اور فخر کے بچھونے پر داخل ہونیکو اپنی قبر میں اور لحد میں داخل ہونیکے ساتھ تشبیہ پاتی ہوں (باپ کے گھر سے شوہر کے گھر ہمیشہ کے لیے آنا) اب میں تم سے سوال کرتی ہوں۔ اے میرے چچا کے بیٹے! اور تمہیں اپنے باپ کے حقوق کی قسم دیتی ہوں کہ جو میرا قصد اور مطلب ہے اُس تک مجھ کو پہنچا دو اور میرے ساتھ اُٹھو۔ اور اپنی محراب عبادت کی طرف آؤ اور ہم تم دونوں آج کی رات عبادت میں بسر کریں۔ اس لیے کہ یہی ہمارے لیے بہتر اور سزاوار ہے۔ پس دونوں بزرگوار محراب عبادت کی طرف گئے اور خدمت رب الارباب میں نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اپنے فرش راحت کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ اور وہ دونوں بزرگوار رات رات بھر نماز کے لیے کھڑے رہتے تھے اور دن دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ تین روز متواتر اسی حالت میں گزر گئے تو اپنے بچھونے پر گئے حضرت جبرئیل علیہ السلام جو تشریف لائے اور حضرت سید المرسلینؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپکا پروردگار آپکو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تحقیق کہ علیؑ اور فاطمہؑ کرامؑ نے اس تین روز میں اپنے بچھونے کو چھوڑ دیا۔ اور سونا ترک کردیا اور دونو نماز کی طرف متوجہ ہوئے۔ پس تم اُن دونوں کے پاس جاؤ اور اُن کا حال پوچھو اور اُن سے کہو کہ اللہ تعالےٰ تم دونوں کی وجہ سے ملائکہ مقربین سے فخر و مباہات کرتا ہے اور تم دونوں بروز قیامت عاصیوں اور گنہگاروں کی شفاعت کروگے پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور دونوں کے مقام کی طرف تشریف لے گئے۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہاں اسماء بنت عمیس کو کھڑا پایا۔ اُن سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو حالانکہ گھر میں مرد موجود ہے۔ اسماء نے جواب دیا کہ یا رسول خدا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تحقیق کہ جس وقت لڑکی اپنے شوہر کے پاس جاتی ہے تو اُس کو ایک عورت کی بھی احتیاج ہوتی ہے کہ وہ وہاں موجود رہے اور اُس کی ضرورتوں کو پورا کرے پس میں یہاں اس لیے کھڑی ہوں کہ فاطمہؑ کی ضرورتوں کو رفع کروں پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا کہ اے اسماء اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت میں تیری ہر حاجت کو روا کرے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس روز نہایت سخت سردی تھی اور ہم اور فاطمہؑ دونوں ایک عبا اوڑھے تھے۔ پس جس وقت کہ جناب رسولؐ خدا کے کلام کو سُنا تو ارادہ کیا کہ کھڑے ہوجائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمکو اُس حق کی قسم دلاتا ہوں کہ جو تمہارے اوپر ہے کہ تم علیحدہ نہو یہاں تک کہ میں تم دونوں کے پاس آؤں پس جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے سروں کے پاس بیٹھ گئے اور ہمارے بیچ میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ میں نے آپکا دہنا پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا اور فاطمہؑ نے آپ کا بایاں پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور ہم دونوں آپکے ٹھنڈے پاؤں کو گرم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ گرم ہوگئے بعد اسکے آپنے ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائی (اعلام آخرہ)

لہ خان بہادر نواب شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں اپنی کتاب میں اس حدیث کو درج فرماکر اس مقام پر خاص نوٹ دیتے ہیں۔ اُنکی عبارت یہ ہے کہ مولف حقیر کہتا ہے کہ یہ روایت گویا فی الواقع اس آیت شریف کی پوری تفسیر ہے کہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ دور رہتے ہیں پہلو انکے بچھونوں سے۔ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر سے اور طمع سے اور جو ہمنے انکو دیا ہے اسمیں سے خرچ کرتے ہیں پس نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو کچھ کہ انکے واسطے پوشیدہ ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے عوض میں اسکے جو عمل کرتے ہیں ۱۲

رسالہ خاتونِ جنت کے لائق مؤلف نے اسماء بنتِ عمیس کی جگہ

[illegible] کے تشریف لیجانے کے حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کی طرف
[illegible] ان سے باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ رات زیادہ
[illegible] سیدہ نے رونا شروع کیا حضرت علیؑ نے پوچھا کہ
اے سیدہ عورتوں کی سردار! تم کیوں روتی ہو۔ کیا تم اس بات
پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اور تم میری زوجہ ہو۔
آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! میں راضی کیوں
نہوں۔ حالانکہ تم میری مرضی کے موافق ہو بلکہ اس سے بھی
زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ میں تو صرف اس بات کی سوچ اور فکر
میں ہوں کہ مرنے کے وقت اور قبر میں اُتارے جانیکے وقت
میرا کیا حال ہوگا اس لیے کہ میں اس عزت اور فخر کے بچھونے
پر داخل ہونیکو اپنی قبر میں اور لحد میں داخل ہونیکے ساتھ تشبیہ
پاتی ہوں (باپ کے گھر سے شوہر کے گھر ہمیشہ کے لیے آنا) اب
میں تم سے سوال کرتی ہوں۔ اے میرے چچا کے بیٹے! اور تمہیں
اپنے باپ کے حقوق کی قسم دیتی ہوں کہ جو میرا قصد اور مطلب ہے
اُس تک مجھ کو پہنچا دو اور میرے ساتھ اُٹھو۔ اور اپنی محراب عبادت
کی طرف آؤ اور ہم تم دونوں آج کی رات عبادت میں بسر کریں۔
اس لیے کہ یہی ہمارے لیے بہتر اور سزاوار تر ہے۔ پس دونوں بزرگوار
محراب عبادت کی طرف گئے اور خدمت رب الارباب میں نماز تہجد
کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اپنے فرش راحت کو چھوڑ دیا اور عبادت
میں مشغول ہوئے۔ اور وہ دونوں بزرگوار رات رات بھر نماز
کے لیے کھڑے رہتے تھے اور دن دن بھر روزہ رکھتے تھے۔
یہاں تک کہ تین روز متواتر اسی حالت میں گزر گئے تو اپنے بچھونے

پر گئے حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور حضرت
سید المرسلینؐ کی خدمت میں عرض کی [illegible] آپکا پروردگار آپکو
سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تحقیق کہ علیؑ اور فاطمہؑ کرام نے اس
تین روز میں اپنے بچھونے کو چھوڑ دیا۔ اور سونا ترک کر دیا اور دونوں
نماز کی طرف متوجہ ہوئے۔ پس تم اُن دونوں کے پاس جاؤ اور
اُن کا حال پوچھو اور اُن سے کہو کہ اللہ تعالےٰ تم دونوں کی صفات
ملائکہ مقربین سے فخر و مباہات کرتا ہے اور تم دونوں بروز
قیامت عاصیوں اور گنہگاروں کی شفاعت کروگے پس جناب
رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور دونوں کے مقام
کی طرف تشریف لے گئے۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہاں
اسماء بنت عمیس کو کھڑا پایا۔ اُن سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی
ہو حالانکہ گھر میں مرد موجود ہے۔ اسماء نے جواب دیا کہ یا رسول خدا
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تحقیق کہ جس وقت لڑکی اپنے شوہر
کے پاس جاتی ہے تو اُس کو ایک عورت کی بھی احتیاج ہوتی ہے کہ
وہ وہاں موجود رہے اور اُس کی ضرورتوں کو پورا کرے پس
میں یہاں اس لیے کھڑی ہوں کہ فاطمہؑ کی ضرورتوں کو رفع کروں
پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا کہ اے اسماء اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت
میں تیری ہر حاجت کو روا کرے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں
کہ اُس روز نہایت سخت سردی تھی اور ہم اور فاطمہؑ دونوں ایک
عبا اوڑھے تھے۔ پس جس وقت کہ جناب رسول خدا کے کلام کو
سُنا تو ارادہ کیا کہ کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمکو اُس
حق کی قسم دلاتا ہوں کہ جو تمہارے اوپر ہے کہ تم علیحدہ نہو یہاں تک
کہ میں تم دونوں کے پاس آؤں پس جناب رسالت مآب صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے سروں کے پاس بیٹھ گئے
اور ہمارے بیچ میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ میں نے آپکا
دہنا پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا اور فاطمہؑ نے آپ کا بایاں
پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور ہم دونوں آپکے ٹھنڈے
پاؤں کو گرم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ گرم ہو گئے بعد اسکے آپنے
ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائی (الیٰ آخرہ)

ملہ خان بہادر نواب شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں اپنی کتاب میں اس
حدیث کو درج فرماکر اس مقام پر خاص نوٹ دیتے ہیں۔ اُنکی عبارت یہ ہے کہ مؤلف
حقیر کہتا ہے کہ یہ روایت گویا فی الواقع اس آیت شریف کی پوری تفسیر ہے کہ
تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون
فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔
دور رہتی ہیں پہلو انکی بچھونوں سے۔ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر سے اور طمع سے اور جو کچھ
ہمنے انکو دیا ہے اسمیں سے خرچ کرتے ہیں پس نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو کچھ کہ انکے
واسطے پوشیدہ ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے عوض میں اُسکے جو عمل کرتے ہیں ۱۲

رسالہ خاتون جنت کے لائق مؤلف نے اسماء بنت عمیس کی جگہ

... ایجاب و قبول کی شرائط کا علیٰ رؤس الاشہاد جانبین
سے ادا کرا دینا۔ پھر بنفسِ نفیس خود خطبۂ نکاح کا پڑھنا اور پھر
آخر میں مجمع میں جناب علی مرتضیٰ سے ازسرِنو خطبۂ نکاح کا
پڑھوانا اور اعلانِ عام کرانا۔ اسی طرح عقدِ مناکحت کے تمام شرائط
... کے بعد صاحبزادی کو رخصت کیے جانے کی تمام مراسم
ادا ... بالکل حکمِ الٰہی کے مطابق انجام دینا اور اُنکے
ہمراہ ... میں فرماتے ہوئے تشریف لیجانا۔ اور دیگر ہمراہیان
... کو بھی تسبیح و تکبیر کے اذکار و اوراد کی ہدایت
اور تاکید فرمانا۔ فرشتگانِ رحمت کا عین راستہ میں نازل ہو کر شریک
ہونا اور ... رسولؐ۔ اُن تمام ملائکۂ مقربین کا جن کی
تعداد باتفاقِ فریقین ستر ہزار بتلائی جاتی ہے۔ راستہ سے
حضرت علیؑ کے گھر ... تسبیحیں پڑھتے اور تکبیریں کہتے برابر جانا
اور پھر وہاں پہنچکر اُس وقت سے لیکر طلوعِ صبح تک برابر تسبیح و
تقدیسِ الٰہی بجالانا۔ جنابِ ختمی مرتبت کا جنابِ سیدہؑ کے رخصت
فرمانے چلنے اور حضرت علیؑ کے گھر میں لائے جانیکے وقت تک بار بار
ان دونوں بزرگواروں کے حق میں متواتر اور متعدد موقعوں پر
خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اپنے روحانی تعلق اور قلبی محبت و الفت
کے تقاضے سے انکی موافقت حسنِ معاشرت۔ خیر و برکت اور ازدیادِ
اولاد کی دعاؤں پر دعائیں مانگنا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کو مقربِ
بارگاہِ الٰہی اور مشرف بشرفہائے لاتتناہی بتلانا۔ اور پھر ان دونوں
مقدسین کو ایک دوسرے کے ادائے حقوق کے لیے ہدایت فرمانا
وغیرہ امثالہم۔ پورے طور سے بتلاتے ہیں کہ دربارِ رسالت کو یہ اہتمام
قدرتِ خدا کے نظام اور مشیتِ الٰہی کے عین احکام تھے جن کو
ایمائے اقدسِ الٰہی اور منشائے ایزدی کے مطابق بجالانا۔ خدا کے
رسولِ برحق اور اسکے نائبِ مطلق کے لیے ضروری اور لازمی تھا۔
جنابِ سرورِ کائنات علیہ و آلہ الصلوٰۃ کو اس واقعہ کی اہمیت اور
عظمت اور اس کو بالکل منشاء و مدعائے قدرت کے مطابق دکھلا دینا
اور بتلا دینا اس لیے ضروری تھا کہ خواصِ اسلام یا یوں کہو کہ اہلبیت
کرام کے مبارک طبقہ میں یہ اول مناکحت تھی اور پہلی شادی کی تقریب
تھی جس نے عوام الناس کی ہدایت کے علاوہ۔ خواص کے خاص دائرہ
میں ان دونوں بزرگوں کے فضائل و مراتب کا اعلان و اظہار مقصود
تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی اہلِ اسلام اور اہلبیت کرام کے طبقہ
میں شادی بیاہ ہو چکے تھے۔ اُن میں صاحبانِ تقریب نے اپنے اپنے
ملکی اور قومی رسم و رواج اور معمول کے دستور کے مطابق اپنی تدبیر
اور تجویز سے آزادانہ اور بالکل مختارانہ کام لیا۔ بخلاف اُنکے اس
مبارک تقریب میں اسکے آغاز ہی کے وقت سے جنابِ ختمی مرتبت
صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ایسی قدسی صفات ذات اور سراپا
حسنات نے اسکی تدبیر اور تجویز سے تا صدورِ وحیِ الٰہی اپنی قطعی
مجبوری دکھلائی۔ پھر آپ کے بعد کون دوسرا ایسا فردِ اکمل اور
مردِ افضل تھا جو اس امر کی تقدیم اور اپنی خود رائی کے قدم آگے بڑھاتا
اسی سے ہر شخص بآسانی یقین کر لیگا کہ یہ تقریب اور یہ دونوں بزرگوار
جن کی تزویج کی یہ تقریب تھی وہ خدائے تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں
تقرب اور خصوصیت کا ایسا ہی اعلیٰ اور عدیم المثال مرتبہ رکھتے
ہیں کہ اُن کے ان امور میں قدرت نے آغاز سے لیکر انجام تک اپنے
ایما اور منشا سے خاص طور پر کام لیا اور کسی دوسرے کو اسکی تجویز اور
تعمیل کی تکلیف نہیں دی۔

اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مبارک تزویج دنیا کی معمولی شادی اور
بیاہ نہیں تھی اور نہ وہ بزرگوار جن کی مزاوجت کی یہ تقریب تھی۔
عوام الناس اور معمولی طبقۂ اسلام میں داخل تھے۔ پھر یہ بھی
نہیں تھا کہ اس مبارک تزویج ہی کے وقت سے ان ذوات مقدسہ
کی قدر و منزلت کا منجانب اللہ اظہار و اعلان فرمایا گیا ہو بلکہ
یہ وہ نفوسِ عالیہ ہیں جن کی قدر و منزلت اور مناقب و مراتب کا
مشاہدہ ساری دنیا کو اُنکے روزِ ولادت سے آج تک بجا بجا مختلف
اور متعدد موقعوں پر ہو چکا تھا۔ اور اُس وقت سے لیکر اس وقت
تک جن کے تمام ظاہری اور باطنی محاسنِ اعمال اور ارشاد و اقوال
سے خاصانِ الٰہی اور برگزیدگانِ درگاہِ ایزدی کے اطوار ہویدا
و آشکار ہو رہے تھے۔

جن معمول پسند والوں نے اپنی ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے خدمتِ رسالت
میں اس مزاوجت کے لیے دست ... بڑھائے تھے اُنکی غلط اندیشیوں
کی صحت اور اہلِ اسلام کی ہدایت کے لیے اُس ... اور ...
اسکے رسولِ برحق پر لازم تھا کہ وہ ان بزرگواروں کی ...
اور انکی مبارک تقریب تزویج میں اپنی قدرت کے آثار دکھلا کر ...

نکاح پڑھوا دینا۔ ایجاب و قبول کی شرائط کا علے رؤس الاشہاد جانبین
سے پورا کرا لینا۔ پھر بالنفس نفیس خود خطبۂ نکاح کا پڑھنا اور پھر
اُسی مجمع میں جناب علی مرتضٰے سے ازسرِنو خطبۂ نکاح کا
پڑھوا کر اعلان عام کرانا۔ اسی طرح عقدِ مناکحت کے تمام شرائط
پورا ہونے کے بعد صاحبزادی کو رخصت کیے جانے کی تمام مراسم
اور [illegible] بالکل حکم الٰہی کے مطابق انجام دینا اور اُنکے
ہمراہ [illegible] فرماتے ہوئے تشریف لیجانا۔ اور دیگر ہمراہیان
[illegible] کو بھی تسبیح و تکبیر کے اذکار و اوراد کی ہدایت
اور تاکید فرمانا۔ فرشتگانِ رحمت کا عین راستہ میں نازل ہو کر شریک
ہونا اور [illegible] خدا و رسولؐ۔ اُن تمام ملائکۂ مقربین کا جن کی
تعداد باتفاق فریقین ستر ہزار بتلائی جاتی ہے۔ راستہ سے
حضرت علیؑ کے گھر تک تسبیحیں پڑھتے اور تکبیریں کہتے برابر جانا
اور پھر وہاں پہنچکر اُس وقت سے لیکر طلوع صبح تک برابر تسبیح و
تقدیس الٰہی بجالانا۔ جناب ختمی مرتبت کا جناب سیدہؑ کے رخصت
فرمائے جانے اور حضرت علیؑ کے گھر میں لائے جانیکے وقت تک بار بار
ان دونوں بزرگواروں کے حق میں متواتر اور متعدد موقعوں پر
خداوند عالم کی بارگاہ میں اپنے روحانی تعلق اور قلبی محبت و الفت
کے تقاضے سے انکی موافقت حسنِ معاشرت۔ خیر و برکت اور ازدیادِ
اولاد کی دعاؤں پر دعائیں مانگنا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کو مقربِ
بارگاہِ الٰہی اور مشرف بشرفہائے لاتناہی بتلانا۔ اور پھر ان دونوں
مقدسین کو ایک دوسرے کے ادائے حقوق کے لیے ہدایت فرمانا
وغیرہ امثالہم۔ پورے طور سے بتلاتے ہیں کہ دربار رسالت کو یہ اہتمام
قدرت خدا کے نظام اور مشیتِ الٰہی کے عین احکام تھے جن کو
ایمائے اقدس الٰہی اور منشائے ایزدی کے مطابق بجالانا۔ خدا کے
رسولِ برحقؐ اور اسکے نائب مطلق کے لیے ضروری اور لازمی تھا۔
جناب سرورِ کائنات علیہ و آلہ الصلوٰۃ کو اس واقعہ کی اہمیت اور
عظمت اور اس کو بالکل منشا و مدعائے قدرت کے مطابق دکھلا دینا
اور بتلا دینا اس لیے ضروری تھا کہ خواصِ اسلام یا یوں کہو کہ اہلبیت
کرام کے مبارک طبقہ میں یہ اول مناکحت تھی اور پہلی شادی کی تقریب
تھی جس نے عوام الناس کی ہدایت کے علاوہ۔ خواص کے خاص دائرہ
میں ان دونوں بزرگوں کے فضائل و مراتب کا اعلان و اظہار مقصود
تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی اہلِ اسلام اور اہلبیت کرام کے طبقہ
میں شادی بیاہ ہو چکے تھے۔ اُن میں صاحبانِ تقریب نے اپنے اپنے
ملکی اور قومی رسم و رواج اور معمول کے دستور کے مطابق اپنی تدبیر
اور تجویز سے آزادانہ اور بالکل مختارانہ کام لیا۔ بخلاف اُنکے اس
مبارک تقریب میں اسکے آغاز ہی کے وقت سے جناب ختمی مرتبت
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایسی قدسی صفات ذات اور سراپا
حسنات نے اسکی تدبیر اور تجویز سے تا صدور وحی الٰہی اپنی قطعی
مجبوری دکھلائی۔ پھر آپ کے بعد کون دوسرا ایسا فردِ اکمل اور
مردِ افضل تھا جو اس امر کی تقدیم اور اپنی خود رائی کے قدم آگے بڑھاتا
اسی سے ہر شخص بآسانی یقین کر لیگا کہ یہ تقریب اور یہ دونوں بزرگوار
جن کی تزویج کی یہ تقریب تھی وہ خدائے تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں
تقرب اور خصوصیت کا ایسا ہی اعلیٰ اور عدیم المثال مرتبہ رکھتے
ہیں کہ اُن کے ان امور میں قدرت نے آغاز سے لیکر انجام تک اپنے
ایما اور منشا سے خاص طور پر کام لیا اور کسی دوسرے کو اسکی تجویز اور
تعمیل کی تکلیف نہیں دی۔

اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مبارک تزویج دنیا کی معمولی شادی اور
بیاہ نہیں تھی اور نہ وہ بزرگوار جن کی مزاوجت کی یہ تقریب تھی۔
عوام الناس اور معمولی طبقۂ اسلام میں داخل تھے۔ پھر یہ بھی
نہیں تھا کہ اس مبارک تزویج ہی کے وقت سے ان ذوات مقدسہ
کی قدر و منزلت کا منجانب اللہ اظہار و اعلان فرمایا گیا ہو بلکہ
یہ وہ نفوس عالیہ ہیں جن کی قدر و منزلت اور مناقب و مراتب کا
مشاہدہ ساری دنیا کو انکے روز ولادت سے آج تک جا بجا مختلف
اور متعدد موقعوں پر ہو چکا تھا۔ اور اُس وقت سے لیکر اس وقت
تک جن کے تمام ظاہری اور باطنی محاسن اعمال اور ارشاد و اقوال
سے خاصانِ الٰہی اور برگزیدگانِ درگاہِ ایزدی کے اطوار ہویدا
و آشکار ہو رہے تھے۔

جن معمول پسندوں نے اپنی ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے خدمتِ رسالت
میں اس مزاوجت کیلئے دست تمنا بڑھائے تھے اُنکی غلط اندیشیوں
کی صحت اور اہلِ اسلام کی ہدایت کے لیے اُس [illegible] اور بقائے مطلق اور
اسکے رسولِ برحق پر لازم تھا کہ وہ ان بزرگواروں کی [illegible]
اور انکی مبارک تقریب تزویج میں اپنی قدرت کے آثار دکھلا کر [illegible]

اور یہ ہدایت فرمانا مقصود تھا کہ مناکحت اور مزاوجت اور شادی بیاہ کے تمام مراسم اور مناسک اس سادگی اور پاکیزگی اور خوش اسلوبی سے ہونے چاہییں۔ جن سے زن و شوہر کی موافقت کے اسباب اُنکی معاشرت کے قرائن اور ابواب ہمیشہ کے لیے قائم اور مستحکم رہیں۔ اور جو دنیا میں اُن کے لیے نیکنامی اور عزت کا ذریعہ اور آخرت میں شادکامی اور قربتِ الٰہی کا وسیلہ ثابت ہوں۔

اس مبارک واقعہ کے ہر پہلو پر جہاں تک میری یاد کام کرتی تھی میں نے اپنے مندرجہ بالا مضمون میں کافی طور پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آغاز سے لیکر انجام تک اسکی تمام مراسم کی خوبی اور خوش اسلوبی اور اس کو بتمامہ خیر و برکت کے اصول پر مبنی ہونے کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے مضمون کے خاتمہ میں ان برگزیدگانِ الٰہی کے اُن محاسنِ اعمال اور اُنکی نادر الوجود مثال۔ ناظرین کے ملاحظہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ جن میں ان خاصانِ خدا نے بکمالِ رضا و رغبت اور بہ تمام مسرت و فرحت اپنی عروسی کے اول تین شبانہ روز صرف فرمائے ہیں۔ اور جن کو ہم نے سوادِ اعظم اہلسنت کے معتبر اور مستند عالم اور امام ابو نصر ہمدانی کی کتاب سبعیات کی اصل عبارت سے اوپر نقل کر دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسی ہی مبارک اور پاک تزویج تھی اور اسکے لیے ایسے ہی پاک اور مبارک بزرگوار بھی خدا کی طرف سے منتخب فرمائے گئے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسکی اہمیت اور عظمت اور ان حضرات کی قدر و منزلت کے دکھلانے کی غرض سے مشیتِ خداوندی نے اسکی انجام دہی میں اس سرگرمی سے کام لیا اور زمانہ کے معمول پسند لوگوں کو دکھلا دیا کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے جیسے پاک اور مقدس شوہر کے لیے جنابِ سیدہ ہی کی جیسی پاکدامن۔ پارسا اور عفت مآب زوجہ شایاں تھی اور یہی مخصوص تجویز تھی جو پہلے ہی سے مدبرِ تقدیر نے اپنے حکمِ محکم الطیبٰت للطیبون والطیبون للطیبٰت میں ظاہر فرما دی تھی۔ اور جس کے ظاہری معنی جناب مخبرِ صادق نے اپنے ارشاد میں کامل طور سے یوں ادا فرما دیے تھے کہ لولم یخلق علیاً ما کان لفاطمة کفواً اگر علی پیدا نہ ہوتے تو فاطمہ کے لیے کوئی دوسرا کفو نہیں تھا۔

اس تجویزِ الٰہی کی تعمیل کامل ہو جانیکے بعد ان دونوں بزرگواروں نے بھی اپنے محامدِ ذات اور محاسنِ اعمال کی وہ یکتا اور بے نظیر مثال دکھلائی جو امکانِ انسانی سے بالکل باہر تھی۔ ہم ابھی ابھی امام ہمدانی کی کتاب کی اصل عبارت اوپر نقل کر آئے ہیں جس سے ان بزرگواروں کی عروسی کے اول تین شب و روز کے حالات نہایت وضاحت سے معلوم ہو جاتے ہیں اور اُن واقعات سے ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ یقین کر لیگا کہ حقیقتاً عناصرِ روحانی کی بنی ہوئے یہ وہی پیکرِ انسانی ہیں جو اپنے محامد و اوصاف کے اعتبار سے تمام نفوسِ روحانی پر ہر طریقہ اور قرینہ سے پوری فضیلت اور کامل ترجیح رکھتے ہیں۔ انکی کامل معرفت۔ انکا استغراق فی العبادت۔ ان کا اشتیاق الی الطاعت۔ ان کا خوفِ عاقبت۔ انکا صبرِ کامل خصوصاً ایسے اوقات میں انکی ذاتِ قدسی صفات کی تمام جوہروں کی حقیقت کھول دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ برگزیدگانِ الٰہی کے مدارجِ اعلےٰ پر شرف پانیوالے بزرگواروں کی یہ شان ہوتی ہے۔

انکے مندرجہ بالا محاسنِ اعمال کی بے نظیر مثال نے ساری دنیا کو دکھلا دیا کہ خدا کو برحق جاننے والے اور اپنی ہستی کی بساط اور حقیقت کو سچے طور سے پہچاننے والے عام اس سے کہ وہ کسی حالتِ خاص میں کیوں نہوں۔ اپنی نیک نفسی۔ فرشتہ سیرتی اور عاقبت اندیشی کے اظہار اور اُنکی مبارک عادات ہویدا اور آشکار کرنے سے باز نہیں رہتے۔ انکے اظہار سے اُنکو نہ اپنی خودنمائی مقصود ہوتی ہے اور نہ خودستائی بلکہ اُن کا اصلی مدعا۔ عوام الناس کی ہدایت اور تنبیہ ہوتی ہے اور عام لوگوں کو خاص لوگوں کی معرفت اور تمیز ان دونوں مقدس و مطہر بزرگواروں کے حالات جو ابھی ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔ آئینہ کی طرح صاف صاف دکھلا رہے ہیں کہ ان سراپا نورانی ہیکلوں نے اپنی عروسی کی پہلی تین مبارک راتیں اور سہاونے دن کس استقلال۔ کس بے نفسی اور کس رضا و رغبت سے ساری رات عبادتِ خدا میں کھڑے کھڑے بسر کر دیں اور دنوں میں روزوں پر روزے رکھ رکھ کر گذار دیے اور کس دلیری اور بے باکی سے اپنے فانی عیش و عشرت اور عارضی آرام و راحت کے تمام خیالوں سے دوری اختیار کی ہے اور کس بے تکلفی اور کشادہ پیشانی سے قربتِ خدا کی سخت ترین راہوں میں اپنا یک بیک قدم

اور یہ ہدایت فرمانا مقصود تھا کہ مناکحت اور مزاوجت اور شادی بیاہ
کے تمام مراسم اور مناسک اس سادگی اور پاکیزگی اور خوش اسلوبی
سے ہونے چاہییں۔ جن سے زن و شوہر کی موافقت کے اسباب
اُنکی معاشرت کے قرائن اور ابواب ہمیشہ کے لیے قائم اور مستحکم رہیں
اور جو دنیا میں اُن کے لیے نیکنامی اور عزت کا ذریعہ اور آخرت میں
شادکامی اور قربتِ الٰہی کا وسیلہ ثابت ہوں۔

اس مبارک واقعہ کے ہر پہلو پر جہاں تک میری یاد کام کرتی تھی میں نے
اپنے مندرجہ بالا مضمون میں کافی طور پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آغاز سے
لیکر انجام تک اسکی تمام مراسم کی خوبی اور خوش اسلوبی اور اس کو
بتمامہ خیر و برکت کے اصول پر مبنی ہونے کو پوری تفصیل کے ساتھ
بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے مضمون کے خاتمہ میں ان برگزیدگانِ الٰہی
کے اُن محاسن اعمال اور اُنکی نادر الوجود مثال۔ ناظرین کے ملاحظہ کے
لیے پیش کرتے ہیں۔ جن میں ان خاصانِ خدا نے بکمال رضا و رغبت
اور بہ تمام مسرت و فرحت اپنی عروسی کے اول تین شبانہ روز صرف
فرمائے ہیں۔ اور جن کو ہم نے سوادِ اعظم اہلسنت کے معتبر اور مستند
عالم اور امام ابو نصر ہمدانی کی کتاب سبعیات کی اصل عبارت سے
اوپر نقل کر دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسی ہی مبارک اور پاک تزویج تھی اور اسکے
لیے ایسے ہی پاک اور مبارک بزرگوار بھی خدا کی طرف سے منتخب
فرمائے گئے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسکی اہمیت اور عظمت اور
ان حضرات کی قدر و منزلت کے دکھلانے کی غرض سے مشیت
خداوندی نے اسکی انجام دہی میں اس سرگرمی سے کام لیا اور
زمانہ کے معمول پسند لوگوں کو دکھلا دیا کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام
کے جیسے پاک اور مقدس شوہر کے لیے جناب سیدہ ہی کی جیسی
پاکدامن۔ پارسا اور عفت مآب زوجہ شایاں تھی اور یہ ہی مخصوص
تجویز تھی جو پہلے ہی سے مدبر تقدیر نے اپنے حکمِ محکم الطیبٰت
للطیبین والطیبون للطیبٰت میں ظاہر فرما دی تھی۔ اور
جس کے ظاہری معنی جناب مخبرِ صادق نے اپنے ارشاد میں کامل طور
سے یوں ادا فرما دیے تھے کہ لولم یخلق علیاً ماکان لفاطمة
کفواً اگر علی پیدا نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے لیے کوئی دوسرا کفو
نہیں تھا۔

اس تجویزِ الٰہی کی تکمیل کامل ہو جانیکے بعد ان دونوں بزرگواروں
نے بھی اپنے محامد ذات اور محاسن اعمال کی وہ یکتا اور بے نظیر
مثال دکھلائی جو امکانِ انسانی سے بالکل باہر تھی۔ ہم ابھی ابھی
امام ہمدانی کی کتاب کی اصل عبارت اوپر نقل کر آئے ہیں جس سے
ان بزرگواروں کی عروسی کے اول تین شب و روز کے حالات
نہایت وضاحت سے معلوم ہو جاتے ہیں اور اُن واقعات سے ہر شخص
نہایت آسانی کے ساتھ یقین کریگا کہ حقیقتاً عناصرِ روحانی کی نموسے
یہ وہی پیکرِ انسانی ہیں جو اپنے محامد و اوصاف کے اعتبار سے تمام
نفوس روحانی پہ ہر طریقہ اور قرینہ سے پوری فضیلت اور کامل ترجیح
رکھتے ہیں۔ انکی کامل معرفت۔ انکا استغراق فی العبادت۔ ان کا
اشتیاق الے الطاعت۔ ان کا خوف عاقبت۔ انکا صبر الکامل
خصوصاً ایسے اوقات میں انکی ذات قدسی صفات کی تمام جوہروں
کی حقیقت کھول دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ برگزیدگانِ الٰہی کے
مدارجِ اعلےٰ پر شرف پانیوالے بزرگواروں کی یہ شان ہوتی ہے۔
انکے مندرجۂ بالا محاسن اعمال کی بے نظیر مثال نے ساری دنیا کو
دکھلا دیا کہ خدا کو برحق جاننے والے اور اپنی ہستی کی بساط اور حقیقت
کو سچے طور سے پہچاننے والے عام اس سے کہ وہ کسی حالت خاص
میں کیوں نہوں۔ اپنی نیک نفسی۔ فرشتہ سیرتی اور عاقبت اندیشی
کے اظہار اور اُنکی مبارک عادات ہویدا اور آشکار کرنے سے باز
نہیں رہتے۔ انکے اظہار سے اُنکو نہ اپنی خودنمائی مقصود ہوتی ہے
اور نہ خود ستائی بلکہ اُن کا اصلی مدعا۔ عوام الناس کی ہدایت اور
تنبیہ ہوتی ہے اور عام لوگوں کو خاص لوگوں کی معرفت اور تمیز
ان دونوں مقدس و مطہر بزرگواروں کے حالات جو ابھی ابھی
اوپر لکھے گئے ہیں۔ آئینہ کی طرح صاف صاف دکھلا رہے ہیں کہ
ان سراپا نورانی ہیکلوں نے اپنی عروسی کی پہلی تین میٹھی راتیں
اور سہاونے دن کس استقلال۔ کس بے نفسی اور کس رضا و رغبت
سے ساری رات بھر عبادتِ خدا میں کھڑے کھڑے بسر کیں اور دن بھر
روزوں پہ روزے رکھ کر کاٹے ہیں۔ اور کس دلیری اور بہادری کے
ساتھ اپنے فانی عیش و عشرت اور عارضی آرام و راحت کے تمام
خیالوں سے دوری اختیار کی ہے اور کس [illegible] اور کس [illegible]
سے قربتِ خدا کی سخت ترین راہوں میں [illegible]

ادر پیش آئے ہیں۔ اس مبارک تزویج اور مہذب تقریب کے سامان کیا
خدا نے اور اسکے رسولؐ نے اس اہتمام سے کام لیا تھا۔
جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا سے اپنی
عروسی اور بیاہے جانے اور پھر اپنے گھر سے موجودہ گھر میں رخصت
ہو جانے اور لائے جانے کی خاص حالتوں کو انسان کے مرنے اور اسکے
ستے گھر یعنی قبر میں لائے جانے سے ایسی تشبیہ کامل دی ہے کہ اگر دونوں
حالتوں کے سامان اور اُنکے انتظاموں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو
دونوں مساوی اور مماثل صورتوں میں کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔
ایک لڑکی کے رخصت کیے جانے کے وقت اُسکے تمام اعزہ اور اقارب کا
جمع ہونا اور ایک ایک کر کے اُسکے تمام کنبہ والوں کا اُس سے رخصت
ہونا تمام متعلقین اور متوسلین کا گریہ و زاری کرنا۔ گھر سے باہر تک
گہرام مچ جانا۔ اُسکے قافلہ کے ساتھ تمام اعزہ اور اقارب کا کمال
اندوہ و افسوس کے ساتھ چند قدم تک مشایعت کی غرض سے جانا۔
نوعروس لڑکی کے دل میں ماں باپ کے گھر سے لیا تمام کنبہ سے ہمیشہ
کے لیے جدا کیے جانے کا فطرتی خیال پیدا ہوجانا۔ پھر اُس سراپا
ہول اور محزون نوعروس کا ایک ایسے اجنبی گھر اور گھر والوں میں
ایکبارگی آنا جس کا اور جنکا عمر بھر میں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا
پھر اپنی تمام عمر انہی لوگوں کے ساتھ بسر کرنا۔ اپنے تمام آبائی اور
خاندانی مراسم اور دستور ترک کر کے انہی کی تہذیب۔ اخلاق
اور معاشرت کو اختیار کرنا اور انہی پر ہمیشہ کے لیے کاربند ہونا۔
یہ تمام ایسے یقینی اور حقیقی واقعات ہیں جو روزانہ ہر شخص کے
مشاہدات میں آیا کرتے ہیں۔ اور جبتک دنیا قائم ہے یہ حسرتناک
منظر ہمیشہ دیکھے جایا کرینگے۔
ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھکر اور دونوں کی مساوی حالتوں کو مقابلہ
کرنے سے ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہؑ نے اپنی
پاک نفسی۔ عاقبت بینی اور خوف الٰہی کے غیر متحمل تقاضوں کو
دنیا کے ایک مسرت انگیز عالم کو دوسرے افسوسناک اور پُرحسرت
واقعہ سے مشابہ بتلایا ہے جو کامل طور سے آپ کے قلب مبارک
کے اُن تمام جذبات اور حالات کا پورا پتہ دیتا ہے جو اُس وقت
آپکے نورانی دل پر محسوس ہو رہے تھے۔
معصومہ مقدسہ کی یہ مثال اور سیدہ طاہرہ کا یہ خیال پورے
طور سے بتلا رہا ہے کہ جس طرح دنیا میں شادی بیاہ کا اثر
زن و شوہر کے دل پر ہوا کرتا ہے اُس سے ان حضرات کو کوئی
تعلق اور سروکار ہی نہیں۔ بلکہ اکثر وہم پرستان زمانہ کے نزدیک
خلاف دستور کے اصول پر تو یہ مثال اور خیال دونوں فال بد
اور شگون بد سمجھے جائینگے۔ مگر حقیقت اور معرفت کی آنکھوں سے
دیکھا جائے تو آپ کی یہ تمثیل اور آپکی یہ تشبیہ کچھ نوعروسان ہی
کے لیے نہیں بلکہ زمانہ کے عام عیش مست اور تمام راحت پرست
مرد عورتوں کی عبرت اور تنبیہ کا کامل سبق ہے۔ صدیقہ کبرےٰ
اور مخدرہ عظمےٰ نے اس کی تعلیم کی خاص غرض سے باوجود صنف
نسواں ہونے کے اپنی عملی تمثیل دکھلا کر اپنے تمام ہمجنسوں کو
اس کا مشاہدہ کرا دیا کہ خدا کی معرفت رکھنے والی بیبیاں ہر
حالت اور ہر عالم میں خدا کے خوف۔ عتاب اور عذاب سے
ڈرنے والی اور خوف کھانے والی اشراف زادیاں خدا کی طاعت
اور اطاعت کی راہوں میں اپنے تمام عیش و عشرت کو قربان کر دینے والی
پاک اور پارسا خواتین با تمکین ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ دنیا
سے اپنی بے تعلقی اور اپنی سچی خدا پرستی کے سامنے اپنی ان
فانی اور عارضی عیش و آرام کی حالتوں کو یوں بے حقیقت
اور ناقابل توجہ سمجھتی ہیں۔ کیا کوئی شخص دستور کے اصول اور
روزانہ معمول کے طریقہ پر دنیا کی کسی نوعروس کی ایسی بے نفسی
اور خدا پرستی کی مثال دنیا کے وسیع کارناموں میں پیش کر سکتا ہے؟
کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سوائے برگزیدگان الٰہی کے معدودے
چند بزرگواروں کے اور دوسرے لوگوں میں بھی عام طور پر اُنکے
عیش و عشرت اور فرحت و مسرت کے ایسے خاص وقتوں میں
بے نفسی۔ خداترسی اور ترک علائق کی ایسی بے نظیر مثال پائی
جاتی ہے؟ لا واللہ۔
زمانہ کے اہل اللہ اور معرفت آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ خدا کی
طرف سے یہ صفات مخصوصہ اُنہی نفوس برگزیدہ کے لیے محفوظ
اور مخصوص کر دی گئی ہیں جن کے قلوب کا امتحان۔ جن کے نفوس
کی آزمائش عالم آفرینش ہی کے وقت پروردگار عالم کر چکا ہے
اور اُن کے انہی بے مثال اور بے نظیر اوصاف کے اعتبار سے
اُنکو اپنی قربت۔ اپنی پسندیدگی اور برگزیدگی کے اعلےٰ مدارج

ادیب بتلا آئے ہیں۔ اس مبارک تزویج اور مہذب تقریب کے سامان کیا خدا نے اور اسکے رسولؐ نے اس اہتمام سے کام لیا تھا۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثناء سے اپنی عروسی اور بیاہے جانے اور پھر اپنے گھر سے موجودہ گھر میں رخصت ہو آنے اور لائے جانے کی خاص حالتوں کو انسان کے مرنے اور اسکی میت کو گھر سے قبر میں لائے جانے سے ایسی تشبیہ کامل دی ہے کہ اگر دونوں حالتوں کے سامان اور اُنکے انتظاموں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو دونوں مساوی اور مماثل صورتوں میں کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔

ایک لڑکی کے رخصت کیے جانے کے وقت اُسکے تمام اعزہ اور اقارب کا جمع ہونا اور ایک ایک کرکے اُسکے تمام کُنبہ والوں کا اُس سے رخصت ہونا تمام متعلقین اور متوسلین کا گریہ وزاری کرنا۔ گھر سے باہر تک کہرام مچ جانا۔ اُسکے تعاقب کے ساتھ تمام اعزہ اور اقارب کا کمال اندوہ و افسوس کے ساتھ چند قدم تک مشایعت کی غرض سے جانا۔ نوعروس لڑکی کے دل میں ماں باپ کنبہ اور گھر کے تمام کنبہ سے ہمیشہ کے لیے جدا کرلیے جانیکا فطرتی خیال پیدا ہوجانا۔ پھر اُس سراپا ملول اور محزون نوعروس کا ایک ایسے اجنبی گھر اور گھر والوں میں ایکبارگی آنا جس کا اور جنکا عمر بھر میں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا پھر اپنی تمام عمر انہی لوگوں کے ساتھ بسر کرنا۔ اپنے تمام آبائی اور خاندانی مراسم اور دستور ترک کرکے اُنہی کی تہذیب۔ اخلاق اور معاشرت کو اختیار کرنا اور انہی پر ہمیشہ کے لیے کاربند ہونا۔ یہ تمام ایسے یقینی اور حقیقی واقعات ہیں جو روزانہ ہر شخص کے مشاہدات میں آیا کرتے ہیں۔ اور جبتک دنیا قائم ہے یہ حسرتناک منظر ہمیشہ دیکھے جایا کرینگے۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھکر اور دونوں کی مساوی حالتوں کو مقابلہ کرنے سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہؑ نے اپنی پاک نفسی۔ عاقبت بینی اور خوف الٰہی کے غیر متحمل تقاضوں کو دنیا کے ایک مسرت انگیز عالم کو دوسرے افسوسناک اور پُرحسرت واقعہ سے مشابہ بتلایا ہے جو کامل طور سے آپ کے قلب مبارک کے اُن تمام جذبات اور حالات کا پورا پتہ دیتا ہے جو اُس وقت آپکے نورانی دل پر محسوس ہو رہے تھے۔

معصومہ مقدسہ کی یہ مثال اور سیدہ طاہرہ کا یہ خیال پورے طور سے بتلا رہا ہے کہ جس طرح دنیا میں شادی بیاہ کا اثر زن و شوہر کے دل پر ہوا کرتا ہے اُس سے ان حضرات کو کوئی تعلق اور سروکار ہی نہیں۔ بلکہ اکثر وہم پرستانِ زمانہ کے نزدیک خلاف دستور کے اصول پر تو یہ مثال اور خیال دونوں فالِ بد اور شگون بد سمجھے جائینگے۔ مگر حقیقت اور معرفت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو آپ کی یہ تمثیل اور آپکی یہ تشبیہ کچھ نوعروسان ہی کے لیے نہیں بلکہ زمانہ کے عام عیش مست اور تمام عشرت پرست مرد عورتوں کی عبرت اور تنبیہ کا کامل سبق ہے۔ صدیقہ کبرٰے اور مخدرہ عظمٰے نے اس کی تعلیم کی خاص غرض سے باوجود صنفِ نسوان ہونے کے اپنی عملی تمثیل دکھلا کر اپنے تمام ہمجنسوں کو اس کا مشاہدہ کرا دیا کہ خدا کی معرفت رکھنے والی بیبیاں ہر حالت اور ہر عالم میں خدا کے خوف۔ عتاب اور عذاب سے ڈرنے والی اور خوف کھانے والی اشراف زادیاں خدا کی طاعت اور اطاعت کی راہوں میں اپنے تمام عیش و عشرت کو قربان کردینے والی پاک اور پارسا خواتین باتمکین ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ دنیا سے اپنی بے تعلقی اور اپنی سچی خداپرستی کے سامنے اپنی ان فانی اور عارضی عیش و آرام کی حالتوں کو یوں بے حقیقت اور ناقابلِ توجہ سمجھتی ہیں۔ کیا کوئی شخص دستور کے اصول اور روزانہ معمول کے طریقہ پر دنیا کی کسی نوعروس کی ایسی بےنفسی اور خداپرستی کی مثال دنیا کے وسیع کارناموں میں پیش کرسکتا ہے؟ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سوائے برگزیدگانِ الٰہی کے معدودے چند بزرگواروں کے اور دوسرے لوگوں میں بھی عام طور پر اُنکے عیش و عشرت اور فرحت و مسرت کے ایسے خاص وقتوں میں بےنفسی۔ خداترسی اور ترک علائق کی ایسی بے نظیر مثال پائی جاتی ہے؟ لا واللہ۔

زمانہ کے اہل اللہ اور معرفت آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے یہ صفاتِ مخصوصہ اُنہی نفوس برگزیدہ کے لیے محفوظ اور مخصوص کردی گئی ہیں جن کے قلوب کا امتحان۔ جن کے نفوس کی آزمائش عالم آفرینش ہی کے وقت پروردگارِ عالم کرچکا ہے اور اُن کے انہی بے مثال اور بے نظیر اوصاف کے اعتبار سے اُنکو اپنی قربت۔ اپنی پسندیدگی اور برگزیدگی کے اعلٰے مدارج

تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جناب سیدہ نے اپنی مبارک تزویج کے مسرت خیز اور فرحت انگیز موقع پر بھی۔ اُنکے خاص اثر او جذبات سے ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں میں صرف رضائے الٰہی اور خوشنودی خدا کے حصول کی غرض کے لیے قطعی طور پر اپنی بے تعلقی اور غیر سروکاری ثابت فرمادی۔ اور خلافِ معمول خلافِ عادت اور خلافِ دستور بتلا دیا اور ثابت فرما دیا کہ برگزیدگانِ دربارِ ایزدی اور پسندیدگان سرکار خداوندی کو ان عارضی اور جلد مٹ جانے والی دنیاوی کیفیت اور حیثیت سے کوئی واسطہ اور دلچسپی نہیں ہوتی۔

اس مضمون کی تشریح کو یہاں تک پہنچا کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم جناب سیدہ کی تعلیم و تربیت کے متعلق اپنے سابق مضامین میں لکھ آئے ہیں کہ جناب معصومہ کی تمام خدمتیں آپکے بیاہ ہو جانیکے وقت تک حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کے متعلق رہیں۔ اپنے اس وعدے کے مطابق جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اپنے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ آپکے مرقومۂ بالا حالات و واقعات تزویج کو پڑھکر خود دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ آپکی مزاجت کی ابتدائی تحریک سے لیکر آپ کے رخصت فرمائے جانے کے آخر وقت تک سوائے اُن علیا مکرمہ اور مخدرۂ عظمیٰ کے۔ ازواج مطہرات کے دائرہ میں کسی اور خاتونِ معظمہ کا بھی خاص طور پر کوئی ذکر پایا جاتا ہے۔ اس تقریب کے متعلق جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص بیت الشرف میں جو مراسم بجالائے گئے وہ جناب ام سلمہ ہی کا خاص حُجرہ تھا۔ جناب علی مرتضٰے علیہ السلام نے خدمت رسولؐ میں خواستگاری فاطمہؑ کی جو استدعا پیش کی تھی وہ ام سلمہ ہی کے ذریعہ اور وساطت سے۔ اور جس جگہ اور جس مکان میں اس نسبت کی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی وہ ام سلمہ ہی کا حجرہ تھا۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامان جہیز فاطمہؑ جہاں اور جسکی تحویل میں رکھوایا تھا۔ وہ ام سلمہ ہی تھیں اور انہی کی عصمت سرا۔ اسی طرح عروسی کی تمام خدمات کو باحسن وجوہ انجام دیکر رخصتی کی درخواست بھی علیؑ کی طرف سے لیکر آنحضرت کی خدمت میں ام سلمہ ہی گئی تھیں اور اس وقت

آپ نے اپنے تنہا جانے کو قرینِ مصلحت نہیں سمجھا تھا۔ اس لیے تمام ازواج مطہرات سے پہلے اس امر پر مشورہ لیکر اپنے ہمراہ لے لیا تھا اور جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کے اس معروضہ کو جناب ختمی مرتبت کی خدمت تک پہنچایا تھا جیسا کہ ہم مرقومۂ بالا واقعاتِ تزویج میں کامل تشریح کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص نہایت آسانی اور سہولیت سے ہمارے سابق بیان کردہ دعووں کی تصدیق کرلیگا۔

ہم کو اپنے اسی سلسلۂ بیان میں اسماء بنت عمیس اور سلمٰی طاہرہ کے ساتھ اُن کی خاص خصوصیت اور تعلق کی وجہ بھی لکھ دینا ضروری ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ اور امام ابونصر ہمدانی کی اسناد سے ہم جناب سیدہ کی شب عروسی کے متعلق اسماء بنت عمیس کی خدمتوں کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر رسالۂ خاتونِ جنت کے معاصر مؤلف نے ناسخ التواریخ کے حوالہ سے ان خدمتوں کے متعلق سلمٰی زوجۂ ابو رافع کا (جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانۂ خلافت ظاہری میں بیت المال اسلامی کے خازن تھے) نام لکھا ہے۔

حقیقت یوں ہے کہ ان دونوں خواتین کو جناب سیدہ کے ساتھ خصوصًا اور تمام خاندان اہلبیت کے ساتھ عمومًا جو شرفِ خدمت حاصل تھا وہ تمام کتابوں میں درج ہے۔ اس لیے میری کسی مزید تفصیل و تشریح کا محتاج نہیں۔ اسماء بنت عمیس اُس وقت تک جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔ اور آیندہ حضرات حسنین علیہما السلام کی ولادت کے مبارک اوقات میں قابلہ کی خدمت بجالانے کا خاص شرف حاصل فرماچکی تھیں۔ اسی سے اُنکی خدمت خصوصیت اور حسن عقیدت ظاہر ہے۔ اب رہیں سلمٰی۔ ابو رافع کی بی بی۔ اور ابو رافع کو خاندانِ رسالت سے پرورش پائے جانیکا خاص شرف حاصل تھا۔ ان خصوصیات اور تعلقات کی بنا پر ان دونوں خواتین کے متعلق آپکی خدمتگزاریوں کا واقعہ بالکل صحیح اور بر واقع سمجھا جائیگا مگر تحقیق کرنے کے بعد اس واقعہ کے متعلق سلمٰی کی حاضری اور خدمت زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے کیونکہ

تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جناب سیدہ ؑ نے اپنی مبارک تزویج کے مسرت خیز اور فرحت انگیز موقع پر بھی۔ اُنکے خاص اثر اور جذبات سے ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں میں صرف رضائے الٰہی اور خوشنودی خدا کے حصول کی غرض کے لیئے قطعی طور پر اپنی بے تعلقی اور غیر سروکاری ثابت فرمادی۔ اور خلافِ معمول خلافِ عادت اور خلافِ دستور بتلا دیا اور ثابت فرمادیا کہ برگزیدگانِ دربارِ ایزدی اور پسندیدگان سرکار خداوندی کو ان عارضی اور جلد مٹ جانے والی دنیاوی کیفیت اور حیثیت سے کوئی واسطہ اور دلچسپی نہیں ہوتی۔

اس مضمون کی تشریح کو یہاں تک پہنچا کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم جناب سیدہ ؑ کی تعلیم و تربیت کے متعلق اپنے سابق مضامین میں لکھ آئے ہیں کہ جناب معصومہ ؑ کی تمام خدمتیں آپکے بیاہ ہوجانیکے وقت تک حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کے متعلق رہیں۔ اپنے اس وعدے کے مطابق جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اپنے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ آپکے مرقومۂ بالا حالات و واقعات تزویج کو پڑھکر خود دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ آپکی مزاوجت کی ابتدائی تحریک سے لیکر آپ کے رخصت فرمائے جانے کے آخر وقت تک سوائے اُن علیا مکرمہ اور مخدرۂ عظمٰی کے۔ ازواجِ مطہرات کے دائرہ میں کسی اور خاتونِ معظمہ کا بھی خاص طور پر کوئی ذکر پایا جاتا ہے۔ اس تقریب کے متعلق جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص بیت الشرف میں جو مراسم بجالائے گئے وہ جناب ام سلمہ ہی کا خاص حُجرہ تھا۔ جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام نے خدمتِ رسولؐ میں خواستگاری فاطمہ ؑ کی جو استدعا پیش کی تھی وہ ام سلمہ ہی کے ذریعہ اور وساطت سے۔ اور جس جگہ اور جس مکان میں اس نسبت کی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی وہ ام سلمہ ہی کا حجرہ تھا۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ جہیز فاطمہ ؑ جہاں اور جسکی تحویل میں رکھوایا تھا۔ وہ ام سلمہ ہی تھیں اور انہی کی عصمت سرا۔ اسی طرح عروسی کی تمام خدمات کو باحسن وجوہ انجام دیکر رخصتی کی درخواست بھی علی ؑ کی طرف سے لیکر آنحضرت کی خدمت میں ام سلمہ ہی گئی تھیں اور اس وقت آپ نے اپنے تنہا جانے کو قرینِ مصلحت نہیں سمجھا تھا۔ اس لیے تمام ازواجِ مطہرات سے پہلے اس امر پر مشورہ لیکر اپنے ہمراہ لے لیا تھا اور جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کے اس معروضہ کو جناب ختمی مرتبت کی خدمت تک پہنچایا تھا جیسا کہ ہم مرقومۂ بالا واقعاتِ تزویج میں کامل تشریح کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص نہایت آسانی اور سہولیت سے ہمارے سابق بیان کردہ دعووں کی تصدیق کرلیگا۔

ہم کو اپنے اسی سلسلۂ بیان میں اسماء بنت عمیس اور حضرت طاہرہ ؑ کے ساتھ اُن کی خاص خصوصیت اور تعلق کی وجہ بھی لکھدینا ضروری ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ اور امام ابونصر ہمدانی کی اسناد سے ہم جناب سیدہ ؑ کی شبِ عروسی کے متعلق اسماء بنتِ عمیس کی خدمتوں کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر رسالۂ خاتونِ جنت کے معاصر مؤلف نے ناسخ التواریخ کے حوالہ سے ان خدمتوں کے متعلق سلمےٰ زوجۂ ابو رافع کا (جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانۂ خلافت ظاہری میں بیت المال اسلامی کے خازن تھے) نام لکھا ہے۔

حقیقت یوں ہے کہ ان دونوں خواتین کو جناب سیدہ ؑ کی ساتھ خصوصًا اور تمام خاندانِ اہلبیت کے ساتھ عمومًا جو شرفِ خدمت حاصل تھا وہ تمام کتابوں میں درج ہے۔ اس لیے میری کسی مزید تفصیل و تشریح کا محتاج نہیں۔ اسماء بنتِ عمیس اُس وقت تک جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔ اور آئندہ حضرات حسنین علیہما السلام کی ولادت کے مبارک اوقات میں فاطمہ کی خدمت بجالانے کا خاص شرف حاصل فرماچکی تھیں۔ اسی سے اُنکی خدمت خصوصیت اور حسنِ عقیدت ظاہر ہے۔ اب رہیں سلمےٰ۔ ابو رافع کی بی بی۔ اور ابو رافع کو خاندانِ رسالت سے پرورش پائے جانیکا خاص شرف حاصل تھا۔ ان خصوصیات اور تعلقات کی بنا پر ان دونوں خواتین کے متعلق آپکی خدمتگزاریوں کا واقعہ بالکل صحیح اور بجا واقع سمجھا جائیگا مگر تحقیق کرنے کے بعد اس واقعہ کے متعلق سلمےٰ کی حاضری اور خدمت زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے کیونکہ

کیسے خوشنما، شائستہ اور خوشگوار گزرے ہونگے۔ حقیقت یوں ہے کہ جن کے اخلاق ایسے آراستہ۔ جن کے عادات و اوصاف ایسے اوصاف ہوں جو دنیا میں دوسروں کی تعلیم کے لیے کافی ہوں۔ جن کے اطوار معاشرت۔ محاسن سلوک اور تہذیب ایسی شائستہ ہو جو خاص و عام تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نمونہ سمجھی جاتی ہو جن قدسی نفسوں کے تمام محامد و اوصاف کی تعلیم قدرت کی طرف سے خاص طور پر کی گئی ہو۔ پھر ان کی معاشرت کے پاک و صاف دامن پر سوء اتفاق کا دھبہ کیسے آسکتا ہے۔ یا ان میں سے ایک کو دوسرے کا شاکی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے جناب سیدہ کی وفات کے بعد آپ حضرات کے باہمانہ طرز معاشرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جن الفاظ میں جناب سیدہ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت بیان فرمائے ہیں وہ فریقین کی معتبر اسناد سے ذیل میں ناظرین کتاب ملاحظہ فرمالیں اور انکو میرے مرقومہ بالا دعوے کے ثبوت میں کافی سمجھیں۔

مناقب سبعیات میں امام ابو نصر ہمدانی لکھتے ہیں:-

قال علی کرم اللہ وجہہ فواللہ ما اغضبہا ولا اکرہتہا بعد ذالک علی امر حتی قبضہا اللہ تعالیٰ الیہ ولا اغضبتنی ولا اعصیت لی امرا ولقد کانت تکشف عنی الہموم والاحزان کلما نظرت الیہا رحمۃ اللہ علیہا۔

جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے (استفسار کے جواب میں) ارشاد فرمایا کہ واللہ (فاطمہ کو) میں نے کسی بات میں آزردہ نہیں کیا اور نہ ان سے کبھی کسی ایسی بات کے لیے کہا جسے وہ پسند نہ فرماتی ہوں یہاں تک کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔ اور انہوں نے بھی کبھی مجھ کو آزردہ نہیں کیا اور نہ کبھی میرے حکم کے خلاف کیا۔ اور ہر چند وہ ایسی تھیں کہ جب میں انکو دیکھتا تھا تو میرے تمام رنج و غم دور ہو جاتے تھے۔ خدائے سبحانہ و تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

یہ تو جناب امیر علیہ السلام کی زبانی جناب سیدہ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت معلوم ہوئے۔ اب آپ صدیقہ کبریٰ کی زبانی جناب امیر علیہ السلام کے محامد و اوصاف جن الفاظ میں ادا ہوئے ہیں ان کے معلوم کرنے کے لیے ہم انہی مختصر کلمات کو بار دیگر لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں جن کو ہم اس کتاب میں سبعیات امام ہمدانی کی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

جناب امیر علیہ السلام کے استفسار کے جواب میں جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا یا ابن العم کیف لا ارضی وانت الرضا وفوق الرضا۔ اے میرے چچا کے بیٹے! میں کیونکر تم سے راضی نہ ہوں اس لیے کہ تم تو بالکل میری مرضی کے موافق ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو۔

جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا نے اپنی رضامندی اور جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے اظہار محامد و اوصاف میں یہ دو فقرے ایسے جامع اور معنی خیز ارشاد فرمائے ہیں جو پورے طور سے میرے مدعائے بیان کو ثابت کرتے ہیں۔

احد میں رفاقت نبویؐ کی خدمات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سنہ ۳ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد جنگ احد واقع ہوئی۔ اس قیامت خیز لڑائی میں فوج اسلامی کے چند افسروں نے حصول مال غنیمت کے لالچ میں پڑ کر اور اپنے پہرہ کے مقام کو غیر محفوظ چھوڑ کر اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام پر جو مصیبت عظیم نازل کرائی اور جنود اسلام کو قریب فتح پہنچا کر جیسی شکست دلوائی وہ اسلام کی تمام چھوٹی بڑی تاریخ و سیر کی کتابوں میں درج ہے۔ ان کو دہرانا میرا مقصود نہیں ہے۔ ہم کو تو اس ناگوار واقعہ کی نسبت صرف ان حالات کا لکھنا ضروری ہے جو جناب سیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مصیبت انگیز واقعہ میں باتفاق جمہور مذکور ہے کہ جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیہ نے بھی بنفس نفیس ضرب سنگ کی وجہ سے سخت جراحت اٹھائی تھی جس کے صدمہ سے سامنے کے دو دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ اور روئے مبارک پر بھی سخت چوٹ آئی تھی۔ آپ زمین پر گر کر بیہوش ہو گئے تھے۔

ہم کو اسکے لکھنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ اس خبر وحشت اثر کو سنکر جناب سیدہ کے دل پر کیا اثر پیدا ہوگا۔ اور آپ اس وقت اپنے پدر بزرگوار کے سخت مجروح ہو جانے کا حال سنکر

کیسے خوشنما، شائستہ اور خوشگوار گزرے ہونگے حقیقت یوں ہے کہ جن کے اخلاق ایسے آراستہ جن کے عادات و اوصاف ایسے پاکیزہ اوصاف ہوں جو دنیا میں دوسروں کی تعلیم کے لیے کافی ہوں۔ جن کے اطوار معاشرت، محاسن سلوک اور تہذیب ایسی شائستہ ہو جو خاص و عام تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نمونہ سمجھی جاتی ہو جن قدسی نفسوں کے تمام محامد و اوصاف کی تعلیم قدرت کی طرف سے خاص طور پر کی گئی ہو۔ پھر اُن کی معاشرت کے پاک و صاف دامن پر سوء اتفاقی کا دھبہ کیسے آسکتا ہے۔ یا ان میں سے ایک کو دوسرے کا ناشاکی کیسے کہا جاسکتا ہے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد آپ حضرات کے باہمانہ طرز معاشرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جن الفاظ میں جناب سیدہؑ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت بیان فرمائے ہیں وہ فریقین کی معتبر اسناد سے ذیل میں ناظرین کتاب ملاحظہ فرمالیں اور انکو میرے مرقومۂ بالا دعوے کے ثبوت میں کافی سمجھیں۔ ؎ ؎

کتاب سبعیات میں امام ابونصر ہمدانی لکھتے ہیں:۔

قال علی کرم اللہ وجهه فواللہ ما اغضبها ولا اکرهتها بعد ذالک علی امر حتیٰ قبضها اللہ تعالیٰ الیہ ولا اغضبتنی ولا اغضبت لی امرا ولقد کانت تکشف عنی الهموم و الاحزان کلما نظرت الیها رحمة اللہ علیها۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے (استفسار کے جواب میں) ارشاد فرمایا کہ واللہ (فاطمہؑ کو) میں نے کسی بات میں آزردہ نہیں کیا اور نہ اُن سے کبھی کسی ایسی بات کے لیے کہا جسے وہ پسند نہ فرماتی ہوں یہاں تک کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور انہوں نے بھی کبھی مجھ کو آزردہ نہیں کیا اور نہ کبھی میرے حکم کے خلاف کیا۔ اور ہر آئینہ وہ ایسی تھیں کہ جب میں انکو دیکھتا تھا تو میرے تمام رنج و غم دور ہو جاتے تھے۔ خدائے سبحانہ و تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے۔

یہ تو جناب امیر علیہ السلام کی زبانی جناب سیدہؑ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت معلوم ہوئے۔ اب اُس صدیقۂ کبریٰ کی زبانی جناب امیر علیہ السلام کے محامد و اوصاف جن الفاظ میں ادا ہوئے ہیں اُن کے معلوم کرنے کے لیے ہم اُنہی مختصر کلمات کو بار دیگر لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں جن کو ہم اس کتاب میں سبعیات امام ہمدانی کی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

جناب امیر علیہ السلام کے استفسار کے جواب میں جناب سیدہؑ نے ارشاد فرمایا یا ابن العم کیف لا ارضی وانت الرضا وفوق الرضا۔ اے میرے چچا کے بیٹے! میں کیونکر تم سے راضی نہ ہوں اس لیے کہ تم تو بالکل میری مرضی کے موافق ہو بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہو۔

جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا نے اپنی رضامندی اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے اظہار محامد و اوصاف میں یہ دو فقرے ایسے جامع اور معنی خیز ارشاد فرمائے ہیں جو پورے طور سے میرے مدعائے بیان کو ثابت کرتے ہیں۔

اُحد میں رفاقت نبویؐ کی خدمات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد جنگ احد واقع ہوئی۔ اس قیامت خیز لڑائی میں فوج اسلامی کے چند افسروں نے حصول مال غنیمت کے لالچ میں پڑ کر اور اپنے پہرہ کے مقام کو غیر محفوظ چھوڑ کر اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام پر جو مصیبت عظیم بُلوائی اور جنود اسلام کو قریب فتح پہنچا کر جیسی شکست دلوائی وہ اسلام کی تمام چھوٹی بڑی تاریخ و سیر کی کتابوں میں درج ہے۔ اُن کو دہرانا میرا مقصود نہیں ہے۔ ہم کو تو اُس ناگوار واقعہ کی نسبت صرف اُن حالات کا لکھنا ضروری ہے جو جناب سیدہؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مصیبت انگیز واقعہ میں باتفاق جمہور مذکور ہے کہ جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیہ نے بھی بنفس نفیس ضرب سنگ کی وجہ سے سخت جراحت اُٹھائی تھی جس کے صدمہ سے سامنے کے دو دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ اور روئے مبارک پر بھی سخت چوٹ آئی تھی۔ آپ زمین پر گر کر بیہوش ہوگئے تھے۔

ہم کو اسکے لکھنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ اس خبر وحشت اثر کو سنکر جناب سیدہؑ کے دل پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اور آپ اُس وقت اپنے پدر بزرگوار کے سخت مجروح ہو جانے کا حال سُن کر

...دینے لگے۔

حقیقت میں یہ وہ قیامت خیز وقت تھا اور مصیبت انگیز موقعہ کہ ... کو ملاحظات و امتیاز اپنی اپنی پڑی تھی۔ احد کی رزمگاہ گویا قیامت کی امتحان گاہ تھی مسلمانوں کے لیے وہ بڑا وقت آلگا ... کو اپنی جان بچنے کی امید باقی نہیں تھی۔ اور اسی لیے جو ... تھا وہ اپنی جان لیے بھاگا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں آنحضرت کی تنہائی بیکسی اور مایوسی بیان کے قابل نہیں۔ زخموں سے مجبور اور ایسے مجبور ہو رہے تھے کہ کسی کو پکارنا اور پاس بلانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں جناب امیر اور جناب سیدہ علیہا السلام کا خدمت مبارک میں پہنچ جانا اور آپ کی آرام رسانیوں کے تمام سامان فراہم فرمانا کس قدر آپ کی خوشنودی خاطر اور تسکین و تجمیع کا باعث ہوا ہوگا۔

فی الواقع یہ بھی تائیدِ الٰہی کی ترکیب تھی اور قدرت خداوندی کی تدبیر۔ یہ موقع۔ یہ عالم اور یہ وقت ہی ایسا تھا جس میں سوائے روحی اور قلبی تعلقات رکھنے والے حضرات کے دیگر عام لوگوں سے ایسی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ ان خدمات کے بجالانے کی کوئی امید نہیں کیجاتی تھی۔ ایسے رستخیز اور قیامت انگیز موقع میں جو نفوس کہ ترکیب خلقت اور ترتیب اخلاق و سیرت کے اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے قریب اور یکساں ہوں وہی حضرات ایسی جاں نثاری ایثار نفسی رفاقت اور کامل ہمدردی کا اظہار کر سکتے ہیں اور دوسرے کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ ان زخموں کا جتنا صدمہ۔ تکلیف اور جتنا درد جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ والہ وسلم کو محسوس ہوتا تھا اُتنا ہی درد اور آزار اپنے اُسی تعلق اور تقرب اور توحد فی الذات کے لحاظ سے ان حضرات کے قلب و روح پر محسوس ہوتا تھا کیونکہ یہ وہی علی مرتضےٰ تھے اور وہی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جن کے لیے باتفاق فریقین جناب ختمی مآبؐ ارشاد فرما چکے تھے یا علی لحمک لحمی ودمک دمی ونفسک نفسی اور الفاطمۃ بضعۃ منی وھی قلبی وھی روحی التی بین جنبی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ تعالیٰ (نور الابصار امام شبلنجی مصری) اے علیؑ!

تمہارا گوشت عین میرا گوشت ہے۔ تمہارا خون میرا خون ... اور تمہارا نفس میرا نفس ہے۔ اور فاطمہ میری بضعت ہے وہی میرا قلب ہے۔ وہی میری روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جس نے اسے ایذا دی اُسنے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اُسنے گویا خدا کو ایذا دی۔

بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں جب یہ دونوں مقدس بزرگوار جناب رسالت مآبؐ کی ان خدمات کو من احسن الوجوہ انجام فرما چکے تو جناب حیدر کرار نے اپنی تیغ آبدار ذوالفقار کو جس سے آپ نے تن تنہا مشرکین و کفار کو عموماً اور ایک ایک بنی عبد الدار کو خصوصاً جو فوج کفار کے علمدار بن بنکر یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ مار گرایا تھا جناب سیدہ کے حوالے فرمایا اور ارشاد کیا کہ لو۔ اسے بھی دھو ڈالو۔ اور اُس وقت اپنے حسن خدمات اور جوش شجاعت اور نصرت شہنشاہ رسالت کے جذبات کے اظہار میں یہ اشعار آبدار زبان حقیقت ترجمان سے ارشاد فرمائے۔

افاطم ھاک السیف غیر ذمیم ؎ فلست برعدید ولا بلئیم

اے فاطمہ یہ شمشیر لیلو۔ یہ ناپاک نہیں ہے اور نہ میں بزدل اور نہ کمینہ ہوں

افاطم قد ابلیت فی نصر احمد ؎ ومرضات رب العباد رحیم

اے فاطمہ! فی الحقیقت میں نے صرف رسول خدا کی نصرت اور خدائے رحیم کی خوشنودی کے لیے یہ جنگ کی ہے۔

اریدثواب اللہ لا شئ غیرہ ؎ ورضوانہ فی جنۃ ونعیم

میں اسکا ثواب خدا سے چاہتا ہوں اور کوئی چیز اس کے سوا نہیں۔ اور میں اُس کی خوشنودی بہشت اور اُس کی نعمتوں میں چاہتا ہوں

وکنت امرا اسمو اذا الحرب شمرت ؎ وقامت علی الساق بقیہ علیم

اور میں وہ مرد ہوں کہ جب لڑائی دامن اُٹھالیتی ہے اور استادہ ہو جاتی ہے تو میں بلند ہو جاتا ہوں اُس فعل سے جو قابل ملامت نہیں ہے۔

ھممت ابن الدار حتی ضربتہ ؎ بذی رونق یفری العظام صمیم

میں نے پسر عبد الدار کا ارادہ کیا یہاں تک کہ میں نے اُن کو قتل کیا اپنی اس شمشیر سے جو استخوان کو کاٹتی ہے اور گزر جاتی ہے۔

دینے لگے۔

حقیقت میں یہ وہ قیامت خیز وقت تھا اور مصیبت انگیز موقعہ کہ ہر شخص کو بلا لحاظ امتیاز اپنی اپنی پڑی تھی۔ احد کی رزمگاہ گویا قیامت کی امتحان گاہ تھی مسلمانوں کے لیے وہ بڑا وقت آ لگا تھا کہ کسی کو اپنی جان بچنے کی امید باقی نہیں تھی۔ اور اسی لیے جو شخص تھا وہ اپنی جان لیے بھاگا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں آنحضرت کی تنہائی بیکسی اور مایوسی بیان کے قابل نہیں۔ زخموں سے مجبور اور ایسے مجبور ہو رہے تھے کہ کسی کو پکارنا اور پاس بلانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں جناب امیر اور جناب سیدہ علیہا السلام کا خدمت مبارک میں پہنچ جانا اور آپ کی آرام رسانیوں کے تمام سامان فراہم فرمانا کس قدر آپ کی خوشنودی خاطر اور تسکین و تجمیع کا باعث ہوا ہوگا۔

فی الواقع یہ بھی تائید الٰہی کی ترکیب تھی اور قدرت خداوندی کی تدبیر۔ یہ موقع۔ یہ عالم اور یہ وقت ہی ایسا تھا جس میں کہ روحی اور قلبی تعلقات رکھنے والے حضرات کے دیگر عام لوگوں سے ایسی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ ان خدمات کے بجا لانے کی کوئی امید نہیں کیجاتی تھی۔ ایسے رستخیز اور قیامت انگیز موقع میں جو نفوس کہ ترکیب خلقت اور ترتیب اخلاق و سیرت کے اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے قریب اور یکساں تھے وہی حضرات ایسی جاں نثاری ایثار نفسی رفاقت اور کامل ہمدردی کا اظہار کر سکتے ہیں اور دوسرے کبھی نہیں اور ہر گز نہیں۔ اس لیے کہ ان زخموں کا جتنا صدمہ۔ تکلیف اور جتنا درد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوتا تھا اُتنا ہی درد اور آزار اپنے اُسی تعلق اور تقرب اور توحد فی الذات کے لحاظ سے ان حضرات کے قلب و روح پر محسوس ہوتا تھا کیونکہ یہ وہی علی مرتضےٰ تھے اور وہی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جن کے لیے باتفاق فریقین جناب ختمی مآب ارشاد فرما چکے تھے یا علی لحمک لحمی ودمک دمی ونفسک نفسی اور الفاطمۃ بضعۃ منی وھی قلبی وھی روحی التی بین جنبی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ تعالیٰ (نور الابصار امام شبلنجی مصری) اے علیؑ! تمہارا گوشت عین میرا گوشت ہے۔ تمہارا خون میرا خون ہے اور تمہارا نفس میرا نفس ہے۔ اور فاطمہ میری پارۂ تن ہے وہ میرا قلب ہے۔ وہی میری روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جس نے اسے ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے گویا خدا کو ایذا دی۔

بہر حال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں جب یہ دونوں مقدس بزرگوار جناب رسالت مآبؐ کی ان خدمات کو من احسن الوجوہ انجام فرما چکے تو جناب حیدر کرار نے اپنی تیغ آبدار ذوالفقار کو جس سے آپ نے تن تنہا مشرکین و کفار کو عموماً اور ایک ایک بنی عبد الدار کو خصوصاً جو فوج کفار کے علمدار بن بنکر یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ مار گرایا تھا جناب سیدہ کے حوالے فرمایا اور ارشاد کیا کہ لو۔ اسے بھی دھو ڈالو اور اُس وقت اپنے حسن خدمات اور جوش شجاعت اور نصرت شہنشاہ رسالت کے جذبات کے اظہار میں یہ اشعار آبدار زبان حقیقت ترجمان سے ارشاد فرمائے۔

افاطم ھاک السیف غیر ذمیم ٭ فلست برعدید ولا بلئیم

اے فاطمہ یہ شمشیر لیلو۔ یہ ناپاک نہیں ہے اور نہ میں بزدل اور نہ بدکار ہوں

افاطم قد ابلیت فی نصر احمد ٭ ومرضات رب العباد رحیم

اے فاطمہ! فی الحقیقت میں نے صرف رسول خدا کی نصرت اور خدائے رحیم کی خوشنودی کے لیے یہ جنگ کی ہے۔

ارید ثواب اللہ لا شئ غیرہ ٭ ورضوانہ فی جنۃ ونعیم

میں اسکا ثواب خدا سے چاہتا ہوں اور کوئی چیز اس کے سوا نہیں۔ اور میں اُس کی خوشنودی بہشت اور اُس کی نعمتوں میں چاہتا ہوں

وکنت امرأ اسمو اذا الحرب شمرت ٭ وقامت علی ساق بغیر ملیم

اور میں وہ مرد ہوں کہ جب لڑائی دامن اُٹھالیتی ہے اور استادہ ہو جاتی ہے تو میں بلند ہو جاتا ہوں اُس فعل سے جو قابل ملامت نہیں ہے۔

ھممت ابن الدار حتی ضربتہ ٭ بذی رونق یفری العظام صمیم

میں نے پسر عبد الدار کا ارادہ کیا یہاں تک کہ میں نے اُن کو قتل کیا اپنی اس شمشیر سے جو استخوان کو کاٹتی ہے اور گزر جاتی ہے۔

[illegible] بیٹیوں برابر حضرت حمزہ علیہ السلام
کی قبر پر [illegible] احد پر تشریف لیجایا کرتی تھیں
اور قبر مبارک کی [illegible] اپنے دستِ مبارک سے فرمایا تھیں
اور علامت قبر قائم رہنے کی غرض سے آپنے ایک پتھر بھی
وہاں رکھدیا تھا ۔ اسنی المطالب مطبوعہ کانپور ص ١٩٩۔
مرقومہ بالا واقعہ سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے اُن
روحی اور قلبی تعلقات کی پوری تحقیق ہوجاتی ہی جو آپ کو
اپنے محترم بزرگوار کے ساتھ خدا کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے
تھے ۔ اور جن کو آپ نے اپنی تمام عمر فراموش نفرمایا اور اُنکے اظہار
میں ہمیشہ اپنی خصوصیت اور تقرب کا کامل ثبوت پہنچایا۔

ان واقعات کو لکھکر ہم نے خواتین اہلبیت کے عموماً اور جناب
سیدہؑ کے خصوصاً وہ حالات وجذبات دکھلائے ہیں جو اُنکے
مُردہ عزیزوں کی وفات کے وقت انتہائے غم وملال کی وجہ سے
اُن پر طاری ہوئے تھے ۔ اور جن سے خواتین اہلبیت کی مراسم عزا
آداب تعزیت اور رفعات موتی کی شرائط جو جاری اور قائم
تھیں وہ پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں ۔ اب اسکی مثال
ہم خاندانِ اہلبیت کے سوا دوسرے گھر اور گھروالیوں میں بھی
دکھلاتے ہیں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ خاندانِ نبوت کے
آداب ومعاشرت ۔ تہذیب اور شائستگی کو دیگر گھروں کے
دستور اور رسم ورواج سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا ۔
اور یہی عام وخاص کے امتیاز کا اصلی معیار ثابت ہوتا ہی ۔ امام
عبد البر اپنی کتاب استیعاب میں خالد بن ولید کے تذکرہ میں
لکھتے ہیں :۔

ذکر محمد ابن سلام لم یبق امرءۃ من بنی المغیرۃ الا وضعت
لمتہا علی قبر خالد ابن ولید یقول حلقت راسہا [١٥٨]۔

جب خالد ابن ولید مرگئے تو مغیرہ کی اولاد سے جتنی عورتیں تھیں
سبھوں نے اپنے سر کے بال مُنڈا کر خالد کی قبر پر چڑھائے ۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔ ایک عرب کے قدیم
رہنے والے دو گھروں کے طرز معاشرت ۔ اخلاق اور آداب میں
کتنا فرق ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت اہلبیت علیہم السلام کے
گھر آئی تھی اس لیے اُن کے تمام دینی اور دنیاوی مراسم
اور آداب اُس کے نصاب اور اُسکی حدود کے اندر آگئے تھے ۔
دوسرے گھروں میں یہ بات اور نسبت کہاں ۔

جنگِ احزاب میں رسول اللہ کی خدمت

سنہ ۵ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی ۔ مخالفت اسلام اور عداوت
بانی اسلام علیہ السلام کی سختی اور شدت کے اعتبار سے مشرکین
قریش اور کفار عرب کی گویا یہ آخری کوشش تھی جس میں انہوں
نے اپنی عیاری ۔ جوڑ بندی ۔ بیرونی اور اندرونی سازشیں
شبخون قتل وغارت ۔ غرض اسلام کے اُکھاڑ پھینکنے کی کوئی
ترکیب وتدبیر اُٹھا نہیں رکھی ۔ فوج کی تعداد بھی گویا لاتعداد
تھی ۔ عرب کا رستم دستان عمرو ابن عبد وُد جو تنہا ہزار سواروں
کے برابر شمار کیا جاتا تھا ان کا شریک اور رفیق تھا ۔ اور ایسا
کہ ہر وقت جان دینے پر تیار ۔ موسم سرما بھی ایسا شدید کہ جاڑوں
میں کپکپی پڑی تھی ۔ ملک میں ایسا قحط سخت کہ دانہ دانہ موتیوں
کے مول ہو رہا تھا ۔ اُس پر مخالفین نے رسد رسانی کی تمام
راہیں اور ذریعے بند کر رکھے تھے ۔ اور خاص ایسے وقت میں جب
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فوج مخالف کی کثرت دیکھکر حضرت
سلمان الفارسی علیہ السلام کی صلاح سے چوگرد خندق کھدوا کر
لشکر سمیت قلعہ بند ہو چکے تھے ۔

سیرۃ المحمدیہ میں مولوی شبلی صاحب نے جن الفاظ میں اس
خوفناک منظر کو دکھلایا ہے وہ یہ ہے :۔

قریش ۔ یہود ۔ اور قبائل عرب کی چوبیس [٢٤] ہزار فوجیں تین حصوں
میں تقسیم ہو کر مدینہ کی تینوں اطراف پر اس زور وشور سے حملہ آور
ہوئیں کہ مدینہ کی تمام زمین دہل گئی ۔ اس معرکہ کی تصویر خدا
نے کھینچی ہے :۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

(احزاب) جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آ چڑھے
اور جب آنکھیں ڈگمگا گئیں اور کلیجے منہ میں آ گئے ۔ اور تم خدا
کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

[illegible] علیہا برابر حضرت حمزہ علیہ السلام
کی قبر پر [illegible] احد پر تشریف لیجایا کرتی تھیں
اور قبر مبارک کی مرمت اپنے دستِ مبارک سے فرماتی تھیں
اور علامتِ قبر قائم رہنے کی غرض سے آپنے ایک پتھر بھی
وہاں رکھدیا تھا۔ اسنی المطالب مطبوعہ کانپور ص ۱۹۹۔
مرقومہ بالا واقعہ سے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے اُن
روحی اور قلبی تعلقات کی پوری تحقیق ہوجاتی ہے جو آپ کو
اپنے محترم بزرگوار کے ساتھ خدا کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے
تھے۔ وفات کو آپ نے اپنی تمام عمر فراموش نفرمایا اور اُنکے اظہار
میں ہمیشہ اپنی خصوصیت اور تقرب کا کامل ثبوت پہنچایا۔

ان واقعات کو لکھکر ہم نے خواتینِ اہلبیت کے عموماً اور جنابِ
سیدہؑ کے خصوصاً وہ حالات و جذبات دکھلائے ہیں جو اُنکے
مُردہ عزیزوں کی وفات کے وقت انتہائے غم و ملال کی وجہ سے
اُن پر طاری ہوئے تھے۔ اور جن سے خواتینِ اہلبیت کی مراسمِ عزا
آدابِ تعزیت اور رسمیات موتی کی شرائط جو جاری اور قائم
تھیں وہ پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ اب اسکی مثال
ہم خاندانِ اہلبیت کے سوا دوسرے گھر اور گھر والیوں سے بھی
دکھلاتے ہیں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ خاندانِ نبوت کے
آداب و معاشرت۔ تہذیب اور شائستگی کو دیگر گھروں کے
دستور اور رسم و رواج سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔
اور یہی عام و خاص کے امتیاز کا اصلی معیار ثابت ہوتا ہے۔ امام
عبد البر اپنی کتاب استیعاب میں خالد بن ولید کے تذکرہ میں
لکھتے ہیں:-

ذکر محمد ابن سلام لم یبق امرءۃ من بنی المغیرۃ الا وضعت
لمتها علی قبر خالد ابن ولید یقول حلقت راسها۔

جب خالد ابن ولید مرگئے تو مغیرہ کی اولاد سے جتنی عورتیں تھیں
سبھوں نے اپنے سر کے بال مُنڈا کر خالد کی قبر پر چڑھائے۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ ایک عرب کے قدیم
رہنے والے دو گھروں کے طرزِ معاشرت۔ اخلاق اور آداب میں
کتنا فرق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت اہلبیت علیہم السلام کے
گھر اتری تھی اس لیے اُن کے تمام دینی اور دنیاوی مراسم

اور آداب اُس کے نصاب اور اُسکی حدود کے اندر آ گئے تھے۔
دوسرے گھروں میں یہ بات اور نسبت کہاں۔

جنگِ احزاب میں رسول اللہ کی خدمت

سنہ ۵ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ مخالفتِ اسلام اور عداوتِ
بانیِ اسلام علیہ السلام کی سختی اور شدت کے اعتبار سے مشرکینِ
قریش اور کفارِ عرب کی گویا یہ آخری کوشش تھی جس میں انہوں
نے اپنی عیاری۔ جوڑ بندی۔ بیرونی اور اندرونی سازشیں
شبخون قتل و غارت سے بیخِ اسلام کے اُکھاڑ پھینکنے کی کوئی
ترکیب و تدبیر اُٹھا نہیں رکھی۔ فوج کی تعداد بھی گویا لاتعداد
تھی۔ عرب کا رستمِ دستان عمرو ابن عبد وُد جو تنہا ہزار پہلوانوں
کے برابر شمار کیا جاتا تھا ان کا شریک اور رفیق تھا۔ اور ایسا
کہ ہر وقت جان دینے پر تیار۔ موسم سرما بھی ایسا شدید کہ جاڑوں
میں کپکپی پڑی تھی۔ ملک میں ایسا قحط سخت کہ دانہ دانہ موتیوں
کے مول ہو رہا تھا۔ اُس پر مخالفین نے رسد رسانی کی تمام
راہیں اور ذریعے بند کر رکھے تھے۔ اور خاص ایسے وقت میں جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فوجِ مخالف کی کثرت دیکھکر حضرت
سلمان الفارسی علیہ السلام کی صلاح سے چوگرد خندق کھدوا کر
لشکر سمیت قلعہ بند ہو چکے تھے۔

سیرۃ المحمدیہ میں مولوی شبلی صاحب نے جن الفاظ میں اس
خوفناک منظر کو دکھلایا ہے وہ یہ ہے:-

قریش۔ یہود۔ اور قبائلِ عرب کی ۲۴ چوبیس ہزار فوجیں تین حصوں
میں تقسیم ہوکر مدینہ کی تینوں اطراف پر اس زور و شور سے حملہ آور
ہوئیں کہ مدینہ کی تمام زمین دہل گئی۔ اس معرکہ کی تصویر قرآن
نے کھینچی ہے:-

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا

(احزاب) جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آ چڑھے
اور جب آنکھیں ڈگمگا گئیں اور کلیجے منہ میں آ گئے۔ اور تم خدا
کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

[illegible] اس وقت آپکی تکلیف و
[illegible] کی شدت کا عالم تھا لہٰذا یہ پارۂ نان
حاضر [illegible] لائی ہوں۔ تناول فرمائے جائیں۔
[illegible] میں امام محب الدین شافعی نے حافظ دمشقی کی اسناد کو
[illegible] کو ذیل کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہٰذا
عن علی علیہ السلام قال کنّا مع النبی صلّی اللہ علیہ و
آلہ وسلم فی الخندق اذ جاءتہ فاطمۃ بکسرۃ من خبز
وقالت اخبزت لابنی جئتک منہ ھٰذا الکسرۃ فقال
یا بنیۃ اما انہ لاول طعام دخل فی فم ابیک منذ
ثلاثۃ ایام۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسالت مآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بروز خندق موجود تھا کہ جناب
فاطمہؑ کچھ روٹیوں کے ٹکڑے لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں تشریف
لائیں اور خدمت نبوی میں عرض پیرا ہوئیں کہ میں نے یہ روٹیاں
بچوں کے لیے پکائی تھیں اُن میں سے یہ ٹکڑے آپکی خدمت بابرکت
میں ہدیۃً لائی ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے انہیں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اسے فاطمہؑ! حقیقت میں یہ
پہلا طعام ہے جو تین دن کے بعد تیرے باپ کے منہ میں گیا ہے۔
یہ تھے ان حضرات کے اخلاص و محبت اور باہمانہ قلبی تعلقات
اور یہ تھے جانبین میں خلوص و الفت کے روحی جذبات جنابِ
سیدہ کی حیاتِ مسعودہ آیات کے زمانے میں ان تعلقات اور جذبات
کی ایسی بہت سی مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں جن کو ہم
اُن کے مناسب مقامات پر اپنے آئندہ سلسلۂ بیان میں تحریر
کریں گے۔

ہبۂ فدک جناب سیدہؑ کے نام

سنہ ہجری میں جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کی بے نظیر کوششوں
سے خیبر کا علاقہ فتح ہوا۔ سیرۃ المحمدیہ میں مولوی شبلی صاحب
نعمانی فدک کی تحقیق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں
آباد ہیں۔ اس کو وادی القرٰی کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد و ثمود
یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و ثمود
کے آثارات اب تک باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں
یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت و آب رسانی کو بہت ترقی دی
اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بنگیا۔ معجم البلدان۔ لفظ قرٰی۔

وادی القرٰی فدک

خیبر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی القرٰی کا رُخ کیا لیکن
لڑنا مقصود نہیں تھا۔ مگر یہود پہلے سے
تیار تھے۔ اُنہوں نے فوراً تیراندازی شروع کر دی۔ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محل آپ کے غلام (مدعم) اُتار رہے تھے
کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ عام مؤرخین نے یہود
کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے پوری تصریح
کر دی ہے۔ وقد استقبلتنا یهود بالرمی ولم نکن علی
تعبیۃ یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم
تیار نہ تھے۔
بہرحال۔ جنگ شروع ہوگئی۔ اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد
یہود نے سپر ڈال دی۔ اور خیبر کے موافق صلح ہوگئی۔ سیرۃ المحمدیہ
ص ۳۶۸ باسناد زرقانی۔ بر موطا بحوالہ بیہقی باب الجہاد
ذکر غلول۔
مولوی صاحب نے اپنی کوتاہ قلمی کے قدیم دستور کے مطابق اتنا ہی
لکھکر اراضی فدک کہو۔ یا باغ فدک کے تمام نہالِ امید کو
جڑ ہی سے کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ
اس میں آئندہ بہت سی شاخیں پھوٹیں گی۔ اس لیے آغاز
ہی سے اسکا استیصال اور اسکی قطع و برید ضروری سمجھی گئی۔
حقیقتاً اُنکی مخالفتِ اہلبیت۔ تعصب مذہبی اور خلفا پرستی
کا مقتضا بھی یہی تھا۔
بہرحال۔ مولوی شبلی صاحب کی اس خود غرضانہ تحقیق کی پوری
تنقید یہاں کرنے سے تو ہم بالکل مجبور ہیں۔ اُسکو ہم انشاءاللہ
پوری تفصیل کے ساتھ سیرۃ المصطفویہ میں قلمبند کرینگے مگر
اس مقام پر مولوی نعمانی صاحب کے اس مختار پر جسکو اُنہوں
نے صرف زرقانی اور امام بیہقی کی اسناد پر قائم کیا ہے۔ کچھ
لکھدیا جانا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور انہی کے دیگر علماء و محدثین

[illegible] ۔ اس وقت آپکی تکلیف و
[illegible] کا عالم ٹکریہ پارۂ نان
[illegible] لائیں سلے آئی ہوں۔ تناول فرمائے جائیں۔
[illegible] میں امام شیرازی شافعی نے حافظ دمشقی کی اسناد کر
[illegible] کو ذیل کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہٰذا
[illegible] علیہ السلام قال کنّا مع النبی صلّی اللّٰہ علیہ و
آلہ وسلم فی الخندق اذجائتہ فاطمۃ بکسرۃ من خبز
وقالت اخبرت لابنی جئتک منہ ھٰذا الکسرۃ فقال
یا بنیۃ انھا لاول طعام دخل فی فم ابیک منذ
ثلاثۃ ایام۔

جناب علی مرتضٰے علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بروز خندق موجود تھا کہ جناب فاطمہؑ کچھ روٹیوں کے ٹکڑے لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں تشریف لائیں اور خدمت نبوی میں عرض پیرا ہوئیں کہ میں نے یہ روٹیاں بچوں کے لیے پکائی تھیں اُن میں سے یہ ٹکڑے آپکی خدمت بابرکت میں ہدیہ لائی ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اسے فاطمہؑ! حقیقت میں یہ پہلا طعام ہے جو تین دن کے بعد تیرے باپ کے منہ میں گیا ہے۔

یہ تھے ان حضرات کے اخلاص ومحبت اور باہمانہ قلبی تعلقات اور یہ تھے جانبین میں خلوص و الفت کے روحی جذبات جنابِ سیدہؑ کی حیات ستودہ آیات کے زمانے میں ان تعلقات اور جذبات کی انتہٰی بہت سی ایسی مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں جن کو ہم اُن کے مناسب مقامات پر اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں تحریر کریں گے۔

ہبہ فدک جناب سیدہؑ کے نام

سئہ ہجری میں جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کی بے نظیر کوششوں سے خیبر کا علاقہ فتح ہوا۔ سیرۃ المحدیہ میں مولوی شبلی صاحب نعمانی فدک کی تحقیق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ اُس کو وادی القرٰے کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد وثمود یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد وثمود کے آثارات اب تک باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت وآبرسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بنگیا۔ معجم البلدان۔ لفظ قرٰے۔

وادی القرٰے فدک

خیبر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی القرٰے کا رُخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہیں تھا۔ مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ اُنہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محمل آپ کے غلام (مدعم) اُتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے پوری تصریح کر دی ہے۔ وقد استقبلتنا یھود بالرمی ولم نکن علی تعبیۃ یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم تیار نہ تھے۔

بہرحال۔ جنگ شروع ہوگئی۔ اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈالدی۔ اور خیبر کے موافق صلح ہوگئی۔ سیرۃ المحدیہ ص ۳۶۸ باسناد زرقانی۔ بر موطا بحوالہ بیہقی باب الجہاد۔ ذکر غلول۔

مولوی صاحب نے اپنی کوتاہ قلمی کے قدیم دستور کے مطابق آتنا ہی لکھکر اراضی فدک کہو۔ یا باغِ فدک کے تمام نہالِ امید کو جڑ ہی سے کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ اس میں آیندہ بہت سی شاخیں پھوٹیں گی۔ اس لیے آغاز ہی سے اسکا استیصال اور اسکی قطع وبرید ضروری سمجھی گئی۔ حقیقتاً اُنکی مخالفتِ اہلبیت۔ تعصب مذہبی اور خلفاپرستی کا مقتضا بھی یہی تھا۔

بہرحال۔ مولوی شبلی صاحب کی اس خود غرضانہ تحقیق کی پوری تنقید یہاں کرنے سے تو ہم بالکل مجبور ہیں۔ اُسکو ہم انشاءاللہ پوری تفصیل کے ساتھ سیرۃ المصطفویہ میں قلمبند کرینگے مگر اس مقام پر مولوی نعمانی صاحب کے اس مختار پر جسکو انہوں نے صرف زرقانی اور امام بیہقی کی اسناد پر قائم کیا ہے۔ کچھ لکھدیا جانا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور انہی کے دیگر علماء ومحدثین

نہیں سمجھتے بلکہ عام مسلمانوں کی جائداد اور ملکیت قرار دیتے ہیں۔ ع
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اب کہیے کس کو سچا مانا جائے اور
کس کو جھوٹا۔ ایک طرف اہلسنت کے صدیقِ اکبر ہیں اور ایک طرف
ثانی امام اعظم۔ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم کہیں دونوں جھوٹے۔ مگر
تاہم صدیقِ اعظم نے اس واقعہ کو خالصۂ رسول بتلانے تک تو
ضرور سچ کہا مگر ثانی امام اعظم نے تو آغازِ واقعہ ہی سے سچ بولنے کی
قسم کھالی اور جھوٹ بولنے پر حلف اٹھالیا۔

اب سنیے بیہقی کی تقلید زرقانی نے کی اور زرقانی کی شبلی نعمانی نے۔
زرقانی کی عبارت اس وقت میرے پیشِ نظر نہیں ہے مگر نعمانی
صاحب کی انوکھی اور دلچسپ تحریر البتہ میرے سامنے موجود ہے۔
جس میں اول مقام پر لکھتے ہیں کہ "یہود تیار نہ تھے" پھر لکھتے
ہیں کہ "تیر بھی چلائے اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
کے ایک خادم کو مار بھی ڈالا"۔ پھر اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ
"لیکن عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا"۔ باوجود
اتنی مختلف آراء کے پھر بھی مولوی صاحب امام بیہقی کی روایت
احاد اور اضافتِ فوائد پر پورا اعتماد کرکے مقابلہ اور مقاتلہ
سب کچھ لکھ مارتے ہیں۔ سند میں بیہقی کی عبارت جو پیش کیجاتی
ہے وہ بالکل دُم بُریدہ۔ نہ رُواۃ کا پتہ ہے نہ رجال کا نشان اور
سلسلہ۔ اگر سلسلۂ رجال کی نقل سے کتاب کی اصل عبارت اور اسکی
سلاست میں فرق آتا تھا تو فٹ نوٹ میں علیحدہ اُس کی تفصیل
کردی گئی ہوتی۔

غرض کچھ بھی نہیں ہوا۔ صرف بیہقی کے ایک قول منفرد پر اس قدر
اعتبار کیا گیا کہ تمام تاریخوں کا اتفاق۔ تمام سیرتوں کا اختیار دفترِ
پارینہ سمجھکر دھو دیا گیا۔ نعمانی صاحب کو بیہقی کی تصدیق و
تحقیق کے لیے اب نہ اس وقت صحیحین کھولنے کی ضرورت ہے اور
نہ ابنِ حجر کی صواعقِ محرقہ اور فتح الباری دیکھنے کی احتیاج۔
نہ طبری کی اسناد سے اس کو ملا لینے کی حاجت باقی ہے اور نہ سیرتِ
ابنِ ہشام اور ابی اسحاق سے ملا لینے کا موقع۔

اُن کے قدیم دستور کے خلاف شمس العلماء صاحب پر اس وقت
ایک خاص اضطرابی کیفیت طاری معلوم ہوتی ہے جو اُن کو
اس مسئلہ کی تنقیح و تحقیق میں اطمینان اور ایمان سے کام لینے کی
کسی طرح اجازت نہیں دیتی ہے۔ انکی وہ اضطرابی کیفیت اور
ناقابلِ برداشت ضرورت کیا ہے۔ وہی حقوقِ اہلبیت کا پامال
کرنا۔ اُن کے فضائل و مراتب کا مستاصل کرنا۔ اُن کو چھپانا۔
اور جس طرح سے ہوسکے اُس کو حتی المقدور صفحۂ ہستی سے مٹانا اور
خاک میں ملانا۔

مولوی صاحب ہیں تو محقق۔ اس میں کلام نہیں۔ دیکھتے دیکھتے
اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے بیہقی کی مندرجہ عبارت پر نظر جا پڑی۔
اُس پر زرقانی کی شرح نے اور سونے میں سُہاگے کا کام دیدیا۔
اب کیا تھا۔ اُس میں یہودیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کا تھوڑا
بہت حال لکھ بھی دیا تھا۔ انکے مطلب کے لیے کافی ہوگیا۔
اور انہوں نے بھی اپنی گوں کی بات پاکر اسکی اسناد احاد پر پورا
اعتماد کرکے وادی القریٰ کے ساتھ فدک کو بھی محصولۃ المسلمین
قرار دیدیا۔ غریب فاطمہؑ اور اُن کے معصوم بچے (سلام اللہ
علیہم) تو کیسے۔ پہلے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی
حقیت اُڑادی ہے۔

تو کار زمیں را نکو ساختی ؛ کہ بر آسمان نیز پرداختی ست

ہم شمس العلماء نعمانی کی اس خود غرضانہ اور محض متعصبانہ احتیاطا
اور مختارات کی نسبت سوائے اسکے اور کیا کہیں "اللہ کرے"
اور بھی توفیق زیادہ۔

اس مضمون کی تشریح کے متعلق ہمکو ایک امر کی تنقیح نہایت ضروری
ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص ان تمام مباحث کو پڑھکر اپنی یہ رائے
قائم کرسکتا ہے کہ نعمانی صاحب نے اس میں فدک کا تو کہیں
حال لکھا ہی نہیں۔ پھر اُن پر بے ناکردہ الزام کیسے۔ وہ تو وادی القریٰ
کا حال لکھتے ہیں اور اُس میں علی اختلاف الروایات کہا جاسکتا
ہے کہ لڑائی ہوئی بھی اور نہیں بھی ہوئی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ مولوی صاحب کا معیارِ تالیف
ہمیشہ سے خصوصاً اہلبیت علیہم السلام کے متعلق حقیقی اور
اصلی واقعات کا چھپانا۔ اُن کے کھلے اور پاک اوصاف مضامین
کو مشتبہ اور مبہم بنادینا۔ یا کم سے کم اُن کو دوسرے واقعات اور
حالات کے ساتھ ایسا پیچیدہ اور پوشیدہ کردینا ہے کہ نہ دیکھنے والا
دیکھے اور نہ سمجھنے والا سمجھے۔ وہی قدیم دستور یہاں بھی قائم

نہیں سمجھتے بلکہ عام مسلمانوں کی جائداد اور ملکیت قرار دیتے ہیں۔ ع
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اب کہیے کس کو سچا مانا جائے اور
کس کو جھوٹا۔ ایک طرف اہلسنت کے صدیق اکبر ہیں اور ایک طرف
ثانی امام اعظم۔ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم کہیں دونوں جھوٹے۔ مگر
تاہم صدیق اعظم نے اس واقعہ کو خالصۂ رسولؐ بتلانے تک تو
ضرور سچ کہا مگر ثانی امام اعظم نے تو آغاز واقعہ ہی سے سچ بولنے کی
قسم کھالی اور جھوٹ بولنے پر حلف اُٹھالیا۔

اب سنیے بیہقی کی تقلید زرقانی نے کی اور زرقانی کی شبلی نعمانی نے۔
زرقانی کی عبارت اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے مگر نعمانی
صاحب کی انوکھی اور دلچسپ تحریر البتہ میرے سامنے موجود ہے۔
جس میں اول مقام پر لکھتے ہیں کہ "یہود تیار نہ تھے"۔ پھر لکھتے
ہیں کہ "تیر بھی چلائے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ایک خادم کو مار بھی ڈالا"۔ پھر اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ
"لیکن عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا"۔ باوجود
اتنی مختلف آراء کے پھر بھی مولوی صاحب امام بیہقی کی روایت
احاد اور اضافت فوائد پر پورا اعتماد کرکے مقابلہ اور مقاتلہ
سب کچھ لکھ مارتے ہیں۔ سند میں بیہقی کی عبارت جو پیش کیجاتی
ہے وہ بالکل دُم بریدہ۔ نہ رُواۃ کا پتہ ہے نہ رجال کا نشان اور
سلسلہ۔ اگر سلسلۂ رجال کی نقل سے کتاب کی اصل عبارت اور اسکی
سلاست میں فرق آتا تھا تو فُٹ نوٹ میں علیحدہ اُسی کی تفصیل
کردی گئی ہوتی۔

غرض کچھ بھی نہیں ہوا۔ صرف بیہقی کے ایک قول منفرد پر اس قدر
اعتبار کیا گیا کہ تمام تاریخوں کا اتفاق۔ تمام سیرتوں کا اختیار دفتر
پارینہ سمجھکر دھو دیا گیا۔ نعمانی صاحب کو بیہقی کی تصدیق و
تحقیق کے لیے اب نہ اس وقت صحیحین کھولنے کی ضرورت ہے اور
نہ ابن حجر کی صواعق محرقہ اور فتح الباری دیکھنے کی احتیاج۔
نہ طبری کی اسناد سے اس کو ملالینے کی حاجت باقی ہے اور نہ سیرۃ
ابن ہشام اور ابی اسحاق سے ملالینے کا موقع۔

اُن کے قدیم دستور کے خلاف شمس العلماء صاحب پر اس وقت
ایک خاص اضطرابی کیفیت طاری معلوم ہوتی ہے جو اُن کو
اس مسئلہ کی تنقیح و تحقیق میں اطمینان اور ایمان سے کام لینے کی
کسی طرح اجازت نہیں دیتی ہے۔ انکی وہ اضطرابی کیفیت اور
ناقابل برداشت ضرورت کیا ہے۔ وہی حقوق اہلبیتؑ کا پامال
کرنا۔ اُن کے فضائل و مراتب کا استیصال کرنا۔ اُن کو چھپانا۔
اور جس طرح سے ہو سکے اُس کو حتی المقدور صفحۂ ہستی سے مٹانا اور
خاک میں ملانا۔

مولوی صاحب ہیں تو محقق۔ اس میں کلام نہیں۔ دیکھتے دیکھتے
اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے بیہقی کی مندرجہ عبارت پر نظر جا پڑی۔
اُسپر زرقانی کی شرح نے اور سونے میں سہاگے کا کام دیدیا۔
اب کیا تھا۔ اُس میں یہودیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کا تھوڑا
بہت حال لکھ بھی دیا تھا۔ انکے مطلب کے لیے کافی ہو گیا۔
اور انہوں نے بھی اپنی گوں کی بات پاکر اسکی اسناد احاد پر پورا
اعتماد کرکے وادی القریٰ کے ساتھ فدک کو بھی محصولۃ المسلمین
قرار دیدیا۔ غریب فاطمہؑ اور اُن کے معصوم بچے (سلام اللہ
علیہم) تو پیچھے۔ پہلے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی
حقیت اُڑادی سے ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی ٭ کہ بر آسماں نیز پرداختی

ہم شمس العلماء نعمانی کی اس خودغرضانہ اور محض تعصبانہ اختا
اور مختارات کی نسبت سوائے اسکے اور کیا کہیں شرم اللہ کرے
اور بھی توفیق زیادہ۔

اس مضمون کی تشریح کے متعلق ہمکو ایک امر کی تنقیح نہایت ضروری
ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص ان تمام مباحث کو پڑھکر اپنی یہ رائے
قائم کر سکتا ہے کہ نعمانی صاحب نے اس میں فدک کا تو کہیں
حال لکھا ہی نہیں۔ پھر اُن پر بیناکردہ الزام کیسے۔ وہ تو وادی القریٰ
کا حال لکھتے ہیں اور اُس میں علٰے اختلاف الروایات کہا جا سکتا
ہے کہ لڑائی ہوئی بھی اور نہیں بھی ہوئی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ مولوی صاحب کا معیار تالیف
ہمیشہ سے خصوصاً اہلبیت علیہم السلام کے متعلق حقیقی اور
اصلی واقعات کا چھپانا۔ اُن کے کھلے اور پاک اوصاف مضامین
کو مشتبہ اور مبہم بنا دینا۔ یا کم سے کم اُن کو دوسرے واقعات اور
حالات کے ساتھ ایسا پیچیدہ اور پوشیدہ کر دینا ہے کہ نہ دیکھنے والا
دیکھے اور نہ سمجھنے والا سمجھے۔ وہی قدیم دستور یہاں بھی قائم

ہوتا الی۔ اتنا [illegible] کہ [illegible] وادی القریٰ۔ فدک اور تیما جن بستیوں کے
سا[illegible] [illegible] ان کے پورے نشانات اور باشندوں
کے حالات کو پوری تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ امام
[illegible] خلاصۃ الوفا فی تاریخ دار المصطفےٰ میں فدک کے
[illegible] تحریر فرماتے ہیں۔

فدک بفتح فا و دال مہملہ۔ دو روز راہ است از مدینہ۔ وقلعۂ آں را
شمروخ نامند۔ اہل فدک یہود بودند۔ چوں خیبر فتح شد اہل آں
(فدک) اماں طلبیدند بشرط آنکہ نصف آں را بایشاں پیغامبر
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بگزارد۔ پس نیم املاک خاصۂ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت۔ و در وجہ تسمیہ گفتہ اند کہ اول
کسے کہ آنجا نزول کرد فدک ابن حام بود۔ پس بنام او مسمے شد۔
امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تمام
اصحاب مغازی نے فدک کا آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آنیکا قصہ
بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہوگیا
تو اُن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام
بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور
ابو داؤد نے سنن میں زہری سے روایت کی ہے کہ خیبر کے کچھ
باقی لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور
ہمیں چلے جانے کی اجازت دیدیجیے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس کو
اہل فدک نے سُنا اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور ابو داؤد نے
ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
بقیہ اہل خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی اثنار میں فدک والوں
سے اور چند بستی گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔

ابو داؤد کی آخر روایت سے تو یہاں تک ثابت ہوگیا کہ فدک پر کیا
منحصر ہے اور بھی ملے ہوئے گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔ تو ان
متواتر اسناد کے مقابلہ میں مولوی شبلی کی صرف بیہقی کے تنہا اتباع
پر یہ مختار قائم کر لینا کہ وادی القریٰ میں لڑائی ہوئی اور وادی القریٰ
اور فدک چونکہ ایک اراضی اور رقبہ میں تھے اس لیے جو معاملات
یہاں پیش آئے وہی وہاں بھی سمجھے جائیں گے۔ کیسے کسی سمجھ والے
کی سمجھ میں آئیگا اور کیسے قابل اعتبار سمجھا جائیگا۔

مندرجۂ بالا اسناد کو بالخصوص دیگر تفصیلات میں پیش کرکے اب ہم
محدث شیرازی کی تحقیق ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو انہوں نے
اپنی مشہور و معروف کتاب روضۃ الاحباب میں وادی القریٰ،
فدک اور تیما کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

اہل سیر رحمہم اللہ تعالے آوردہ اند کہ چوں رسول خدا صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم در حوالی خیبر آمد محیصہ ابن مسعود حارثی را
بفدک فرستاد تا اہل آں جا را باسلام دعوت نمود و تخویف کرد
کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنگ شما ہم خواہد آمد۔ چنانچہ
بجنگ خیبریاں رفتہ است۔ ایشاں گفتند کہ عامر و یاسر و حارث
و سید یہود۔ مرحب در نطاۃ ساکن اند و دہ ہزار مقاتل دارند۔
گمان نمی برم کہ محمد با ایشاں مقاومت تواند کرد محیصہ یک روز
دو روز با ایشاں توقف نمود۔ چوں ایشاں سر صلح و صلاح نداشتند
خواست کہ باز گردد گفتند کہ صبر کن تا با اکابر خویش مشورت
می نمائیم و جمعے ہمراہ تو بنزد محمد بفرستیم تا صلح قرار دہند۔ در ایں
اثنا خبر قتل اہل حصن ناعم بایشاں رسید خوف عظیم در دل
اہل فدک افتاد گفتند اے محیصہ ایں سخن را کہ با تو گفتیم مستور
دار و با کسے مگو تا ترا چندیں زر دہیم محیصہ گفت نتوانم کہ از
رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنہاں دارم۔ آمد کیفیت واقعہ
را بعرض حضرت رسانید۔ آنگاہ آں جماعت مردے از رؤسائے
قریش با طائفۂ از یہود فدک بنزد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
فرستادند تا امر صلح استحکام پذیرد و بعد از گفتگوئے بسیار برآں
قرار دادند کہ نصف زمین فدک بر رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
بدہند و نصفے از ایشاں باشد۔ حضرت بر آں راضی شدند۔

یہ تو فدک کے خاص حالات تھے۔ اس کے طے ہو جانے کے بعد
اہل بیان وادی القریٰ کے معاملات لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا
ہے کہ واقعۂ خیبر کے بعد پہلے فدک کے معاملات کا تصفیہ ہوا۔
جیسا کہ جمہور کا متفقہ مختار ہے۔ فدک کے تصفیہ کے بعد وادی القریٰ
کے واقعات پیش ہوئے۔ وادی القریٰ کی نسبت وہ لکھتے ہیں۔

چوں اہل وادی القریٰ از آمدن آنحضرت وقوف یافتند از برائے
جنگ آمادہ گشتند و بجنگ بیروں آمدند۔ حضرت صف اصحاب
را برائے قتال آراستہ گردانید و لوائے خود را بسعد ابن عبادہ

[illegible] وادی القرٰی۔ فدک اور تیما جن بستیوں کے
ساتھ [illegible] انکے پورے نشانات اور باشندوں
کے حالات کو پوری تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ امام
[illegible] خلاصۃ الوفا فی تاریخ دار المصطفٰے میں فدک کے
[illegible] تحریر فرماتے ہیں۔

فدک بفتح فا و دال مہملہ۔ دو روز راہ است از مدینہ۔ قلعۂ آن را شمروخ نامند۔ اہلِ فدک یہود بودند۔ چوں خیبر فتح شد اہلِ آں (فدک) اماں طلبیدند بشرط آنکہ نصف آں را با ایشاں پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بگزارد۔ پس نیم آں ملک خاصۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت۔ و در وجہ تسمیہ گفتہ اند کہ اول کسے کہ آنجا نزول کرد فدک ابن حام بود۔ پس بنام او مسمے شد۔

امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تمام اصحاب مغازی نے فدک کو آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آنیکا یہ قصہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہوگیا تو اُن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ابوداؤد نے سنن میں زہری سے روایت کی ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور ہمیں چلے جانے کی اجازت دیدیجیے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس کو اہلِ فدک نے سُنا اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیہ اہلِ خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی اثنار میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔

ابوداؤد کی آخر روایت سے تو یہاں تک ثابت ہوگیا کہ فدک پر کیا منحصر ہے اور بھی ملے ہوئے گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔ تو ان متواتر اسناد کے مقابلہ میں مولوی شبلی کی صرف بیہقی کے تنہا اتباع پر یہ مختار قائم کر لینا کہ وادی القرٰی میں لڑائی ہوئی اور وادی القرٰی اور فدک چونکہ ایک اراضی اور رقبہ میں تھے اس لیے جو معاملات یہاں پیش آئے وہی وہاں بھی سمجھے جائیں گے۔ کیسے کسی سمجھدار کی سمجھ میں آئیگا اور کیسے قابل اعتبار سمجھا جائیگا۔

مندرجۂ بالا اسناد کو بغرض مزید تفصیل ہم پیش کرکے ابہم محدث شیرازی کی تحقیق ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو اُنہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب روضۃ الاحباب میں وادی القرٰے فدک اور تیما کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

اہلِ سیر رحمہم اللہ تعالےٰ آوردہ اند کہ چوں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم در حوالی خیبر آمد محیصہ ابن مسعود حارثی را بفدک فرستاد تا اہلِ آں جا را باسلام دعوت نمود و تخویف کرد کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنگ شما ہم خواہد آمد۔ چنانچہ بجنگِ خیبریاں رفتہ است۔ ایشاں گفتند کہ عامر و یاسر و حارث و سید یہود۔ مرحب در نطاۃ ساکن اند و دہ ہزار مقاتل دارند۔ گمان نمی بریم کہ محمدؐ با ایشاں مقاومت تواند کرد۔ محیصہ یک دو روز در دیارِ ایشاں توقف نمود۔ چوں ایشاں سرِ صلح و صلاح ندا شتند خواست کہ باز گردد۔ گفتند کہ صبر کن تا باکابرِ خویش مشورت می نمایم و جمعے ہمراہِ تو بنزدِ محمد بفرستیم تا صلح قرار دہند۔ درایں اثنا، خبرِ قتلِ اہلِ حصن ناعم بایشاں رسید۔ خوفِ عظیم در دلِ اہلِ فدک افتاد۔ گفتند اے محیصہ ایں سخن را کہ با تو گفتیم مستور دار و باکس مگو تا ترا چندیں زر دہیم۔ محیصہ گفت نتوانم کہ از رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنہاں دارم۔ آمد و کیفیتِ واقعہ را بعرض حضرت رسانید۔ آنگاہ آں جماعت مردے از رؤسائے قریش با طائفۂ از یہودِ فدک بنزدِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرستادند تا امرِ صلح استحکام پذیرد و بعد از گفتگوئے بسیار بر آں قرار دادند کہ نصف زمینِ فدک بر رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدہند و نصفے از ایشاں باشد۔ حضرت بر ایں راضی شدند۔

یہ تو فدک کے خاص حالات تھے۔ اس کے طے ہو جانے کے بعد اہالیانِ وادی القرٰے کے معاملات لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ خیبر کے بعد پہلے فدک کے معاملات کا تصفیہ ہوا۔ جیسا کہ جمہور کا متفقہ مختار ہے۔ فدک کے تصفیہ کے بعد وادی القرٰی کے واقعات پیش ہوئے۔ وادی القرٰے کی نسبت وہ لکھتے ہیں۔

چوں اہلِ وادی القرٰے از آمدنِ آنحضرت وقوف یافتند از برائے جنگ آمادہ گشتند و بجنگ بیروں آمدند۔ حضرتؐ صفِ اصحاب را برائے قتال آراستہ گردانید و لوائے خود را بسعد ابن عبادہ

یہودا آباد۔ انتہا اختصار کے ساتھ وادی القرےٰ۔ فدک اور تیما جن بستیوں کے ساتھ ۔۔۔ تھے ان کے پورے نشانات اور باشندوں کے حالات کی پوری تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ امام ۔۔۔ خلاصۃ الوفا فی تاریخ دار المصطفےٰ میں فدک کے ۔۔۔ میں تحریر فرماتے ہیں۔

فدک بفتح فا و دال مہملہ۔ دو روزہ راہ است از مدینہ۔ قلعۂ آنرا شمروخ نامند۔ اہلِ فدک یہود بودند۔ چوں خیبر فتح شد اہلِ آں (فدک) امان طلبیدند بشرط آنکہ نصفِ آں را بایشاں پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بگزارد۔ پس نیم املاک خاصۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت۔ و در وجہ تسمیہ گفتہ اند کہ اول کسے کہ آنجا نزول کرد فدک ابن حام بود۔ پس بنام او مسمیٰ شد۔

امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تمام اصحاب مغازی نے فدک کے آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آنیکا قصہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہوگیا تو اُن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ابوداؤد نے سنن میں زہری سے روایت کی ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور ہمیں چلے جانے کی اجازت دیدیجیے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس کو اہلِ فدک نے سُنا اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیہ اہلِ خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔

ابوداؤد کی آخر روایت سے تو یہاں تک ثابت ہوگیا کہ فدک پر کیا منحصر ہے اور بھی ملے ہوئے گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔ تو ان متواتر اسناد کے مقابلہ میں مولوی شبلی کی صرف بیہقی کے تنہا اعتبار پر یہ مختار قائم کر لینا کہ وادی القرےٰ میں لڑائی ہوئی اور وادی القریٰ اور فدک چونکہ ایک اراضی اور رقبہ میں تھے اس لیے جو معاملات یہاں پیش آئے وہی وہاں بھی سمجھے جائیں گے۔ کیسے کسی سمجھدار کی سمجھ میں آئیگا اور کیسے قابلِ اعتبار سمجھا جائیگا۔

مندرجۂ بالا اسناد کو بغرض مزید تصدیق ہم پیش کرکے اب ہم محدث شیرازی کی تحقیق ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب روضۃ الاحباب میں وادی القرےٰ۔ فدک اور تیما کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

اہلِ سیر رحمہم اللہ تعالےٰ آوردہ اند کہ چوں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم در حوالی خیبر آمد محیصہ ابن مسعود حارثی را بفدک فرستاد تا اہلِ آں جا را باسلام دعوت نمودہ تخویف کرد کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنگ شما ہم خواہد آمد۔ چنانچہ بجنگِ خیبریاں رفتہ است۔ ایشاں گفتند کہ عامر و یاسر و حارث و سید یہود۔ مرحب در نطاۃ ساکن اند و دہ ہزار مقاتل دارند۔ گمان نمی بریم کہ محمدؐ با ایشاں مقاومت تواند کرد محیصہ یک دو روز در دیارِ ایشاں توقف نمود۔ چوں ایشاں سرِ صلح و صلاح نداشتہ خواست کہ باز گردد گفتند کہ صبر کن تا با اکابرِ خویش مشورت می نمائیم و جمعے ہمراہِ تو بنزدِ محمد بفرستیم تا صلح قرار دہند۔ درایں اثنا خبرِ قتلِ اہلِ حصن ناعم بایشاں رسید خوفِ عظیم در دلِ اہلِ فدک افتاد گفتند اے محیصہ ایں سخن را کہ با تو گفتیم مستور دار و باکس مگو تا ترا چندیں زر دہیم محیصہ گفت نتوانم کہ از رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنہاں دارم۔ آمد و کیفیتِ واقعہ را بعرض حضرت رسانید۔ آنگاہ آں جماعت مردے از رؤسائے قریش با طائفۂ از یہودِ فدک بنزدِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرستادند تا امرِ صلح استحکام پذیرد و بعد از گفتگوئے بسیار برآں قرار دادند کہ نصفِ زمینِ فدک برسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدہند و نصفے از ایشاں باشد حضرت براین راضی شدند۔

یہ تو فدک کے خاص حالات تھے۔ اس کے طے ہو جانے کے بعد اہالیانِ وادی القرےٰ کے معاملات لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعۂ خیبر کے بعد پہلے فدک کے معاملات کا تصفیہ ہوا۔ جیسا کہ جمہور کا متفقہ مختار ہے۔ فدک کے تصفیہ کے بعد وادی القریٰ کے واقعات پیش ہوئے۔ وادی القرےٰ کی نسبت وہ لکھتے ہیں۔

چوں اہلِ وادی القرےٰ از آمدنِ آنحضرت وقوف یافتند از برائے جنگ آمادہ گشتند و بجنگ بیروں آمدند حضرت صفِ اصحاب را برائے قتال آراستہ گردانید و لوائے خود را بسعد ابنِ عبادہ

بعد ازاں - انہی انسکر کے ہمراہ وادی القریٰ - فدک اور تیما جن بستیوں کے ساتھ - جو متعلقات خیبر شمار ہوتی تھیں پورے نشانات اور باشندوں کے حالات کے پوری تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ امام سمہودی ہجری خلاصۃ الوفا فی تاریخ دار المصطفےٰ میں فدک کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں۔

فدک بفتح فا و دال مہملہ - دو روز راہ است از مدینہ - وقلعۂ آں را شمروخ نامند - اہلِ فدک یہود بودند - چوں خیبر فتح شد اہلِ آں (فدک) اماں طلبیدند بشرط آنکہ نصف آں را با ایشاں پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بگزارد - پس نیم املاک خاصۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت - و در وجہ تسمیہ گفتہ اند کہ اول کسے کہ آنجا نزول کرد فدک ابن حام بود - پس بنام او مسمے شد -
امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تمام اصحاب معازی نے فدک کو آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آنیکا قصہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہوگیا تو اُن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے - اور ابوداؤد نے سنن میں زہری سے روایت کی ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے - اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور ہمیں چلے جانے کی اجازت دیدیجیے - آپ نے ایسا ہی کیا - اس کو اہل فدک نے سُنا اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا - اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیہ اہلِ خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں والوں سے صلح ہوگئی -
ابوداؤد کی آخر روایت سے تو یہاں تک ثابت ہوگیا کہ فدک پر کیا منحصر ہے اور بھی ملے ہوئے گاؤں والوں سے صلح ہوگئی - تو ان متواتر اسناد کے مقابلہ میں مولوی شبلی کی صرف بیہقی کے تنہا اتباع پر یہ مختار قائم کر لینا کہ وادی القریٰ میں لڑائی ہوئی اور وادی القریٰ اور فدک چونکہ ایک اراضی اور رقبہ میں تھے اس لیے جو معاملات یہاں پیش آئے وہی وہاں بھی سمجھے جائیں گے - کیسے کسی سمجھدار کی سمجھ میں آئیگا اور کیسے قابلِ اعتبار سمجھا جائیگا -

مندرجۂ بالا اسناد کو بغرض مزید تفصیل ہم پیش کرتے کہ اسکے بعد محدث شیرازی کی تحقیق ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو اُنہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب روضۃ الاحباب میں وادی القریٰ - فدک اور تیما کے متعلق تحریر فرمایا ہے -

اہلِ سیر رحمہم اللہ تعالےٰ آوردہ اند کہ چوں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم در حوالیِ خیبر آمد محیصہ ابن مسعود حارثی را بفدک فرستاد تا اہلِ آں جا را باسلام دعوت نمود و تخویف کرد کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنگ شما ہم خواہد آمد - چنانچہ بجنگِ خیبریاں رفتہ است - ایشاں گفتند کہ عامر و یاسر و حارث و سید یہود - مرحب در نطاۃ ساکن اند و دہ ہزار مقاتل دارند - گماں نمی بریم کہ محمدؐ با ایشاں مقاومت تواند کرد محیصہ یک دو روز در دیارِ ایشاں توقف نمود - چوں ایشاں سرِ صلح و صلاح نداشتند خواست کہ باز گردد - گفتند کہ صبر کن تا با اکابر خویش مشورت می نمائیم و جمعے ہمراہِ تو بنزد محمد بفرستیم تا صلح قرار دہند - درایں اثنا خبرِ قتلِ اہلِ حصن ناعم بایشاں رسید - خوفِ عظیم در دلِ اہلِ فدک افتاد گفتند اے محیصہ ایں سخن را کہ با تو گفتیم مستور دار و با کس مگو تا ترا چندیں زر دہیم - محیصہ گفت نتوانم کہ از رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنہاں دارم - آمد و کیفیتِ واقعہ را بعرض حضرت رسانید - آنگاہ آں جماعت مردے از رؤسائے قریش با طائفۂ از یہودِ فدک بنزد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرستادند تا امرِ صلح استحکام پذیرد و بعد از گفتگوئے بسیار بر آں قرار دادند کہ نصف زمینِ فدک برسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدہند و نصفے از ایشاں باشد - حضرت بر ایں راضی شدند -
یہ تو فدک کے خاص حالات تھے - اس کے طے ہوجانے کے بعد اہالیانِ وادی القریٰ کے معاملات لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعۂ خیبر کے بعد پہلے فدک کے معاملات کا تصفیہ ہوا - جیسا کہ جمہور کا متفقہ مختار ہے - فدک کے تصفیہ کے بعد وادی القریٰ کے واقعات پیش ہوئے - وادی القریٰ کی نسبت وہ لکھتے ہیں -
چوں اہلِ وادی القریٰ از آمدنِ آنحضرت وقوف یافتند از برائے جنگ آمادہ گشتند و بجنگ بیروں آمدند - حضرت صفِ اصحاب را برائے قتال آراستہ گردانید و لوائے خود را بسعد ابنِ عبادہ

(رسو)لِ نعمت الٰہی میں شریک تھیں ۔ صحیحین مسلم و ترمذی میں (اس آیت) کی شانِ نزول کے متعلق تحریر ہے :-

عن ام سلمة قالت انّ هذه الاية نزلت فی بيتی انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس ويطهركم تطهيرا وانا جالسة عند الباب وفی البيت رسول الله صلّی الله عليه واٰله وسلم وعلی وفاطمة وحسن وحسين فجللهم بكساء و قال اللهم هؤلاء اهلبيتی وحامتی اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا قالت ام سلمة وانا معهم يا رسول الله قال انتِ علی الخير۔

امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ سوائے اسکے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ اے اہلبیتؑ کہ لیجائے تم سے نجاست کو اور پاک کرے تمکو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے ۔ میں دروازے کے پاس بیٹھی تھی اور گھر کے اندر جناب علی مرتضےٰ جناب سیدہ اور حضرت حسنین علیہم السلام تشریف رکھتے تھے ۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات پر اپنا کپڑا اڑھا دیا اور فرمایا پروردگارا ! یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مددگار ۔ ان سے نجاست کو دور کردے اور ان کو پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے ۔ جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ! میں بھی انہی میں سے ہوں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو خیر پر ہے ۔

انہی امامینِ حدیث نے اسی روایت کو ام المؤمنین عائشہ کی زبانی بھی نقل کیا ہے ۔ وہ عبارت یہ ہے ۔

عن عائشة قالت جاء رسول الله صلّی الله عليه واٰله وسلم غداة وعليه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن ابن علی فدخله فجاء الحسين ابن علی فدخله ثم جاءت فاطمة عليها السلام فدخلها ثم جاء علی فدخله ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔

ام المؤمنین عائشہ سے مروی ہے کہ ایک روز صبح کے وقت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ بالوں کی منقش کملی اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے ۔ اسی اثنا میں حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور اُن کو آپ نے اُس کملی میں لے لیا ۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السلام تشریف لائے آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں لے لیا ۔ پھر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا تشریف لائیں ۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں داخل کرلیا ۔ پھر جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائے ۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی گلیم کے اندر لے لیا ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ نہیں ارادہ ہے اللہ مگر یہ کہ دور کرے اے گھر والو تم سے نجاست کو اور پاک کرے تم کو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے ۔

یہ دونوں نصوص قرآنی جو حقیقت میں بڑے فیوضِ ربانی تھے اور جن سے حضرات اہلبیتِ کرام علیہم السلام کی فضیلت ۔ قربت ۔ طہارت اور عصمت کی بیمثال حقیقت ثابت ہوتی ہے پورے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں عظائم واقعات میں جو عطایائے یزدانی اور عنایتہائے ربانی کے حقیقی آثار اور حضرات اہلبیت علیہم السلام کے کمال فضائل ومناقب کے اصلی معیار ہیں جناب سیدہؑ اور آپ کے دونوں صاحبزادے خاص طور پر شامل تھے اور آپکے شوہر عالی گوہر بھی داخل ۔ نساءنا اور ابناءنا سے آپ اور آپکے دونوں صاحبزادے تعبیر تھے تو انفسنا سے آپکے شوہر تعبیر کئے گئے تھے اور پھر جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے اُمتِ اسلامیہ میں کوئی دوسری عورت ایسی ذی سعادت اور خوش قسمت نہیں تھی جو عنایتہائے ربانی کے ایسے اعلےٰ مدارج ومعارج پر فائز ہوئی ہو ۔

اور حقیقت میں جب تک آپ کی ذات قدسی صفات داخل نہ کی جاتی تو لفظ اہلبیت بہت سے ظاہر بیں اور بہت دھرم لوگوں کے آگے مبہم اور مشتبہ رہجاتا ۔ کیونکہ اگر اہلبیت کے معنوں میں مرد و عورت دونوں مشترک ہیں تو آپ کی عدم شرکت اُن کے لیے ایک خواہ مخواہ کے عذر کا موقع دیدیتی ۔ اور اگر بعض غلط فہموں کی قیاسی دلائل کی بنا پر اہلبیت کے معنی گھر والے نہیں ۔ صرف گھر والیاں مراد ہیں ۔ تاہم آپکے وجود اور شمول نے نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ ثابت کر دیا کہ سوائے آپ کے اور کوئی اسلامی عورت عام اس سے کہ وہ زوجۂ رسولؐ ہی کیوں نہ ہو اس مقدس طبقہ میں شامل نہیں کیجاسکتی اور نہ کبھی ان فضائل ومناقب پر فائز ہوسکتی ہیں جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی اُس استدعا اور تمنا کے جواب میں جس کو ہم صحیحین مسلم اور ترمذی کی اسناد سے اوپر لکھ آئے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود

رسول نعمت الٰہی میں شریک تھیں۔ صحیحین مسلم و ترمذی میں اس کی شانِ نزول کے متعلق تحریر ہے:۔

عن ام سلمۃ قالت انّ ھٰذہ الآیۃ نزلت فی بیتی انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس ویطھّرکم تطھیرا وانا جالسۃ عند الباب وفی البیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم وعلی وفاطمۃ وحسن وحسین فجلّلھم بکساءٍ وقال اللّٰھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی وحامّتی اذھب عنھم الرّجس وطھّرھم تطھیرا قالت ام سلمۃ وانا معھم یا رسول اللّٰہ قال انتِ علی الخیر۔

امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ سوائے اسکے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ اے اہلبیتؑ کہ لیجائے تم سے نجاست کو اور پاک کرے تمکو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے۔ میں دروازے کے پاس بیٹھی تھی اور گھر کے اندر جناب علی مرتضےٰ جناب سیدہ اور حضرت حسنین علیہم السّلام تشریف رکھتے تھے۔ پس آنحضرت صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان حضرات پر اپنا کپڑا اُڑھادیا اور فرمایا۔ پروردگارا! یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مددگار۔ ان سے نجاست کو دور کردے اور ان کو پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے۔ جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں بھی انہی میں سے ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو خیر پر ہے۔

انہی امامینِ حدیث نے اسی روایت کو ام المؤمنین عائشہ کی زبانی بھی نقل کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

عن عائشۃ قالت جاء رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاءت الحسن ابن علی فدخلہ فجاء الحسین ابن علی فدخلہ ثم جاءت فاطمۃ علیہا السّلام فدخلھا ثم جاء علی فدخلہ ثم قال انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھّرکم تطھیرا۔

ام المؤمنین عائشہ سے مروی ہے کہ ایک روز صبح کے وقت جناب رسول خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلّم سیاہ بالوں کی منقش کملی اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اسی اثنا میں حضرت امام حسین علیہ السّلام تشریف لائے اور اُن کو آپ نے اُس کملی میں لے لیا۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السّلام تشریف لائے۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں لے لیا۔ پھر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا تشریف لائیں۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں داخل کرلیا۔ پھر جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائے۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی کے اندر لے لیا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ نہیں ارادہ ہے اللہ کا مگر یہ کہ دور کرے اے گھر والو تم سے نجاست کو اور پاک کرے تم کو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے۔

یہ دونوں نصوص قرآنی جو حقیقت میں بڑے فیوض ربانی تھے اور جن سے حضرات اہلبیت کرام علیہم السّلام کی فضیلت۔ قربت۔ طہارت اور عصمت کی بیمثال حقیقت ثابت ہوتی ہے پورے طور پر بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں عظائم واقعات میں جو عطایائے یزدانی اور عنایتہائے ربانی کے حقیقی آثار اور حضرات اہلبیت علیہم السّلام کے کمال فضائل ومناقب کے اصلی معیار ہیں جناب سیدہ اور آپ کے دونوں صاحبزادے خاص طور پر شامل تھے اور آپکے شوہر عالی گوہر بھی داخل۔ نساءنا اور ابناءنا سے آپ اور آپکے دونوں صاحبزادے تعبیر تھے تو انفسنا سے آپکے شوہر تعبیر کئے گئے تھے اور پھر جناب سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے اُمّتِ اسلامیہ میں کوئی دوسری عورت ایسی ذی سعادت اور خوش قسمت نہیں تھی جو عطیات ربانی کے ایسے اعلےٰ مدارج ومعارج پر فائز ہوئی ہو۔

اور حقیقت میں جب تک آپ کی ذات قدسی صفات داخل نہ کی جاتی تو لفظ اہلبیت بہت سے ظاہر بین اور بہت دھرم لوگوں کے آگے مبہم اور مشتبہ رہجاتا۔ کیونکہ اگر اہلبیت کے معنوں میں مرد وعورت دونوں مشترک ہیں تو آپ کی عدم شرکت اُن کے لیے ایک خواہ مخواہ کے عذر کا موقع دیدیتی۔ اور اگر بعض غلط فہموں کی قیاسی دلائل کی بنا پر اہلبیت کے معنی گھر والے نہیں۔ صرف گھر والیاں مراد ہیں۔ تاہم آپکے وجود اور شمول نے نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ ثابت کردیا کہ سوائے آپ کے اور کوئی اصلاحی عورت عام اس سے کہ وہ زوجۂ رسولؐ ہی کیوں نہ ہو۔ اس مقدس طبقہ میں شامل نہیں کیجاسکتی اور نہ کبھی ان فضائل ومناقب پر فائز ہوسکتی ہیں جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی اُس استدعا اور تمنا کے جواب میں جسے ہم نے صحیحین مسلم اور ترمذی کی اسناد سے اوپر لکھا ہے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود

صحیح ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ نے خود ارشاد فرما دیا تھا کہ یہ میرا آخری حج ہے اس لیے ہر شخص غایت حسرت و ملال اور نیز یمن و برکت کے خیال سے آپ کے ہمرکاب ہو لیا تھا۔ یہ سبب صحیح مان بھی لیا جاوے تو تاہم اتنے بڑے سامان و اہتمام کے لیے یہی تنہا سبب خیال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر تمام اہل اسلام نے مفارقت نبوی کے حزن و ملال یا رفاقت مصطفوی کے یمن و برکت کے خیال سے از خود یہ سفر اختیار کیا ہوتا۔ تو پھر جناب ختمی مرتبت علیہ التسلیم والتحیۃ کو اس حج کے لیے اتنی وسعت اور عظمت کے ساتھ اعلان کرنے اور نزدیک و دور تمام اسلامی قبائل میں خبر بھیجنے۔ تمام اعزہ اور اقارب کو ہمراہ لینے اور خاص کر جناب علی مرتضٰے علیہ السلام کو علاقۂ یمن کی تبلیغ اسلام کے کاموں سے چھڑا کر واپس بلا لینے کی جیسا کہ تمام تاریخ و سیر کی کتابوں میں تلمبند ہے۔ کیا ضرورت تھی۔

سطحی اور سرسری طور پر دیکھنے سے بھی صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سفر کی عظمت بڑھانے اور اہمیت دکھلانے کی ضرورتوں میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بالنفس نفیس جس اہتمام اور انتظام سے سعی و کوشش فرمائی اس میں مرقومہ بالا سبب کے علاوہ کوئی اور ضروری اور خاص وجہ بھی مضمر تھی۔ اور وہ وجہ اور ضرورت بھی آپکی کوئی ذاتی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ مناصب رسالت اور فرائض نبوت سے متعلق احکام الٰہی کی وہی تبلیغی خدمت تھی اور اسلام کی خدمت آخر جس کو حج آخر کے ساتھ ہی ساتھ یا اس کے بعد انجام دینا مناسب اور واجب تھا۔

باعتبار عظمت اور اہمیت کے یہ خدمت ایسی ہی مہتم بالشان۔ عظیم المنزلت اور واجب التعمیل تھی کہ آپ کی تمام گزشتہ اور موجودہ خدمات تبلیغی کی توثیق و تصدیق کا معیار ٹھیرائی گئی۔ اور آپکی سابق تبلیغی خدمات کے شمار اور سلسلہ کے اعتبار سے یہ خدمت آخری خدمت تھی۔ آپ کا حج بھی آخری حج تھا۔ اسلام کی تعلیم۔ تلقین۔ توسیع۔ تدوین۔ غرض تمام جزوی اور کلی امور تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اب ان کے استقلال فی الایمان کو آیندہ قائم رکھنے کی آخری تدبیر کرنی اور ہدایت فرمانی باقی تھی۔

آفتاب رسالت قربت الٰہی کے حجاب میں بہت جلد چھپنے والا تھا صدور وحی اور نزول روح القدس کے سلسلے منقطع ہونیوالے تھے۔ ان ضرورتوں سے نظام قدرت اور احکام مشیت نے تمام اہل اسلام اور جمیع امت مرحومہ حضرت خیر الانام کو ضلالت و گمراہی اور ہلاکت و تباہی سے آیندہ بچانیکے لیے یہ استفادہ فرمایا کہ خدا کی طرف سے اس کا سچا اور برحق رسول تمام اہل اسلام کے سامنے جن میں بوڑھے۔ جوان۔ عورت۔ بچے سب شامل ہوں سیرۂ انبیائے سابقین کے مطابق اپنا اصلی قائم مقام اور حقیقی جانشین اور جائز وارث جس کو وہ تمامی ذاتی اور صفاتی کمالات سے آراستہ اور پیراستہ پاتا ہو۔ اسی طرح مقرر فرمائے جس طرح داؤد نے سلیمان کو اور موسے نے ہارون ابن عمران کو (علے نبینا و آلہ و علیہم السلام)۔ اور اس کو علے الاعلان ان کی دونوں آنکھوں کے سامنے دکھلا دے اور بتلا دے کہ یہی ہے میرے بعد میرا جانشین اور تمہارا مولا۔ تاکہ وہ اسی کی اطاعت اختیار کریں اور ضلالت و ہلاکت سے محفوظ رہیں۔ جسے ہم بہت جلد اسی مضمون میں آیندہ بیان کرتے ہیں۔

یہ تھی اس سفر کی اہمیت عظمت اور انتظامی وسعت و اشاعت کی خاص ضرورت جو ہماری مندرجہ عبارت سے ثابت ہوئی۔ اس کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب سیدہؑ اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ادائے حج کی نیت سے تشریف لائی ہیں اور جناب علیؑ مرتضٰے بھی یمن سے واپس بلائے گئے ہیں اور امروز فردا میں بہت جلد آنیوالے ہیں۔ چونکہ جناب علیؑ مرتضٰے اور حضرت سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا دونوں بزرگواروں کو مثل نزول آیۂ مباہلہ و تطہیر اس موقع پر بھی بارگاہ الٰہی سے بہت بڑی عزت و توقیر عطا ہونیوالی ہے۔ اس لیے ان دونوں حضرات مقدسین کی موجودگی اور حاضری اس مبارک تقریب کے موقع پر ضروری اور لازمی ہے۔ یہی ضرورت تھی کہ جناب سیدۂ طاہرہ خلاف دستور اس سفر میں ہمراہ لائی گئیں۔ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضٰے علیہ السلام یمن سے

صحیح ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ نے خود ارشاد فرما دیا تھا کہ یہ میرا آخری حج ہے اس لیے ہر شخص غایت حسرت و ملال اور نیز یمن و برکت کے خیال سے آپ کے ہمرکاب ہو لیا تھا۔ یہ سبب صحیح مان بھی لیا جاوے تو تاہم اتنے بڑے سامان و اہتمام کے لیے یہی تنہا سبب خیال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر تمام اہل اسلام نے مفارقت نبوی کے حزن و ملال یا رفاقت مصطفوی کے یمن و برکت کے خیال سے از خود یہ سفر اختیار کیا ہوتا۔ تو پھر جناب ختمی مرتبت علیہ التسلیم والتحیۃ کو اس حج کے لیے اتنی وسعت اور عظمت کے ساتھ اعلان کرنے اور نزدیک و دور تمام اسلامی قبائل میں خبر بھیجنے۔ تمام اعزہ اور اقارب کو ہمراہ لینے اور تمام کر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو علاقہ یمن کی تبلیغ اسلام کے کاموں سے چھڑا کر واپس بلا لینے کی جیسا کہ تمام تاریخ و سیر کی کتابوں میں قلمبند ہے۔ کیا ضرورت تھی۔

سطحی اور سرسری طور پر دیکھنے سے بھی صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سفر کی عظمت بڑھانے اور اہمیت دکھلانے کی ضرورتوں میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بالنفس نفیس جس اہتمام اور انتظام سے سعی و کوشش فرمائی اس میں مرقومہ بالا سبب کے علاوہ کوئی اور ضروری اور خاص وجہ بھی مضمر تھی۔ اور وہ وجہ اور ضرورت بھی آپکی کوئی ذاتی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ مناصب رسالت اور فرائض نبوت سے متعلق احکام الہی کی وہی تبلیغی خدمت تھی اور اسلام کی خدمت آخر جس کو حج آخر کے ساتھ ہی ساتھ یا اس کے بعد انجام دینا مناسب اور واجب تھا۔

باعتبار عظمت اور اہمیت کے یہ خدمت ایسی ہی مہتم بالشان۔ عظیم المنزلت اور واجب التعمیل تھی کہ آپ کی تمام گزشتہ اور موجودہ خدمات تبلیغی کی توثیق و تصدیق کا معیار ٹھیرائی گئی۔ اور آپکی سابق تبلیغی خدمات کے شمار اور سلسلہ کے اعتبار سے یہ خدمت آخری خدمت تھی۔ آپ کا حج بھی آخری حج تھا۔ اسلام کی تعلیم۔ تلقین۔ توسیع۔ تدوین۔ غرض تمام جزدی اور کلی امور تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اب اُن کے استقلال فی الایمان کو آیندہ قائم رکھنے کی آخری تدبیر کرنی اور رد است

فرمانی باقی تھی۔

آفتاب رسالت قربت الہی کے حجاب میں بہت جلد چھپنے والا تھا صدور وحی اور نزول روح القدس کے سلسلے منقطع ہونیوالے تھے۔ ان ضرورتوں سے نظام قدرت اور احکام مشیت نے تمام اہل اسلام اور جمیع امت مرحومہ حضرت خیر الانام کو ضلالت و گمراہی اور ہلاکت و تباہی سے آیندہ بچانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف سے اُس کا سچا اور برحق رسول تمام اہل اسلام کے سامنے جن میں بوڑھے۔ جوان۔ عورت۔ بچے سب شامل ہوں سیرۃ انبیائے سابقین کے مطابق اپنا اصلی قائم مقام اور حقیقی جانشین اور جائز وارث جس کو وہ تمامی ذاتی اور صفاتی کمالات سے آراستہ اور پیراستہ پاتا ہو۔ اُسی طرح مقرر فرمائے جس طرح داؤد نے سلیمان کو اور موسیٰ نے ہارون ابن عمران کو (علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام)۔ اور اُس کو علے الاعلان اُن کی دونوں آنکھوں کے سامنے دکھلا دے اور بتلا دے کہ یہی ہے میرے بعد میرا جانشین اور تمہارا مولا۔ تاکہ وہ اسی کی اطاعت اختیار کریں اور ضلالت و ہلاکت سے محفوظ رہیں۔ جسے ہم بہت جلد اسی مضمون میں آیندہ بیان کرتے ہیں۔

یہ تھی اس سفر کی اہمیت عظمت اور انتظامی وسعت و اہتمام کی خاص ضرورت جو ہماری مندرجہ عبارت سے ثابت ہوئی۔ اس کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب سیدہ اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ادائے حج کی نیت سے تشریف لائی ہیں اور جناب علی مرتضیٰ بھی یمن سے واپس بلائے گئے ہیں اور امروز فردا میں بہت جلد آنیوالے ہیں چونکہ جناب علی مرتضیٰ اور حضرت سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا دونوں بزرگواروں کو مثل نزول آیۂ مباہلہ و تطہیر اس موقع پر بھی بارگاہ الہی سے بہت بڑی عزت و توقیر عطا ہونیوالی ہے اس لیے ان دونوں حضرات مقدسین کی موجودگی اور حاضری اس مبارک تقریب کے موقع پر ضروری اور لازمی ہے۔ یہی ضرورت تھی کہ جناب سیدہ طاہرہ خلاف دستور اس سفر میں ہمراہ لائی گئیں۔ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی

لب خویش کوثر بمن رسند۔ آنگاہ فرمود بدانید کہ خدا تعالےٰ
ولی من است و من مولائے جمیع مومنانم۔ بعد ازاں دست
علی را بگرفت و فرمود من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم
وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ
وانصر من نصرہ وادر الحق معہ حیث کان۔ ونیز مروی ست
کہ تعدد اصحاب عمر ابن خطاب گفت اے علیؑ بامداد کردی و
مولائے ہر مومن و مومنہ

روانہ برائے سر تاج خویش تا بجے ساز

زخاک پائے جوانمرد و آل من والاہ

دل از عداوت او دور دار تا نخوری

ز تیغ زخم بنی عاد زخم من عاداہ

گواہ پاکی اصالت ولائے مہر دال

کہ بر کمال معالیش ہل اتیٰ ست گواہ

مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم صفحہ ۱۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں
کہ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں
ایک تالاب ہے تالاب کو عربی میں غدیر کہتے ہیں۔ اسی لیے اسکا
نام غدیر خم آیا ہے۔ آپ نے تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا
خطبہ دیا۔ وہ یہ ہے :۔

امّا بعد الا ایھا النّاس فانّما انا بشر یوشک ان یاتی
رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھما
کتاب اللّٰہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا الکتاب اللّٰہ و
استمسکوا بہ واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھلبیتی۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا
کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت)
میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اُن میں
اوّل خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ خدا کی
کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں
میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

اس کے بعد مولوی صاحب یوں قلم آرا ہیں :۔
آخری جملہ۔ یعنی ذکر اہلبیتؑ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ
صحیح مسلم کی روایت ہے۔ نسائی۔ مسند امام احمد حنبل۔ ترمذی۔
طبرانی اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت
علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ اُن روایتوں میں ایک فقرہ
اکثر مشترک ہے۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم
وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ احادیث میں خاص
یہ تصریح نہیں ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش
آئی تھی۔ بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے
گئے تھے۔ جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔
اُنہوں نے یمن میں اپنے اختیار سے ایسا معاملہ کیا تھا جس کو
اُن کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ اُن میں سے ایک
صاحب نے آکر رسول اللّٰہ صلّے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم سے شکایت
کی۔ آپ نے فرمایا۔ علیؑ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔ عجب نہیں
کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنیکے لیے آپنے اس موقع پر یہ الفاظ
فرمائے ہوں۔ سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۱ ج ۲ -

مولوی صاحب نے اپنے قدیم دستور کے مطابق اس واقعہ کو
چھپا چھپا اور چھپا چھپا کر جس انداز سے لکھا ہے وہ ناظرین کتاب
پر آئینہ ہے۔ اور مولوی صاحب کی تعصبیت۔ نفسانیت اور
سخت ناصبیت کا کامل ثبوت۔ اُن کی قلمکاری اور غلط نگاری
کی یہاں ہم کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم اس
حدیث کی پوری تفصیل۔ تشریح۔ توثیق و تصدیق سراج المبین
جلد اوّل میں بذیل ذکر حدیث غدیر کر چکے ہیں۔ اور بار دیگر انشاءاللّٰہ
المستعان سیرۃ المصطفویہ میں پوری تشریح کریں گے۔
وما توفیقی الّا باللّٰہ۔

مگر با ایں ہمہ۔ حق کی تلاش کرنیوالوں کو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ
باوجود اتنی کدو کاوش۔ عبارت آرائی اور خامہ فرسائی کے۔
حقیقت کے زور۔ اصلیت کی قوّت نے اس واقعہ کا لب لباب
مولوی صاحب سے لکھوا ہی چھوڑا۔ اُنکی ناصبیت سے جو
خارجیت کے قریب پہنچی ہوئی ہے اتنا ہی غنیمت ہے اور بہت ہی
غنیمت۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ کا یہی اعجاز ہے اور ظھر الحق
ولٰکن اکثرھم کارھون کا یہی قدرتی راز۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔
ہم نے ان دونوں واقعات کو فریقین کی معتبر اسناد سے پوری

لب خویش کوثر بمن رسند۔ آنگاہ فرمود بدانید کہ خدا تعالے مولائے من است و من مولائے جمیع مومنانم۔ بعد ازاں دست علی را گرفت و فرمود من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ وادر الحق معہ حیث کان۔ ونیز مروی ست کہ قدوۃ اصحاب عمر ابن خطاب گفت اے علیؑ بامداد کردی و مولائے ہر مومن و مومنہ

روزے برائے سیرتاج خویش تاجے ساز
زخاک پائے جوانمرد آل من والاہ
دل از عداوت او دور دار تا نخوری
زتیغ زخم بنی عاد زخم من عاداہ
گواہ پاکی اصلت ولائے حیدر دان
کہ بر کمال معالیش ہل اتیٰ ست گواہ

مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم صفحہ ۱۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے تالاب کو عربی میں غدیر کہتے ہیں۔ اسی لیے اسکا نام غدیر خم آیا ہے۔ آپ نے تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ وہ یہ ہے:۔

امّا بعد الا ایھا النّاس فانّما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللّٰہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا الکتاب اللّٰہ و استمسکوا بہ واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھلبیتی۔

حمد وثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اُن میں اوّل خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

اس کے بعد مولوی صاحب پھر قلم آرا ہیں:۔

آخری جملہ۔ یعنی ذکر اہلبیتؑ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد حنبل، ترمذی، طبرانی اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ اُن روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے گئے تھے۔ جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ اُنہوں نے یمن میں اپنے اختیار سے ایسا معاملہ کیا تھا جس کو اُن کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ اُن میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ علیؑ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔ عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے آپنے اس موقع پر یہ الفاظ فرمائے ہوں۔ سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۱ ج ۲۔

مولوی صاحب نے اپنے قدیم دستور کے مطابق اس واقعہ کو چھپا چھپا اور چھپا چھپا کر جس انداز سے لکھا ہے وہ ناظرین کتاب پر آئینہ ہے۔ اور مولوی صاحب کی تعصبیت۔ نفسانیت اور سخت ناصبیت کا کامل ثبوت۔ اُن کی قلمکاری اور غلط نگاری کی یہاں ہم کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم اس حدیث کی پوری تفصیل۔ تشریح۔ توثیق و تصدیق سراج المبین جلد اوّل میں بذیل ذکر حدیث غدیر کرچکے ہیں۔ اور بار دیگر انشاء اللہ المستعان سیرۃ المصطفویہ میں پوری تشریح کرینگے۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

مگر با اینہمہ۔ حق کی تلاش کرنیوالوں کو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود اتنی کدوکاوش۔ عبارت آرائی اور خامہ فرسائی کے۔ حقیقت کے زور۔ اصلیت کی قوت نے اس واقعہ کا لب لباب مولوی صاحب سے لکھوا ہی چھوڑا۔ اُنکی ناصبیت سے جو خارجیت کے قریب پہنچی ہوئی ہے اتنا ہی غنیمت ہے اور بہت ہی غنیمت۔ الحق یعلو ولا یُعلیٰ کا یہی اعجاز ہے اور ظہر الحق والحق اکثرھم کارھون کا یہی قدرتی راز۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں واقعات کو فریقین کی معتبر اسناد سے پوری

دل محسوس کر رہا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کا سایہ ہمیشہ کے لیے سر سے اُٹھ رہا ہے جو تمام آرام و راحت عظمت و عزت اور شرف و مفاخرت کا باعث ہے اور سبب۔ ایسے قیامت خیز وقت میں اپنا یا بال بچوں یا گھربار کا خیال جناب سیّدہ کے دل میں کیسے پیدا ہوسکتا تھا۔ آپ کو اس وقت سوائے اپنے پدر بزرگوار کے اور کسی کی خبر نہیں تھی۔ حسرت آمیز نگاہیں ہر وقت روئے مبارک سے لگی رہتی تھیں۔ دل مضطرب۔ ہر دم و ہر لحظہ ہمہ تن آپ ہی کے خیال اور آپ ہی کی دیکھ بھال کی طرف لگا تھا۔ بار بار اُٹھتی تھیں اور چہرۂ پُر نور کی طرف حسرت سے دیکھتی تھیں۔ اگر آثار اچھے پائے گئے تو کچھ تسکین ہوگئی۔ اور اگر تیور بگڑے ہوئے معلوم ہوئے تو قلب کا انتشار اور بھی بڑھ گیا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کے مسلسل تار بندھ گئے۔ غرض اس امید و بیم۔ انتشار اور اضطراب عظیم کی سخت حالتوں میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کے تمام ایام کاٹے۔ شدتِ مرض سے آنحضرت کو کبھی افاقہ ہوجاتا تھا تو آپ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی طرف حسرت سے دیکھکر رہجاتے تھے کبھی پاس بُلاکر اور پہلو میں بٹھاکر اپنے پارۂ دل کو چھاتی سے لگا لیتے تھے۔ تسکین اور دلجوئی فرماتے تھے اور دنیا کے مصائب و نوائب پر صبر و خاموشی اختیار کر لینے کے لیے خاص طور پر ارشاد کرتے تھے۔

بیمار سے خواسے بھی بیماری کی ایسی شدید حالت میں رات دن گلے کے تعویذ بنے رہتے تھے۔ غریب ماں باپ کی بھیجی کے خیال سے اکثر بچوں کو جُدا رکھنا چاہتی تھی تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بے رُخی اور تہدید ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ خود اپنے پاس بُلاکر اپنے دوش۔ اپنے سینہ اور پشت مبارک پر اُسی طرح بٹھالیا کرتے تھے جس طرح صحت کی قدیم حالتوں میں ان بچوں کے ساتھ اشفاق فرمایا کرتے تھے۔ ہم کتاب روضۃ الاحباب کی اصلی عبارت سے ان واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وھو ہذا

دراں ایام قضایائے چند متحقق گشتہ یکے ازاں صحبت رسیدہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت ندیدم ہیچ احدے را مشابہ تر بہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از فاطمہ زہرا از روئے حسنِ سیرت و استقامت منظر و سکینہ و وقار و قیام و قعود۔ چوں بر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم درآمدے آں سرور بر خاستے و متوجہ و مستقبلِ وے شدے و اورا بوسہ دادے و بر جائے خود بنشا ندے وچوں بخانۂ وے رفتے وے نیز با پدر بزرگوار ہماں طریقہ مرعی داشتے۔ و دراں خستگی فرستاد و فاطمہؑ را بخواند وچوں آمد فرمود۔ مرحبا یا بنتی و او را بر دستِ راست از دستِ چپ خود نشاند و با او سخنے بسبیل مسارہ فرمود۔ فاطمہؑ گریاں شد۔ باز با وے ہماں طریقہ سخنے فرمود۔ ایں نوبت فرحان و خنداں گشت۔ عائشہ گوید۔ از فاطمہؑ پرسیدم کہ ندیدم فرح را نزدیک تر بحزن مثلِ امروز و از وے استفسار کردم کہ چہ می گفت۔ جواب داد کہ سِرِّ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را فاش نکنم۔ وآں سخن را بامن نگفت تا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از دنیا انتقال کرد۔ بعد ازاں از وے پرسیدم کہ آں سخن چہ بود۔ گفت اوّل بامن گفت بدرستیکہ جبرئیل بامن ہر سال یک بار درسِ قرآن میخواند و امسال دو نوبت خواند۔ وگمان نمی برم اِلّا آنکہ اجلِ من نزدیک رسیدہ و اوّل کسیکہ از اہلبیت من بمن ملحق شود تو باشی پس بگریستم و دو بار دوم گفت راضی نیستی کہ سیّدۂ زنانِ اہلِ بہشت باشی۔ و در روایتے آنکہ جبرئیلؑ مرا خبر داد کہ وانیہ کہ نیست ہیچ زن از زنانِ مسلماناں کہ ذریتِ او اعظم باشد از ذریتِ تو۔ باید کہ صبرِ تو از باقی زنان کمتر نباشد۔ و دراں سخن ارشادے بود فاطمہؑ را با آنکہ در مفارقت آں سرور باید کہ گریہ و جزع نہ نماید و صبر کند حیثیت آنکہ صبر و شکیبائی از ملاقات و مصاحبت وے سیّما بر فاطمہؑ نہایت دشوار خواہد شد۔

اس کے بعد محدث شیرازی جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ کے قریبِ وفات کے وہ واقعات تحریر فرماتے ہیں جن سے تمام اعزہ۔ اقارب اور تمامی متعلقین کے وداعِ آخر فرمائے جانیکے حالات پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حضرت فاطمہ زہرا را گرفت و آں را بسینۂ بے کینۂ خود ضم کرد و چشمانِ خود بر ہم نہاد زمانے نیک۔ چنانکہ گفتند کہ روح نامی او از جسد گرامی او مفارقت نمود۔ فاطمہؑ سر پیش بُرد و گفت یا ابتاہ۔

دل محسوس کر رہا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کا سایہ ہمیشہ کے لیے سر سے اُٹھ رہا ہے جو تمام آرام و راحت عظمت و عزت اور شرف و مفاخرت کا باعث ہے اور سبب۔ ایسے قیامت خیز وقت میں اپنا یا بال بچوں یا گھر بار کا خیال جناب سیّدہ کے دل میں کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔ آپ کو اس وقت سوائے اپنے پدرِ بزرگوار کے اور کسی کی خبر نہیں تھی۔ حسرت آمیز نگاہیں ہر وقت رُوئے مبارک سے لگی رہتی تھیں۔ دل مضطرب۔ ہر دم و ہر لحظہ ہمہ تن آپ ہی کے خیال اور آپ ہی کی دیکھ بھال کی طرف لگا تھا۔ بار بار اُٹھتی تھیں اور چہرۂ پُر نور کی طرف حسرت سے دیکھتی تھیں۔ اگر آثار اچھے پائے گئے تو کچھ تسکین ہو گئی۔ اور اگر تیور بگڑے ہوئے معلوم ہوئے تو قلب کا انتشار اور بھی بڑھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کے مسلسل تار بندھ گئے۔ غرض اس امید و بیم۔ انتشار اور اضطرابِ عظیم کی سخت حالتوں میں جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مرض کے تمام ایّام کاٹے۔ شدّتِ مرض سے آنحضرت کو کبھی افاقہ ہو جاتا تھا تو آپ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی طرف حسرت سے دیکھ کر رہ جاتے تھے کبھی پاس بُلا کر اور پہلو میں بٹھا کر اپنے پارۂ دل کو چھاتی سے لگا لیتے تھے۔ تسکین اور دلجوئی فرماتے تھے اور دنیا کے مصائب و نوائب پر صبر و خاموشی اختیار کر لینے کے لیے خاص طور پر ارشاد کرتے تھے۔

پیارے نواسے بھی بیماری کی ایسی شدید حالت میں رات دن گلے کے تعویذ بنے رہتے تھے۔ غریب ماں باپ کی بچیّں کے خیال سے اکثر بچّوں کو جُدا رکھنا چاہتی تھی تو جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ بے رُخی اور تہدید ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ فوراً اپنے پاس بُلا کر اپنے دوش۔ اپنے سینہ اور پشتِ مبارک پر اُسی طرح بٹھا لیا کرتے تھے جس طرح صحت کی قدیم حالتوں میں ان بچّوں کے ساتھ اشفاق فرمایا کرتے تھے۔ ہم کتاب روضۃ الاحباب کی اصلی عبارت سے ان واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وھو ہذا

دراں ایام قضایائے چند متحقق گشتہ یکے ازاں بصحت رسیدہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت ندیدم ہیچ احدے را مشابہ تر به رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم از فاطمہ زہرا از روئے حسنِ سیرت و استقامت منظر و سکینہ و وقار و قیام و قعود۔ چوں بر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم درآمدے آں سرور برخاستے و متوجّہ و مستقبلِ وے شدے و او را بوسیدے و بجائے خود بنشانیدے و چوں بخانۂ وے رفتے وے نیز با پدر بزرگوار ہماں طریقہ مرعی داشتے۔ و دراں خستگی فرستاد و فاطمہؑ را بخواند و چوں آمد فرمود۔ مرحبا یا بنتی و او را بر دستِ راست از دستِ چپ خود نشاند و با او سخنی بسبیلِ مسارہ فرمود۔ فاطمہ گریاں شد۔ باز با وے ہماں طریقہ سخنے فرمود۔ ایں نوبت فرحان و خنداں گشت۔ عائشہ گوید۔ از فاطمہؑ پرسیدم کہ ندیدم فرح را نزدیک تر بحزن مثلِ امروز و از وے استفسار کردم کہ چہ می گفت۔ جواب داد کہ سّرِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم را فاش نکنم۔ و آں سخن را با من نگفت تا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم از دنیا انتقال کرد۔ بعد ازاں از وے پرسیدم کہ آں سخن چہ بود۔ گفت اوّل بار گفت بدرستیکہ جبرئیل با من ہر سال یک بار درس قرآن میخواند و امسال دو نوبت خواند۔ گمان نمی برم اِلّا آنکہ اجلِ من نزدیک رسیدہ و اوّل کسیکہ از اہلبیت من بمن ملحق شود تو باشی پس بگریستم و در بارِ دوم گفت راضی نیستی کہ سیّدۂ زنانِ اہلِ بہشت باشی۔ و در روایتے آنکہ جبرئیلؑ مرا خبر داد کہ دانید کہ نیست ہیچ زن از زنانِ مسلمانان کہ ذریت او اعظم باشد از ذریّتِ تو۔ باید کہ صبرِ تو از باقی زنان کمتر نباشد۔ و دراں سخن ارشادے بود فاطمہؑ را باآنکہ در مفارقتِ آں سرور باید کہ گریہ و جزع نہ نماید و صبر کند چنانچہ نسبت او کہ صبر و شکیبائی از ملاقات و مصاحبتِ وے سیّما بر فاطمہؑ نہایت دشوار خواہد شد۔

اس کے بعد محدّث شیرازی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ کے قریبِ وفات کے وہ واقعات تحریر فرماتے ہیں جن سے تمام اعزّہ۔ اقارب اور تمامی متعلّقین کے وداعِ آخر فرمانے جانیکے حالات پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔
حضرت فاطمہؑ زہرا را گرفت و آں را بسینۂ بے کینۂ خود ضم کرد و چشمانِ خود بر ہم نہاد زمانے نیک۔ چنانکہ گفتند کہ روحِ نامی او از جسد گرامی او مفارقت نمود۔ فاطمہؑ سر پیش بُرد و گفت یا ابتاہ۔

وصیت انبیاء ایں باشد و برایں مامور اند و برایں مبعوث شدند۔ علیؑ گوید حضرت با من سخنے می گفت وآب دہن وے بمن می رسید حال بر وے متغیر شد و زناں از لبس پردہ بیطاقتی می نمودند و من نیز تحمل آں نداشتم کہ و برا باآں حال بہ بینم گفتم ای عباس برادر پدر عباس آمد و با یکدیگر وے را بخوابانیدیم۔

(روضہ ص ۵۶۰)

ان واقعات نے بتلا دیا کہ جس بزرگوار کو آپ نے سب سے آخر قرار دیا کیا تھا اور وصیت فرمائی تھی اُسی کی آغوش میں اور اُسی کے ہاتھوں کے سہارے آخر بار بستر موت پر لیٹ کر ہمیشہ کے لیے آرام فرمایا اور آخر ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

وفات رسولؐ سے لیکر رحلت بتولؑ تک کے حالات

آہ ازاں روز زند تو جبہ ایم کردند
وقف صد صدمہ و صد آفت و صد غم کردند

حقیقت تو یوں ہے کہ جناب ختمی مرتبت کے ختم ہوتے ہی گویا فاطمہؑ کا خاتمہ ہوگیا۔ قبر رسول کے بند ہوتے ہی فاطمہ زہرا پر مصیبتوں کے دروازے کھل گئے۔ آفتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے۔ باپ کے مرنے کے بعد کل پچھتر روز زندہ رہیں۔ مگر ایسی زندگی مرگ تھی اور ایسا زندہ مُردہ درگور۔ ڈھائی۔ پونے تین مہینوں کی قلیل مدت جس مصیبت اور اذیت میں گزری وہ غم والم کی دفتر ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے دن اُس معصومہ نے جس سختی۔ بلا اور شدت سے کاٹے ہیں وہ حسرت اور عبرت کے کارنامے ہیں۔ ایک غم ہو تو کہا جائے۔ ایک صدمہ ہو تو سہا جائے۔ یہاں تو بلاؤ مصیبت کا وہ لگا تار سلسلہ بندھا جو ٹوٹا ہی نہیں۔ اور اگر ٹوٹا بھی تو رشتۂ حیات کے ساتھ ہی۔ دن تھا آفت اور رات تھی مصیبت۔ حق تلف کیا گیا تو ان کا۔ ملکیت ضبط کیگئی تو ان کی۔ باپ کی مفارقت میں سمجھی تھیں کہ زمانہ کے لوگ ہمدردی کرینگے۔ انسانی اخلاق و عادات کے مطابق اس واقعہ میں انکا ساتھ دینگے۔ جانتی تھیں کہ اگر حقیقی طور پر نہیں تو ظاہری طور پر سہی۔ اصلی نہیں تو منہ دیکھی ہی سہی۔ دستور اور معمول کے طریقہ پر دنیا اور دنیا والے ہمدردی اور دلجوئی کرینگے۔ تسکین تشفی اور دلاسا دینے آئینگے مگر ؎

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

دنیا والوں نے بخلاف امید معصومہ کو ایسی اذیتیں پہنچائیں جو انسانی ستمگاریوں سے بڑھکر حیوانی خونخواریوں کی حدود تک پہنچ گئیں۔ باپ کے ماتم میں فاطمہؑ کی تعزیت کرنے اور اُن کے آنسو پونچھنے کے لیے کوئی بھی نہیں آیا۔ ہاں گھر جلانے۔ دروازہ گرانے۔ ڈرانے اور دھمکانے غرض غریب رونیوالی کو اور رُلانے کے لیے ایک سے دس تک اور دس سے سَو تک جمع ہوگئے۔ رسول اللہ صلعم کی آنکھیں بند ہوتے ہی فاطمہؑ کی طرف سے گویا تمام دنیا کی نگاہیں پھر گئیں دل پلٹ گئے۔ نیتیں بدل گئیں۔ گویا بضعۃ الرسول سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ فاطمہؑ زہرا کا عالم اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ سیدۃ نساء العالمین کا عامۃ المسلمین پر کوئی حق ہی نہیں تھا۔ فاطمہؑ وہ فاطمہؑ ہی نہیں تھیں۔ جن کی قدر و منزلت خود رسول صلعم کو کرتے ہوئے دنیا والے اپنی آنکھوں سے ایک بار نہیں ہزار بار اور ہزار بار کیا بیشتما بار دیکھ چکے تھے۔ یہ سیدہ وہ سیدہ ہی نہیں تھیں جن کو وہ مختلف نصوص ربانی اور متعدد منشور یزدانی کے مقاصد و مطالب تنزیل جناب مخبر صادق علیہ السلام کی زبانی سُن چکے تھے اور تسلیم کر چکے تھے۔

تنہا جناب سیدہ علیہا السلام کے حقوق سے ناتوجہی اور روگردانی نہیں کی گئی بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص حقوق سے بھی چشم پوشی اختیار کی گئی ہے۔ اور اُن کی خصوصیت کے اعتراف سے بھی خاموشی ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسمان نیز پرداختی

رھذا الشي عجاب فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم ان معاملات کی نسبت اپنی طرف سے کوئی رائے زنی کرنا

نہیں جانتا۔ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر اور اُن کی دینی تصنیفات اور قومی خدمات کو ہندوستان میں کون نہیں جانتا اور مذہبی حیثیت سے اُن کو ایک سُنی فاضل حنفی عالم اور مترجم القرآن اور ایک مشہور و معروف مذہبی صاحب تالیف و تصنیف کون نہیں جانتا۔ شمس العلماء حافظ صاحب نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مصائب اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کے مسالک کو مجمل طور پر بیان کر کے ان واقعات پر جو اپنی رائے قائم کی ہے ہم اُسی کو اپنی موجودہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اور پھر حافظ صاحب موصوف کے اس مجمل مختار کو مفصل طور پر اپنی علیحدہ مباحث میں انشاء اللہ المستعان بیان کرینگے۔ حافظ صاحب کی اصلی عبارت یہ ہے[1]:-

جو شخص (وفات رسولؐ سے) سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے۔ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے سایہ اُٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوےٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط اُنہی کے ساتھ تھے۔ پھر اُنہی رنجوں میں گھُل گھُل کر چھ مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں۔ اُن لوگوں سے جنہوں نے رنج دیے تھے نہ بولیں۔ اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی منادی کرا دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۰

مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہوتا۔ ہم اُن سے۔ باپ کے حقوق فنا کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دلی غم و غصہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے۔ برائے نام خلافت دی ہوتی اور آپ کا انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا تھا۔ کم باغ فدک کے دیدینے میں ایسی کونسی قباحت تھی۔ [illegible] الباب۔ حدیث معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ کے خلاف ہو بھی تو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھائیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور رفتہ رفتہ منجر ہوا اُس ناقابل برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ص ۱۵۲۔ رویائے صادقہ۔

مرقومۂ بالا عبارت لکھکر حافظ صاحب نے تو معاملۂ فدک کے جستہ جستہ سب حالات بھی لکھدیے اور برجستہ فیصلہ بھی کر دیا مگر تاہم اُنکے اس مجمل بیان سے اصل واقعات کی کوئی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ حافظ صاحب نے مجرمین فدک کی عیب پوشی کو اپنے اجمالی بیان میں پیش نظر رکھا ہے۔ اور حقیقتاً یہ اُن کی خوش اعتقادی کے لیے مناسب بھی تھا اور شایاں۔ مگر عام اس سے کہ اُن کی وہ کتاب جس میں اُنہوں نے یہ حالات اور اپنے مختار قائم فرمائے ہیں۔ ان حالات کی پوری تفصیل اور تشریح کی گنجائش اور مناسبت رکھتی ہو یا نہ ہو ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔ مگر ہمارا سلسلۂ بیان ان حالات کی پوری تفصیل۔ کامل تحقیق اور کافی تنقید کیے بغیر تمام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ان تمام بیانات کو اپنی موجودہ تالیف کے لیے حد سے زیادہ

---

[1] مرحوم حافظ صاحب نے ناصبیانہ زمانہ کی موجودہ ناصبیت کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی آخری تصنیف امہات الامۃ میں اپنے مندرجۂ بالا مختار کو قائم نہ رکھا اور سلف معتقدات کو نسیاً منسیاً فرما گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ تو شیعہ اُن کے ہم طریق سُنی بزرگواروں نے بھی اُنکی اس کتاب سے ایسی نفرت کا اظہار کیا کہ آخر مولوی صاحب کو اُسکی تمام چھپی ہوئی جلدیں جلوانی پڑیں۔ شیعہ اسیر بھی جواب سے باز نہ آئے۔ ۱۲

[2] میرے مرحوم دوست سید محمد محسن صاحب وفا سیتاپوری نے امّ الائمہ لکھکر اور مطبع یوسفی دہلی سے شائع کرا کر حافظ صاحب کی غلط بیانیوں اور سُنی سُنائی کہانیوں کی پوری تردید و تنقید فرما دی عطاہ اللہ خیر الجزاء ۱۲ المولف

نہیں جانتا۔ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر اور اُن کی مذہبی تصنیفات اور قومی خدمات کو ہندوستان میں کون نہیں جانتا۔ اور مذہبی حیثیت سے اُن کو ایک سُنّی فاضل حنفی عالم، مفسر اور مترجم القرآن اور ایک مشہور و معروف صاحب تالیف و تصنیف کون نہیں جانتا۔ شمس العلماء حافظ صاحب نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مصائب اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کے مسالک کو مجمل طور پر بیان کرکے ان واقعات پر جو اپنی رائے قائم کی ہے ہم اُسی کو اپنی موجودہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اور پھر حافظ صاحب موصوف کے اس مجمل مختار کو مفصل طور پر علیحدہ مباحث میں انشاء اللہ المستعان بیان کرینگے۔ حافظ صاحب کی اصلی عبارت یہ ہے[1]:-

جو شخص (وفات رسولؐ سے) سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے۔ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے سایہ اُٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوےٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط اُنہی کے ساتھ تھے۔ پھر اُنہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں۔ اُن لوگوں سے جنہوں نے رنج دیے تھے نہ بولیں۔ اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی منادی کرادی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

ورنہ اگر اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہوتا تو ہم اُن سے، باپ کے فوت ہونے پر کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دلی تمردہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے۔ برائے نام خلافت دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا تھا۔ مگر باغ فدک کے دیدینے میں ایسی کونسی قباحت تھی۔ نہ ایمان الیاب۔ حدیث معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ کے خلاف ہو بھی تو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہوکر صدقہ کھائیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اُس نا قابل برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ص ۱۵۲۔ رویائے صادقہ۔

مرقومۂ بالا عبارت لکھکر حافظ صاحب نے تو معاملۂ فدک کے جستہ جستہ سب حالات بھی لکھدیے اور برجستہ فیصلہ بھی کر دیا مگر تاہم اُنکے اس مجمل بیان سے اصل واقعات کی کوئی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہوئی۔ حافظ صاحب نے مجرمین فدک کی عیب پوشی کو اپنے اجمالی بیان میں پیش نظر رکھا ہے۔ اور حقیقتاً یہ اُن کی خوش اعتقادی کے لیے مناسب تھا اور شایاں۔ مگر عام اس سے کہ اُن کی وہ کتاب جس میں اُنہوں نے یہ حالات اور اپنے مختار رقائم فرمائے ہیں۔ ان حالات کی پوری تفصیل اور تشریح کی گنجائش اور مناسبت رکھتی ہو یا نہ ہو ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔ مگر ہمارا سلسلۂ بیان ان حالات کی پوری تفصیل۔ کامل تحقیق اور کافی تنقید کیے بغیر تمام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ان تمام بیانات کو اپنی موجودہ تالیف کرلیے حد سے زیادہ

---

[1] مرحوم حافظ صاحب نے نا ہنجار زمانہ کی موجودہ ناصبیت کا اثر سے متاثر ہوکر اپنی آخر تصنیف امہات الامۃ میں اپنے مندرجۂ بالا مختار کو قائم نہ رکھا اور ان معتقدات کو نسیاً منسیاً فرما گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ تو شیعہ اُن کے ہم طریق سُنّی ہندوستانیوں نے بھی اُنکی اس کتاب سے ایسی نفرت کا اظہار کیا کہ آخر مولوی صاحب کو اُسکی تمام چھپی ہوئی جلدیں جلوانی پڑیں۔ شیعہ اسپر بھی جواب سے باز نہ آئے۔[2]

[2] میرے مرحوم دوست سید محمد محسن صاحب وفا سیتاپوری نے ام الائمہ لکھکر اور مطبع یوسفی دہلی سے شائع کراکر حافظ صاحب کی غلط بیانیوں اور سُنی سُنائی کہانیوں کی پوری تردید و تنقید فرما دی۔ عطاہ اللہ خیر الجزاء (مولف عفی عنہ)

اُن سے دلوا دیا۔ تو (مسلمانو!) تم نے اُس کے لیے دوڑ دھوپ تو کی نہیں (نہ) گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے۔ مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قادر کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو (مال) اللہ اپنے رسولؐ کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسولؐ کا۔ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور بے توشہ مسافروں کا۔ (ترجمۂ قرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص۸۷)

اب اس ترجمہ کی عبارت کو ہمارے لائق ہمعصر کے مختار سے ملایا جائے۔ جو انہوں نے ابھی ابھی فے کے معنی میں لکھے ہیں کہ فے کے معنی رجوع کے ہیں۔ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ انہی کی طرف لوٹ آیا۔ تو مطلب و معانی تو در کنار مشیت ربانی کا اصل مدعا اور عدالت یزدانی کا حسن مقتضا کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم کی غرض تو یہ ہے کہ بغیر جنگ کیے حاصل شدہ اموال ہمارے ہوں اور ہمارے رسولؐ کے۔ مگر لائق ہمعصر اُن کو خواہ مخواہ تمام مسلمانوں کی طرف لوٹائے دیتے ہیں شاید ان کو ذی القربیٰ۔ الیتامیٰ والمساکین پر شبہہ ہوا ہے اور انھوں نے غلط فہمی سے عموماً تمام مسلمانوں کے عزیز و اقارب یتیم و مساکین کو اس میں داخل کر لیا ہے۔ یہ مختار اُن کا بالکل غلط ہے۔

حافظ نذیر احمد صاحب نے خطوط ہلالی میں رسولؐ کی خاص شرط لگا کر صحیح طور پر بتلا دیا ہے کہ اس آیۂ وافی ہدایہ میں جن اقارب یتیم اور مساکین کا ذکر کیا گیا ہے اُن سے صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز و اقارب یتیم و مساکین مراد ہیں۔ نہ تمام اہلِ اسلام کے کُنبے والے فقراء اور غرباء۔ کیونکہ اگر اس میں تعمیم کا دستور جاری کیا جائے تو فللّٰہ وللرسول کی تخصیص جو اصل مدعائے خداوندی اور تقاضائے عطائے ایزدی ہے بالکل بیکار ثابت ہوتی ہے۔ فھو غایۃ الاشکال ونہایۃ المحال۔

حالانکہ اسی تخصیص کو ہمارے لائق ہمعصر نے اپنی اسی کتاب میں کُل چار صفحوں کے بعد نہایت زوروں سے لکھا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ابو داؤد نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کر کے یہ گفتگو کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنان بے شوہر ہوتی تھیں ان کا نکاح اُسکی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ ص ۱۸۵۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اپنی اس تحریر کو [illegible] کے ترجمہ سے ملالیں اور سمجھ لیں کہ دونوں عبارتوں سے ذوی القربیٰ سے رسول کے قرابتدار یا صغیران اور زنان بے شوہران بنی ہاشم شامل ہوتے ہیں۔ یا عام مسلمان اور اُنکے قرابتدار۔ [illegible] یہ بھی غور کر لیں کہ عمل رسول اور سیرت پیغمبر سے بنی ہاشم کی تخصیص ثابت ہوتی ہے۔ یا تمام اہل اسلام کی تعمیم۔ [illegible] بعد اب فرمائیں کہ آپ کا پہلا مختار کہ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ انہی کی طرف لوٹ آیا۔ کہاں تک صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔ جب لائق ہمعصر کی تحریر ہی سے بنی ہاشم (قرابتدار رسولؐ) کی تخصیص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے [illegible] عمل اور مقدس سیرت سے ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر اس تخصیص میں خواہ مخواہ عام مسلمانوں کی تعمیم کی بیکار تاویل کرنا خود [illegible] اور نفسانیت نہیں تو کیا ہے۔

ہم اپنے لائق ہمعصر کے مزید اطمینان اور تشفی کے لیے عمل رسولؐ کی ایک اور خاص مثال سواد اعظم کے ایک مستند شمس العلماء صاحب کی اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلال کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ آتا۔ انکے پاس رہتا تھا۔ ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اُسی سے ادا کر دیا کرتے۔ ایک دفعہ بازار جا رہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا۔ ان سے کہا کہ تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کیا۔ ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تھے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا۔ اور ان سے کہا کہ دیکھو [illegible] انہوں نے اس [illegible]

اُن سے دلوادیا۔ تو (مسلمانو!) تم نے اُس کے لیے دوڑ دھوپ تو کی نہیں (نہ) گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے۔ مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قادر کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو (مال) اللہ اپنے رسولؐ کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوادے تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسولؐ کا۔ اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور بے توشہ مسافروں کا (ترجمۂ قرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص۸۸۴)

اب اس ترجمہ کی عبارت کو ہمارے لائق ہمعصر کے مختار سے ملایا جائے۔ جو انہوں نے ابھی ابھی فے کے معنی میں لکھے ہیں کہ فے کے معنی رجوع کے ہیں۔ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ انہی کی طرف لوٹ آیا" تو مطلب ومعانی تو درکنار مشیت ربانی کا اصل مدعا اور عدالت یزدانی کا حسن مقتضا کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم کی غرض تو یہ ہے کہ بغیر جنگ کیے حاصل شدہ اموال ہمارے ہوں اور ہمارے رسولؐ کے۔ مگر لائق ہمعصر اُن کو خواہ مخواہ تمام مسلمانوں کی طرف لوٹائے دیتے ہیں شاید ان کو ذی القربیٰ۔ الیتامیٰ والمساکین پر شبہہ ہوا ہے۔ اور انھوں نے غلط فہمی سے عموماً تمام مسلمانوں کے عزیز واقارب یتیم ومساکین کو اس میں داخل کر لیا ہے۔ یہ مختار اُن کا بالکل غلط ہے۔

حافظ نذیر احمد صاحب نے خطوط ہلالی میں رسولؐ کی خاص شرط لگا کر صحیح طور پر بتلا دیا ہے کہ اس آیۂ وافی ہدایہ میں جن اقارب یتیم اور مساکین کا ذکر کیا گیا ہے اُن سے صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز واقارب یتیم ومساکین مراد ہیں۔ نہ تمام اہلِ اسلام کے کنبے والے فقرا اور غربا۔ کیونکہ اگر اس میں تعمیم کا دستور جاری کیا جائے تو فللّٰہ وللرسول کی تخصیص جو اصل مدعائے خداوندی اور تقاضائے عطائے ایزدی ہے بالکل بیکار ثابت ہوتی ہے۔ فھو غایۃ الاشکال ونھایۃ المحال۔

حالانکہ اسی تخصیص کو ہمارے لائق ہمعصر نے اپنی اسی کتاب میں کل چار صفحوں کے بعد نہایت زوروں سے لکھا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ابو داؤد نے مغیرہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کر کے یہ گفتگو کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنان بے شوہر ہوتی تھیں اُن کا نکاح اُسکی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ ص ۱۸۰۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اپنی اس تحریر کو ان حافظ صاحب کے ترجمہ سے ملالیں اور سمجھ لیں کہ دونوں عبارتوں سے ذوی القربیٰ یا رسول کے قرابتدار یا صغیران اور زنان بے شوہران بنی ہاشم شامل ہوتے ہیں۔ یا عام مسلمان اور اُنکے قرابتدار۔ اور یہ بھی غور کر لیں کہ عمل رسول اور سیرت پیغمبر سے بنی ہاشم کی تخصیص ثابت ہوتی ہے۔ یا تمام اہل اسلام کی تعمیم۔ غور کرنے کے بعد اب فرمائیں کہ آپ کا پہلا مختار کہ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ اُنہی کی طرف لوٹ آیا۔ کہاں تک صحیح ثابت ہوسکتا ہے۔ جب لائق ہمعصر کی تحریر ہی سے بنی ہاشم (قرابتدار رسولؐ) کی تخصیص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے [illegible] عمل اور مقدس سیرت سے ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر اس تخصیص میں خواہ مخواہ عام مسلمانوں کی تعمیم کی بیکار تاویل کرنا خود [illegible] اور نفسانیت نہیں تو کیا ہے۔

ہم اپنے لائق ہمعصر کے مزید اطمینان اور تشفی کے لیے عمل رسول کی ایک اور خاص مثال سواد اعظم کے ایک مستند شمس العلماء صاحب کی اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

شمس العلما مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلال کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ آتا۔ انکے پاس رہتا تھا۔ ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لے آتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اُسی سے ادا کر دیا کرتے۔ ایک دفعہ بازار جا رہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا۔ ان سے کہا کہ تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کیا۔ ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا۔ اور اُن سے کہا کہ او حبشی! انہوں نے اس [illegible]

آیۂ وانی ہدایہ کا لفظ لفظ اور حرف حرف آپ کے پیشِ نظر ہے۔ مگر تفسیر کرتے وقت اس کے مصارف کی تفصیل میں اس کے صرف کیے جانے کی ضرورتوں کو نہ ذوی القربےٰ سے متعلق بتلاتے ہیں نہ مساکین اور ابن السبیل کی نسبت۔ حالانکہ اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جس آیۂ قرآنی کی تفسیر کر رہے ہیں اور جس حکمِ ربانی کی تعبیر اُس میں ذوی القربےٰ۔ ایتام اور ابن السبیل کی تفریق و تخصیص موٹے موٹے حرفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ مگر آپ کو کسی خاص ضرورت سے ایسی محویت اور خود فراموشی لاحقِ حال ہے کہ نہ ذوی القربےٰ پر نظر پڑتی ہے اور نہ ابن السبیل پر نگاہ جاتی ہے۔ بلکہ ان گروہِ مخصوصین کے مصارف منصوصہ کی جگہ ایک نئی ضرورت کی جس کا کہ نہ اس آیت میں کہیں نام ہے نہ نشان۔ خواہ مخواہ کی محض بیجا تاویل کر دی جاتی ہے۔ اور لکھ دیا جاتا ہے کہ عیال کا خرچ نکالکر باقی کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اس سراپا مہمل اور موضوع تاویل کے لیے کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔

اگر عیال کے لفظ پر زور دیا جاتا ہے کہ اسی میں آپ کے سب اعزّہ اور اقارب آگئے تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی شخص کے اہل و عیال سے اُسکے رشتے ناتے والے کیسے سمجھے جائیں گے۔ یا تمام قوم کے عام یتیم۔ غربا اور مساکین آپ کے عیال کے دائرے میں کیسے آجائینگے نہیں معلوم کہ کس زبان کی لغت عیال کی یہ تفصیل مندرج ہے۔

بہر حال۔ عیال سے ذوی القربےٰ۔ یتامےٰ اور غرباؤ مساکین مراد لینا تو ہمام مجانین کا کام ہوگا۔ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ تو اب یہ معلوم ہوگیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو اپنے عیال پر صرف فرماتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ فرماتے تھے۔ عیال پر صرف فرمانے کے لیے آپ کو تاہم [illegible] خدا کی طرف سے صریح اور صحیح طور پر جانے گئے [illegible] اگر یہ مان بھی لیا جائے تاہم فریقین کی تمام اسنادِ معتبرہ اور اشہادِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپکی آل عترت [illegible]

ذوی القربےٰ۔ ان تمام متحد المعنی الفاظ کا اطلاق اصلی پھر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولادِ طاہرین پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ کے تیسرے نمبر کتاب ذبحِ عظیم میں بالتفصیل بیان کر آئے ہیں۔ ومن شاء فلیرجع الیہ۔

اس طریقہ سے ہمارے ہمعصر مؤلف اور اُن کے امام رازی صاحب کے قول سے یہ امر پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو سب سے پہلے اپنی اور جنابِ سیدہؑ (ذوی القربےٰ) کی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔

عیال کے بعد ہتھیاروں کی خریداری کا خرچ بتلایا گیا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قرآن میں تو اس کی تصریح نہیں کیگئی۔ اُس میں تو ذوی القربےٰ۔ یتامےٰ اور ابن السبیل کی تفصیل ہے۔ اس نوایجاد اضافہ کی مجبوری صرف اسی بنا پر مبنی ہے کہ ذوی القربےٰ کی تنصیص و تخصیص کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر تعمیم کے اندر داخل کر دیا جائے۔ اور اس ترکیب و تدبیر سے ذوی القربےٰ کے خالصہ کو عام مسلمانوں کا گوشوارہ قرار دیدیا جائے۔

بہتر۔ یوں ہی سہی۔ اگر بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ عیال کے خرچ کے بعد جو بچتا تھا وہ ہتھیاروں وغیرہ کی خریداری میں صرف ہوتا تھا تو وہ ہتھیار اور اسلحہ بھی رسولؐ ہی کی ملک ہوتے تھے۔ اور اُنکی تمام ضرورتیں بھی تو آپ ہی کی ضرورتیں تھیں۔ کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ آپ کو غزوات کے موقعوں پر ان کی ناگزیر ضرورتیں ہوا کرتی تھیں۔ تمام اعزّہ اور اقارب جانفروشی کے لیے ہمیشہ رکاب میں حاضر رہا کرتے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے گھر بھی بھرا پڑا تھا بنی ہاشم تو بجائے خود شمار کے اعتبار سے ایک رسالہ کی صورت میں قریب قریب تیار اور مرتب ہو سکتے تھے۔ اس بنا پر اگر آپنے اپنے لیے اپنے ان اعزّہ اور قرابتداروں کے لیے جنگ و جدال کی ناگزیر ضرورتوں میں فدک کے محاصل سے ہتھیار خرید فرمائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اپنے اور اپنے قرابتداروں کے لیے [illegible]

آیۂ وافی ہدایہ کا لفظ لفظ اور حرف حرف آپ کے پیشِ نظر ہے۔ مگر تفسیر کرتے وقت اس کے مصارف کی تفصیل میں اس کے صرف کیے جانے کی ضرورتوں کو نہ ذوی القربیٰ سے متعلق بتلاتے ہیں نہ مساکین اور ابن السبیل کی نسبت۔ حالانکہ اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جس آیۂ قرآنی کی تفسیر کر رہے ہیں اور جس حکمِ ربانی کی تعبیر اُس میں ذوی القربیٰ۔ ایتام اور ابن السبیل کی تفریق وتخصیص موٹے موٹے حرفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ مگر آپ کو کسی خاص ضرورت سے ایسی محویت اور خود فراموشی لاحق حال ہے کہ نہ ذوی القربیٰ پر نظر پڑتی ہے اور نہ ابن السبیل پر نگاہ جاتی ہے۔ بلکہ ان گروہِ مخصوصین کے مصارفِ منصوصہ کی جگہ ایک نئی ضرورت کی جس کا کہ نہ اس آیت میں کہیں نام ہے نہ نشان۔ خواہ مخواہ کی محض بیجا تاویل کر دی جاتی ہے۔ اور لکھ دیا جاتا ہے کہ عیال کا خرچ نکال کر باقی کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اس سراپا جہل اور موضوع تاویل کے لیے کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔

اگر عیال کے لفظ پر زور دیا جاتا ہے کہ اسی میں آپ کے سب اعزّہ اور اقارب آ گئے تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی شخص کے اہل وعیال سے اسکے رشتے ناتے والے کیسے سمجھے جائیں گے۔ یا تمام قوم کے عام یتیم۔ غربا اور مساکین آپ کے عیال کے دائرے میں کیسے آ جائینگے۔ نہیں معلوم کہ کس زبان کی لغت عیال کی یہ تفصیل مندرج ہے۔

بہر حال۔ عیال سے ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور غربا و مساکین مراد لینا تو عام مجانین کا کام ہوگا۔ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ تو اب یہ معلوم ہو گیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو اپنے عیال پر صرف فرماتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ فرماتے تھے۔ عیال پر صرف فرمانے کے لیے آپ کو تمام خدا کی طرف سے صریح اور صحیح طور پر مجاز کیے گئے تھے [illegible] اگر یہ مان بھی لیا جائے تاہم فریقین کی تمام اسنادِ معتبرہ اور اشہادِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ کی آل۔ عترت۔ [illegible]

ذوی القربیٰ۔ ان تمام متحد المعنیٰ الفاظ کا اطلاق اصلی پھر جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کی اولادِ طاہرین پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ کے تیسرے نمبر۔ کتاب ذبحِ عظیم میں بالتفصیل بیان کر آئے ہیں۔ ومن شاء فلیرجع الیہ۔

اس طریقہ سے ہمارے ہمعصر مؤلف اور اُن کے امام رازی صاحب کے قول سے یہ امر پورے طور پر ثابت ہو گیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو سب سے پہلے اپنی اور جنابِ سیّدہؑ (ذوی القربیٰ) کی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔

عیال کے بعد ہتھیاروں کی خریداری کا خرچ بتلایا گیا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قرآن میں تو اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ اُس میں تو ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور ابن السبیل کی تفصیل ہے۔ اس تو ایجاد واضافہ کی مجبوری صرف اسی بنا پر مبنی ہے کہ ذوی القربیٰ کی تنصیص وتخصیص کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر تعمیم کے اندر داخل کر دیا جائے۔ اور اس ترکیب وتدبیر سے ذوی القربیٰ کے خالصہ کو عام مسلمانوں کا گوشوارہ قرار دیدیا جائے۔

بہتر۔ یوں ہی سہی۔ اگر بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ عیال کے خرچ کے بعد جو بچتا تھا وہ ہتھیاروں وغیرہ کی خریداری میں صرف ہوتا تھا تو وہ ہتھیار اور اسلحہ بھی رسولؐ ہی کی ملک ہوتے تھے۔ اور انکی تمام ضرورتیں بھی تو آپ ہی کی ضرورتیں تھیں۔ کیونکہ یہ تو مسلّم ہے کہ آپ کو غزوات کے موقعوں پر ان کی ناگزیر ضرورتیں ہوا کرتی تھیں۔ تمام اعزّہ اور اقارب جانفروشی کے لیے ہمیشہ رکاب میں حاضر رہا کرتے تھے۔ خدا کے فضل وکرم سے گھر بھی بھرا پڑا تھا یعنی ہاشم [illegible] مطلب شمار کے اعتبار سے ایک رسالہ کی صورت میں قریب قریب تیار اور مرتب ہو سکتے تھے۔ اس بنا پر اگر آپ نے اپنے [illegible] اعزّہ اور قرابتداروں کے لیے جنگ وجدال کی ناگزیر ضرورتوں میں فدک کے محاصل سے ہتھیار خرید فرمائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور اپنے قرابتداروں کے لیے [illegible] بالکل [illegible]

میں ارشادِ ربانی ہو چکا ہے۔ اگر حقیقتاً حربہ، ہتھیار اور دیگر اسلحہ
کے اخراجات کی کوئی بھی اصل ہوتی تو حضرت ابوبکر جنابِ سیدہ
سلام اللہ علیہا سے بیان فرما دیتے۔ اور ایثارِ عاقبہ کے ساتھ انکو
مصارف کی ضرورتیں بھی بتلا دیتے۔ غیرت اور عبرت سے غور
کرنا چاہیے کہ ایسی حالت میں صدیق اکبر کے قول پر اعتبار
کیا جائے یا امام فخر الدین رازی صاحب کے مختار پر ع

بحیرتم چہ کنم ہیچ بر نمی آید

ہمارے لائق ہمعصر اب دونوں حضرات کے مختلف فیہ اقوال
میں خود امتیاز فرمالیں اور مجھ کو کسی تصفیہ کی تکلیف نہ دیں۔
ان تمام دلائل اور اُن کی اسناد کو پیشِ نظر رکھکر جو ہم اس
بحث کے متعلق لکھ آئے ہیں یہ امر پورے طور سے ظاہر
اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام موضوعات اور مصنوعات صرف
ذوی القربےٰ کی تخصیص مٹانے اور اُن کے حقوق کے گھٹانے
کے لیے خاص طور پر ایجاد کیے گئے ہیں۔ چونکہ ان بے اصل
تاویلوں سے اپنی غرض نکلتی تھی اور مدعا پورا ہوتا تھا اس
لیے خود غرض محدثین سلف نے لکھا۔ اور متعصب مفسرین
خلف نے اُسی خود غرضی اور تعصب کی بنا پر آج تک اپنی اپنی
تالیفات میں اس کی نقل جاری رکھی۔ ورنہ جب اسکی کامل
تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اس کی کوئی بنا ہے
اور نہ کوئی اصلیت۔ ان موضوعات سے پشتاروں کے پشتارے
بھرے پڑے ہیں اور یہ سب سلاطین امویہ کے ایام کی یادگار
صنعت و حرفت ہے۔

بہرحال۔ ہمارے لائق ہمعصر ان بیانات کو لکھکر فدک کے متعلق
اپنی یہ رائے قائم کرتے ہیں۔

فے کا مال غنیمت کے مال سے صرف اس بات میں فرق رکھتا ہے
کہ اس میں کسی دوسرے کا حصہ غنیمت کے مال کی طرح نہیں
ہوتا۔ اور وہ رسولِ خدا صلعم کے اختیار میں رکھا گیا۔ تاکہ آپ
اس پر مستقلانہ قابض رہیں اور خدا کی مرضی اور حکم کے مطابق
اُسے کام میں لائیں۔ بعد آپ کے خلیفۂ وقت اور امام زمان کو
قبضہ اور اختیار میں دیا گیا تاکہ وہ بھی اُنہی مصارف میں صرف
کریں جن میں رسول خدا صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سے
صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فے کے مال پر [illegible]
ملکیت آپ کی نہ تھی میراث جاری نہیں [illegible]
فدک اموال فے میں سے تھا اس [illegible] آنحضرت [illegible]
متروکہ میں بالفرض میراث جاری بھی ہو جاتی اور میراث کے حکم
سے آپ کی ذاتِ مبارک مستثنےٰ بھی نہ ہوتی تاہم فدک بوجہ
نہ ہونے ذاتی ملکیت کے تقسیم اور اجرائے احکام میراث
سے مستثنےٰ رہتا۔ چونکہ رسول اللہ صلعم فدک کی پیداوار کا
کچھ حصہ اپنے اہل و عیال کے لیے نکالکر باقی مسافروں
پر خرچ کر دیتے تھے۔ اس لیے آپ کے وصال کے بعد بعض
مفسدوں نے جو اسلام کو پھلا پھولا نہ دیکھ سکتے تھے حضرت
فاطمہؑ زہرا کو یہ یقین دلایا کہ فدک رسول اللہ صلعم کی خاص
ملکیت ہے۔ اور چونکہ آپ کے سوا اس کا جائز وارث اور کوئی
نہیں ہو سکتا اس لیے آپ ابتدائے خلافت کے وقت میں
حضرت صدیق اکبر کے پاس تشریف لائیں اور والد بزرگوار
کے وارث ہونے کی حیثیت سے فدک کا دعوےٰ قرآن حمید
کی آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین
کے بموجب آپ نے اُن کی عدالت میں دائر کیا۔ اس آیت
شریف کا منشا یہ ہے کہ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ
یہ حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔
ابوبکر صدیق نے جناب فاطمہؑ کو یہ جواب دیا کہ پیغمبروں کے
مال میں وراثت کا مسئلہ جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ سنکر حضرت
زہرا ابوبکر سے ناراض ہو کر چلی گئیں اور مرتے دم تک
نہ بولیں۔

فدک کے متعلق ہمعصر مؤلف کے یہ معتقدات ہیں اور اعتقادات
جن کو ہم نے اُن کی اصلی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔ اس
عبارت کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ علاقۂ فدک سے
تنہا جنابِ سیدہؑ کے حقوق اُٹھا دینے کے لیے نہیں بلکہ جناب
رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بھی تمام استحقاق ملکیت
مالکیت اور حقوق تصرف مٹانے اور گھٹانے کے لیے کس
بیدردی سے کام لیا گیا ہے۔ صورت واقعہ بھی اس مغالطے
سے بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام [illegible]

میں ارشادِ ربّانی ہو چکا ہے۔ اگر حقیقتاً حربہ ہتھیار اور دیگر اسلحہ کے اخراجات کی کوئی بھی اصل ہوتی تو حضرت ابوبکر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے بیان فرما دیتے۔ اور ایثارِ عامہ کے ساتھ اُن مصارف کی ضرورتیں بھی بتلا دیتے۔ غیریت اور عبرت سے غور کرنا چاہیے کہ ایسی حالت میں صدیقِ اکبر کے قول پر اعتبار کیا جائے یا امام فخر الدین رازی صاحب کے مختار پر ؎

بحیرتم چہ کنم ہیچ بر نمی آید

ہمارے لائق ہمعصر اب دونوں حضرات کے مختلف فیہ اقوال میں خود امتیاز فرما لیں اور مجھ کو کسی تصفیہ کی تکلیف نہ دیں۔ ان تمام دلائل اور اُن کی اسناد کو پیشِ نظر رکھ کر جو ہم اس بحث کے متعلق لکھ آئے ہیں یہ امر پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام موضوعات اور مصنوعات صرف ذوی القربےٰ کی تخصیص مٹانے اور اُن کے حقوق کے گھٹانے کے لیے خاص طور پر ایجاد کیے گئے ہیں۔ چونکہ ان بے اصل تاویلوں سے اپنی غرض نکلتی تھی اور مدعا پورا ہوتا تھا اس لیے خود غرض محدثین سلف نے لکھا۔ اور متعصب مفسرین خلف نے اُسی خود غرضی اور تعصب کی بنا پر آج تک اپنی اپنی تالیفات میں اس کی نقل جاری رکھی۔ ورنہ جب اسکی کامل تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اس کی کوئی بنا ہے اور نہ کوئی اصلیت۔ ان موضوعات سے پشتاروں کے پشتارے بھرے پڑے ہیں اور یہ سب سلاطینِ اموّیہ کے ایام کی یادگار صنعت و حرفت ہے۔

بہرحال۔ ہمارے لائق ہمعصر ان بیانات کو لکھکر فدک کے متعلق اپنی یہ رائے قائم کرتے ہیں۔

فئے کا مال غنیمت کے مال سے صرف اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا حصّہ غنیمت کے مال کی طرح نہیں ہوتا۔ اور وہ رسولِ خدا صلعم کے اختیار میں رکھا گیا۔ تاکہ آپ اس پر متولیانہ قابض رہیں اور خدا کی مرضی اور حکم کے مطابق اُسے کام میں لائیں۔ بعد آپ کے خلیفۂ وقت اور امامِ زمان کو قبضہ اور اختیار میں دیا گیا تاکہ وہ بھی اُنہی مصارف میں صرف کریں جن میں رسولِ خدا صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فئے کے مال پر [illegible] ذاتی ملکیت آپ کی نہ تھی میراث جاری نہ ہو [illegible] فدک اموالِ فئے میں سے تھا [illegible]

متروکہ میں بالفرض میراث جاری بھی ہو جاتی اور میراث [illegible] سے آپ کی ذاتِ مبارک مستثنےٰ بھی نہ ہوتی تاہم فدک بوجہ نہ ہونے ذاتی ملکیت کے تقسیم اور اجرائے احکامِ میراث سے مستثنےٰ رہتا۔ چونکہ رسول اللہ صلعم فدک کی پیداوار کا کچھ حصّہ اپنے اہل و عیال کے لیے نکالکر باقی مسافروں پر خرچ کر دیتے تھے۔ اس لیے آپ کے وصال کے بعد بعض مفسدوں نے جو اسلام کو پھلا پھولا نہ دیکھ سکتے تھے حضرت فاطمہؑ زہرا کو یہ یقین دلایا کہ فدک رسول اللہ صلعم کی خاص ملکیت ہے۔ اور چونکہ آپ کے سوا اس کا جائز وارث اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لیے آپ ابتدائے خلافت کے وقت میں حضرت صدیقِ اکبر کے پاس تشریف لائیں اور والدِ بزرگوار کے وارث ہونے کی حیثیت سے فدک کا دعوےٰ فرقانِ حمید کی آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کے بموجب آپ نے اُن کی عدالت میں دائر کیا۔ اس آیت شریف کا منشا یہ ہے کہ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ یہ حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصّہ دیا کرو۔ ابوبکر صدیق نے جنابِ فاطمہؑ کو یہ جواب دیا کہ پیغمبروں کے مال میں وراثت کا مسئلہ جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ سنکر حضرت زہرا ابوبکر سے ناراض ہو کر چلی گئیں اور مرتے دم تک نہ بولیں۔

فدک کے متعلق ہمعصر مؤلف کے یہ معتقدات ہیں اور واقعات جن کو ہم نے اُن کی اصلی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔ اس عبارت کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ علاقۂ فدک سے تنہا جنابِ سیدہؑ کے حقوق اُٹھا دینے کے لیے نہیں بلکہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی تمام استحقاقِ ملکیت متعلقہ اور حقوقِ تصرف مٹانے اور گھٹانے کے لیے کس بیبیدی سے کام لیا گیا ہے۔ صورتِ واقعہ بھی اس اختصار سے بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ

خلیفہ صاحب کی عدالت میں ان دعاوی پر تحقیقیں قائم ہوئیں۔ شاہد گزرے۔ بیانات لیے گئے۔ غرضکہ پورے احتجاج سے ہر ایک امر کی بڑی چھان بین کی گئی اور تلاش و تحقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر آخر میں ان تمام شواہد و ثبوت کو پس پشت رکھکر خلیفہ صاحب اپنے اسی مختار پر جس کو وہ پہلے ہی بیان کرچکے تھے قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرکے عدالت کے فرض سے فارغ ہوئے۔ اور فاطمہؑ کے اتنے دعووں میں سے ایک کی بھی ڈگری نہیں دی۔

اب اسی سے لائق ہمعصر کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ معاملہ کتنا طول طویل اور پُرتفصیل تھا اور زمانہ کے خودغرضوں نے صرف نامعتبر اور معمولی دکھلانے کی غرض سے اس کو کس قدر مختصر بنا دیا ؎

پسند اشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد
بر گردن او بماند و بر من بگذشت

اب ہم اس واقعہ کو سوادِ اعظم کے معتبرین و مستندین محدثین اور علماء کی تالیفوں میں سے قلمبند کرتے ہیں۔ وراثت کی بنا پر حضرت سیدہؑ کا دعوٰے کرنا۔ چونکہ لائق ہمعصر تسلیم کرچکے ہیں اس کی تفصیل کو ہم پیچھے لکھیں گے۔ پہلے ہم ہبہ کے متعلق جسکو وہ بالکل کھا بدے ہیں انہی کے علماء و محدثین کے اقوال و اسناد پیش کرتے ہیں۔ ہبۂ فدک کے متعلق محمد ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں:-

اخبرنا محمد ابن عمر اخبرنا ھشام ابن سعد عن زید ابن مسلم عن ابیہ قال سمعت عمر یقول لما کان الیوم الذی توفی فیہ رسول اللہ صلعم بویع لابی بکر فی ذٰلک الیوم فلما کان من الغد جاءت فاطمۃ الی ابی بکر ومعھا علی فقالت میراثی من رسول اللہ ابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ابوبکر من الرثۃ او من العقد قالت فدک وخیبر وصدقاتہ بالمدینۃ ارثھا کما یرثک بناتک اذا مت فقال ابوبکر ابوک واللہ خیر منی وانت واللہ خیر من بناتی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ یعنی ھذہ الاموال القائمۃ فتعلمین ان اباک اعطاکھا فواللہ لئن قلت نعم لاقبلن قولک ولاصدقنک قالت جاءتنی ام ایمن انہ اعطانی فدک قال فسمعتہ یقول ھی لک فاذا قلت فھی لک وانا اصدقک واقبل قالت اخبرتک ما عندی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ محمد ابن عمر نے ہشام ابن سعد سے اور اُسنے زید ابن مسلم اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ جس دن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اسی دن لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کرلی۔ اس کی صبح کو جناب سیدہؑ حضرت علیؑ مرتضےٰ کے ہمراہ ابوبکر کے پاس تشریف لائیں اور ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پدر بزرگوار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث چاہتی ہوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ آسے بقاعدہ میراث چاہتی ہیں یا بطریقۂ اقرار و میثاق۔ آپ نے جواب میں ارشاد کیا کہ فدک۔ خیبر اور مدینہ کی املاک و ابواب صدقات ہماری ارث میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح تمہاری میراث تمہارے مرنے کے بعد تمہاری بیٹیوں کی ارث میں آجائے گی۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم آپ کے پدر بزرگوار مجھ سے بدرجہا بہتر تھے۔ اور اسی طرح آپ میری بیٹیوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ لیکن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماگئے ہیں کہ میرا کوئی وارث نہیں۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں وہ سب صدقہ ہے۔ یعنی تمام اموال قائمہ۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ آپکے والد بزرگوار ان اموال کو عطا فرماگئے ہیں۔ اور قسم بخدا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آپ کے کہنے کو مان لیتا۔ اور آپکی تصدیق کرتا۔ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ امّ ایمن کی معرفت میرے پاس آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ نے علاقۂ فدک مجھے عنایت فرمایا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر میں نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہوتا تو میں آپ سے کہتا کہ میں نے ایسا سنا ہے اور آپ کی تصدیق کرتا اور آپ کے قول کو قبول کرتا۔ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد کیا کہ میرے پاس جو خبر تھی وہ میں نے تمہیں پہنچا دی۔

خلیفہ صاحب کی عدالت میں ان دعاوی پر تحقیقیں قائم ہوئیں۔ شاہد گزرے۔ بیانات لیے گئے۔ غرضکہ پورے احتجاج سے ہر ایک امر کی بڑی چھان بین کی گئی اور تلاش و تحقیق کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر آخر میں ان تمام شواہد و ثبوت کو پس پشت رکھکر خلیفہ صاحب اپنے اُسی مختار پر جس کو وہ پہلے ہی بیان کر چکے تھے قائم رہے اور اُسی کے مطابق فیصلہ کر کے عدالت کے فرض سے فارغ ہوئے۔ اور فاطمہؑ کے اتنے دعووں میں سے ایک کی بھی ڈگری نہیں دی۔

اب اسی سے لائق ہمعصر کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ معاملہ کتنا طول طویل اور پُر تفصیل تھا اور زمانہ کے خود غرضوں نے صرف نامعتبر اور معمولی دکھلانے کی غرض سے اس کو کس قدر مختصر بنا دیا ؎

پسند اشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد
بر گردن او بماند و بر من بگذشت

اب ہم اس واقعہ کو سوادِ اعظم کے معتبرین و مستندین محدثین اور علماء کی تالیفوں میں سے قلمبند کرتے ہیں۔ وراثت کی بنا پر حضرت سیدہؑ کا دعوے کرنا۔ چونکہ لائق ہمعصر تسلیم کر چکے ہیں اُس کی تفصیل کو ہم پیچھے لکھیں گے۔ پہلے ہم ہبہ کے متعلق جسکو وہ بالکل کھا بدے ہیں اُنہی کے علماء و محدثین کے اقوال و اسناد پیش کرتے ہیں۔ ہبۂ فدک کے متعلق محمد ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں:۔

اخبرنا محمد ابن عمر اخبرنا هشام ابن سعد عن زيد ابن مسلم عن ابيه قال سمعت عمر يقول لما كان اليوم الذی توفی فيه رسول الله صلعم بويع لابی بكر فی ذلك اليوم فلما كان من الغد جاءت فاطمة الى ابی بكر ومعها علی فقالت ميراثی من رسول الله ابی صلی الله عليه وآله وسلم فقال ابو بكر من الرثة او من العقد قالت فدك وخيبر وصدقاته بالمدينة ارثها كما يرثك بناتك اذا مت فقال ابو بكر ابوك والله خير منی وانت والله خير من بناتی وقد قال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم لا نورث ما تركنا صدقة يعنی هذه الاموال القائمة فتعلمين ان اباك اعطاكها فوالله لئن قلت نعم لاقبلن قولك ولاصدقنك قالت جاءتنی ام ايمن انه اعطانی فدك قال فسمعته يقول هی لك فاذا قلت فهی لك وانا اصدقك واقبل قالت اخبرتك ما عندی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ محمد ابن عمر نے ہشام ابن سعد سے اور اُسنے زید ابن مسلم اور اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ جس دن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اُسی دن لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اُس کی صبح کو جناب سیدہؑ حضرت علیؑ مرتضےٰ کے ہمراہ ابوبکر کے پاس تشریف لائیں اور ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پدر بزرگوار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث چاہتی ہوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ آسے بقاعدہ میراث چاہتی ہیں یا بطریقہ اقرار و میثاق۔ آپ نے جواب میں ارشاد کیا کہ فدک۔ خیبر اور مدینہ کی املاک و ابواب صدقات ہماری ارث میں اُسی طرح داخل ہیں جس طرح تمہاری میراث تمہارے مرنے کے بعد تمہاری بیٹیوں کی ارث میں آجائے گی۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم آپ کے پدر بزرگوار مجھ سے بدرجہا بہتر تھے۔ اور اسی طرح آپ میری بیٹیوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ لیکن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا کوئی وارث نہیں۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں وہ سب صدقہ ہے۔ یعنی تمام اموال قائمہ۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ آپکے والد بزرگوار ان اموال کو عطا فرما گئے ہیں۔ اور قسم بخدا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آپ کے کہنے کو مان لیتا۔ اور آپکی تصدیق کرتا۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ امّ ایمن کی معرفت میرے پاس آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ نے علاقہ فدک مجھے عنایت فرمایا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہوتا تو میں آپ سے کہتا کہ میں نے ایسا سنا ہے اور آپ کی تصدیق کرتا اور آپ کے قول کو قبول کرتا۔ آپ نے اُسی کے جواب میں ارشاد کیا کہ میرے پاس جو خبر تھی وہ میں نے تمہیں پہنچا دی۔

فرمائی تو جناب سیدہ علیہا السلام نے یہ دعوے پیش کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فدک کو انہیں ہبہ فرما دیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ آپ غربا کے نزدیک عزیز ترین ہیں اور بمقابلۂ متمولین محبوب ترین۔ لیکن میرے نزدیک آپ کے قول کی صحت نہیں ہوتی۔ اور میں آپ کے قول پر اس وجہ سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ پس حضرت ام ایمن اور ایک غلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گواہیاں دیں۔ ابوبکر نے اُنکی گواہیاں اُس طریقہ پر لینی چاہیں جو از روئے شرع قبولِ شہادت کے لیے قائم ہیں۔ لیکن اُن کی گواہیاں ایسی نہ ہوسکیں۔ پس ابوبکر نے اس معاملہ میں وہی طریقہ جاری رکھا جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جاری فرما گئے تھے۔

ابھی اسی جیسے کثرت سے اہلسنت کے اسناد و اشہاد ہمارے پیش نظر ہیں جن کو ہم طوالت اور تکرار در تکرار کے خوف سے مرفوع القلم کرتے ہیں اور صرف انہی تینوں مرقومۂ بالا اسناد کو اپنے مدعائے بیان کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اس طومار کو بخاری کے اس اختصار سے ملائیں جنہوں نے معاملۂ فدک کے تمام حالات کو صرف دو باتیں لکھکر یسئلہ عن میراثھا من رسول اللہ فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ تمام کر دیا۔

ہم کو بخاری صاحب کے اس اختصار پر ذیل کا لطیفہ یاد آیا ہے جو اُن کے موجودہ اختصار پر پورے طور سے چسپاں ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

ایک صاحب نے اپنے کسی دوست سے نظامی کی یوسف زلیخا کی بڑی تعریف کی۔ اتفاق سے اُن صاحب کو نظامی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اُن کی تعریف کے جواب میں کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ یوسف زلیخا کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ اُس میں ہے کیا سوائے اسکے کہ۔ پیرے بود پسرے داشت گم شد باز یافت۔

بخاری صاحب نے اتنے بڑے عظیم الشان معاملہ کی اپنی خودغرضانہ اختصار سے یہ نوبت پہنچائی اور اپنے متعصبانہ اعتقادات سے یہ گت بنائی کہ ع خیرہ ماند درو دیدۂ اولی الابصار۔

مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہوگیا کہ فدک کے معاملہ میں خلیفہ صاحب نے پورے احتجاج اور کامل اجتہاد سے کام لیا ہے۔ گواہیاں لیں۔ بیانات لیے۔ جرحیں کیں۔ غرض سب کچھ تو ہوا۔ کیا رہ گیا۔ مگر اس کے بعد بھی جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور جو اُن کو کرنا تھا وہ کیا۔ اتنی اشہاد اور اسناد پر بھی خلیفہ صاحب کی تسکین نہیں ہوئی۔ اور اُن کو اپنے اجتہاد و اختیار سے جو اوّل روز کرنا منظور تھا وہی آخر روز تک بنا رہا۔ اور اُسی کے مطابق اُن کے دار الانصاف سے فیصلہ سُنا دیا گیا۔

مگر خلیفہ صاحب کی اس فیصلہ کی نسبت زمانہ اور راہلِ زمانہ نے جو رائے قائم کی وہ اس بحث کی ابتدا میں شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب کی رائے اور مختار سے ثابت کرآئے ہیں۔ مگر ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کے لیے ایک بہت بڑے قدیم سُنّی عالم کا مختار بھی ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:-

سألت علی ابن علی الفارقی الشافعی مدرس المدرسۃ الغربیۃ ببغداد فقلت لہ اکانت صادقۃ قال نعم فقلت فلم یدفع الیھا ابوبکر فدک وھی عندہ صادقۃ فتبسم ثم قال کلاماً لطیفاً قال لو اعطاھا الیوم فدک بمجرد دعواھا لجاءت الیہ غداً وادعت لزوجھا الخلافۃ وزحزحتہ عن مقامہ ولم یمکنہ الاعتذار والمدافعۃ بشیٔ لانہ یکون قد اسجل علی نفسہ بانھا صادقۃ فیما تدعی۔

علی ابن علی فاروقی شافعی سے جو مدرسۂ عربیہ بغداد کے مدرس تھے میں نے (ابن ابی الحدید) پوچھا کہ آیا جناب سیدہ اپنے دعوے میں سچی تھیں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں میں نے عرض کی کہ حضرت ابوبکر نے تو فدک انہیں واپس نہیں دیا۔ حالانکہ وہ اُن کے نزدیک سچی تھیں۔ یہ سُنکر شیخ مسکرا دیے اور انہوں نے اس لطیفہ میں اس طرح مستحسن جواب دیا کہ

فرمائی تو جنابِ سیدہ علیہا السلام نے یہ دعوے پیش کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فدک کو انہیں ہبہ فرما دیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ آپ غرباء کے نزدیک عزیز ترین ہیں اور بمقابلہ متموّلین محبوب ترین۔ لیکن میرے نزدیک آپ کے قول کی صحت نہیں ہوتی۔ اور میں آپ کے قول پر اس وجہ سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ پس حضرت ام ایمن اور ایک غلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گواہیاں دیں۔ ابوبکر نے اُنکی گواہیاں اُس طریقہ پر لینی چاہیں جو ازروئے شرع قبولِ شہادت کے لیے قائم ہیں۔ لیکن اُن کی گواہیاں الیسی ہیں۔ پس ابوبکر نے اس معاملہ میں وہی طریقہ جاری رکھا جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جاری فرما گئے تھے۔

ابھی اسی جیسے کثرت سے اہلسنت کے اسناد و اشہاد ہمارے پیشِ نظر ہیں جن کو ہم طوالت اور تکرار در تکرار کے خوف سے مرفوع القلم کرتے ہیں اور صرف انہی تینوں مرقومۂ بالا اسناد کو اپنے مدعائے بیان کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اس طومار کو بخاری کے اُس اختصار سے ملائیں جنہوں نے معاملۂ فدک کے تمام حالات کو صرف دو باتیں لکھکر یسئلہ عن میراثھا من رسول اللہ فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ تمام کر دیا۔

ہم کو بخاری صاحب کے اس اختصار پر ذیل کا لطیفہ یاد آیا ہے جو اُن کے موجودہ اختصار پر پورے طور سے چسپاں ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

ایک صاحب نے اپنے کسی دوست سے نظامی کی یوسف زلیخا کی بڑی تعریف کی۔ اتفاق سے اُن صاحب کو نظامی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اُن کی تعریف کے جواب میں کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ یوسف زلیخا کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ اُس میں ہے کیا سوائے اسکے کہ۔ پیرے بود پسرے داشت گم شد باز یافت۔

بخاری صاحب نے اتنے بڑے عظیم الشان معاملہ کی اپنی خود غرضانہ اختصار سے یہ نوبت پہنچائی اور اپنے متعصبانہ اعتقادات سے یہ گت بنائی کہ ع خیرہ ماند در او دیدۂ اولی الابصار۔

مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہو گیا کہ فدک کے معاملہ میں خلیفہ صاحب نے پورے احتجاج اور کامل اجتہاد سے کام لیا ہے۔ گواہیاں لیں۔ بیانات لیے۔ جرحیں کیں۔ غرض سب کچھ تو ہوا۔ کیا رہ گیا۔ مگر اس کے بعد بھی جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور جو اُن کو کرنا تھا وہ کیا۔ اتنی اشہاد اور اسناد پر بھی خلیفہ صاحب کی تسکین نہیں ہوئی۔ اور اُن کو اپنے اجتہاد و اختیار سے جو اوّل روز کرنا منظور تھا وہی آخر روز تک بنا رہا۔ اور اُسی کے مطابق اُن کے دارالانصاف سے فیصلہ سُنایا گیا۔

مگر خلیفہ صاحب کی اس فیصلہ کی نسبت زمانہ اور اہلِ زمانہ نے جو رائے قائم کی وہ اس بحث کی ابتدا میں شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب کی رائے اور مختار سے ثابت کر آئے ہیں۔ مگر ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کے لیے ایک بہت بڑے قدیم سُنّی عالم کا مختار بھی ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:-

سألت علی ابن علی الفارقی الشافعی مدرّس المدرسة العربیّة ببغداد فقلت له اکانت صادقة قال نعم فقلت فلم یدفع الیها ابوبکر فدک وهی عنده صادقة فتبسّم ثمّ قال کلاما لطیفاً قال لو اعطاها الیوم فدک بمجرّد دعواها لجاءت الیه غداً وادعت لزوجها الخلافة وزحزحته عن مقامه ولم یمکنه الاعتذار والمدافعة بشیٔ لانّه یکون قد اسجل علی نفسه بانها صادقة فیما تدعی۔

علی ابن علی فارقی شافعی سے جو مدرسۂ عربیّہ بغداد کے مدرس تھے میں نے (ابن ابی الحدید) پوچھا کہ آیا جنابِ سیدہ اپنے دعوے میں سچّی تھیں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں میں نے عرض کی کہ حضرت ابوبکر نے تو فدک انہیں واپس نہیں دیا۔ حالانکہ وہ اُن کے نزدیک سچّی تھیں۔ یہ سُنکر شیخ مسکرا دیے اور انہوں نے اس لطیفہ میں اس طرح مستحسن جواب دیا کہ

جس کو میں نے فاطمہؑ کے نام لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا پھر اُن مسلمانوں کو کیا دوگے جو تمہارے واسطے عرب سے لڑائیاں لڑے ہیں جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لیلیا اور پھاڑ ڈالا۔

اس روایت کو امام نورالدین علی ابن برہان حلبی شافعی نے بھی اپنی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں علامہ سبط ابن جوزی کی عبارت سے نقل فرمایا ہے۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے۔

فی کلام سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ انہ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کتب لھا فدک ودخل علیہ عمر فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثھا من ابیھا فقال ماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؑ کو فدک لکھدیا۔ عمر آئے اور پوچھنے لگے یہ کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے فاطمہؑ کو فدک کی میراث کا وثیقہ لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا دوگے جو تمہارے لیے اہل عرب سے لڑائیاں لڑے ہیں۔ جب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔

ان اسناد سے تحقیق ہوگیا کہ شیعوں کی طرح اہلسنت کے علماء و محدثین نے بھی اس نوشتے کے چاک کر دیے جانے کو واقعات کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے دعوے کی تصدیق میں صرف زبانی شہادت پر اکتفا نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ تحریری ثبوت بھی پیش کیے تھے۔ مگر سب بیکار۔ کیونکہ وہاں تو فیصلہ کنندہ عدالت کو اپنے اجتہادی مختار پر اتنا اصرار تھا کہ ہلائے نہیں ہلے۔ نہ قول الٰہی کی کچھ سُنی۔ نہ عمل و ارشاد رسالت پناہی کی مانی۔

ہمارے لائق ہمعصر نے مشکوٰۃ کی ایک حدیث لکھی ہے جسکو ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق اوپر نقل بھی کیا ہے۔ اُسی حدیث سے لائق ہمعصر نے ہبۂ فدک کی نفی ثابت کی ہے ہم اُس حدیث کو قابل ہمعصر کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ابوداؤد نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے بنی مروان کو جمع کرکے یہ گفتگو کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنان بے شوہر ہوتی تھیں اُن کا نکاح اُسی کی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ جناب فاطمہؑ نے فدک آنحضرت سے مانگا مگر حضور نے اُنکی درخواست قبول نہ فرمائی۔

یہ موضوعات تو یاروں کے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں۔ مگر ان قلمکاریوں سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوتا کہ اصلیت کی غلافِ مصنوعیت اور موضوعیت کہاں تک قائم رہیگی۔ اور اس دروغ کو کہاں تک فروغ ہوگا۔ جب تحقیق کی آنچ دکھلائی جائے ان ملمع کاریوں کے جوڑ سے جوڑ جُدا ہو جائیں گے اور ساری قلعی کھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ اسکے کورے جھوٹ ہونے میں کوئی دھبہ تک نہیں ہے۔

اگر بفرضِ محال یہ ایسا ہی ہے جیسا صاحبِ مشکوٰۃ نے لکھدیا تو پھر جناب سیدہ کے رجوعِ دعوے کے وقت حضرت ابوبکر نے اُن کے مُنہ پر اس واقعہ کو بیان کرکے اُن کی کما حقہ تردید و تکذیب کیوں نہ فرما دی۔ حدیث لانورث۔ طلب شہادت۔ قصۂ نصاب اور کتابتِ وثیقہ وغیرہ وغیرہ۔ اتنے سے معاملہ کو اتنا طول و طویل بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بات اتنی تھی صدیقۂ کبریٰ نے ہبۂ فدک کا دعوے کیا تھا اُسی وقت اُنکو اُن کے مُنہ پر یہ واقعہ بیان کرکے جھٹلا دیا جاتا اور یاد دلا دیا جاتا کہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ آپ ہی نے اپنے پدر بزرگوار سے اسی فدک کے لیے درخواست کی تھی۔ وہ نامنظور فرمائی گئی۔ تو پھر آپ اُس کے پانے کا غلط دعوے کیوں کرتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں کون شخص آپکے دعوے فدک کو سچا سمجھیگا اور آپ کو فدک دیدیگا۔ یا دلوا دیگا۔

مگر ایسا تو نہ ابوبکر نے طلب فدک کے وقت جناب سیدہؑ سے کہا اور نہ اُن کے بعد حضرت عمر نے جناب علی مرتضےٰ و عباس ابن عبدالمطلب سے کہا جو قضیۂ تنازع کے وقت اس کا

جس کو میں نے فاطمہؑ کے نام لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا پھر اُن مسلمانوں کو کیا دو گے جو تمہارے واسطے عرب سے لڑائیاں لڑے ہیں جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔ اس روایت کو امام نورالدین علی ابن برہان حلبی شافعی نے بھی اپنی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں علامہ سبط ابن جوزی کی عبارت سے نقل فرمایا ہے۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے۔

فی کلام سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ انہ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کتب لھا فدک ودخل علیہ عمر فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثھا من ابیھا فقال ماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؑ کو فدک لکھدیا۔ عمر آئے اور پوچھنے لگے یہ کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے فاطمہؑ کو فدک کی میراث کا وثیقہ لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا دوگے جو تمہارے لیے اہل عرب سے لڑائیاں لڑے ہیں۔ جب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔

ان اسناد سے تحقیق ہوگیا کہ شیعوں کی طرح اہلسنت کے علماء و محدثین نے بھی اس نوشتے کے چاک کر دیے جانے کو واقعات کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی پایہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے دعوے کی تصدیق میں صرف زبانی شہادت پر اکتفا نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ تحریری ثبوت بھی پیش کیے تھے۔ مگر سب بیکار۔ کیونکہ وہاں تو فیصلہ کنندہ عدالت کو اپنے اجتہادی مختار پر اتنا اصرار تھا کہ ہلائے نہیں ہلے۔ نہ قول الٰہی کی کچھ شنی۔ نہ عمل و ارشاد رسالت پناہی کی مانی۔

ہمارے لائق ہمعصر نے مشکوٰۃ کی ایک حدیث لکھی ہے جسکو ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق اوپر نقل بھی کیا ہے۔ اُسی حدیث سے لائق ہمعصر نے ہبہ فدک کی نفی ثابت کی ہے ہم اُس حدیث کو قابل ہمعصر کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ابوداؤد نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے بنی مروان کو جمع کرکے یہ گفتگو کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنان بے شوہر ہوتی تھیں اُن کا نکاح اُسی کی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ جناب فاطمہؑ نے فدک آنحضرت سے مانگا مگر حضور نے اُنکی درخواست قبول نہ فرمائی۔

یہ موضوعات تو یاروں کے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں۔ مگر ان قلمکاریوں سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوتا کہ اصلیت کی غلاف یہ مصنوعیت اور موضوعیت کہاں تک قائم رہیگی۔ اور اس دروغ کو کہاں تک فروغ ہوگا۔ جب تحقیق کی آنچ دکھلائی جائے ان ملمع کاریوں کے جوڑ سے جوڑ جدا ہو جائیں گے اور ساری قلعی کھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ اسکے کورے جھوٹ ہونے میں کوئی دھبہ تک نہیں ہے۔

اگر بفرض محال یہ ایسا ہی ہے جیسا صاحب مشکوٰۃ نے لکھدیا تو پھر جناب سیدہ کے رجوع دعوے کے وقت حضرت ابوبکر نے اُن کے منہ پر اس واقعہ کو بیان کرکے اُن کی کما حقہٗ تردید و تکذیب کیوں نہ فرما دی۔ حدیث لانورث۔ طلب شہادت۔ نقصہٗ نصاب اور کتابت وثیقہ وغیرہ وغیرہ۔ اتنے سے معاملہ کو اتنا طول وطویل بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بات اتنی تھی صدیقہ کبریٰ نے ہبہ فدک کا دعوے کیا تھا اُسی وقت اُنکو اُن کے منہ پر یہ واقعہ بیان کرکے جھٹلا دیا جاتا اور یاد دلا دیا جاتا کہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ آپ ہی نے اپنے پدر بزرگوار سے اسی فدک کے لیے درخواست کی تھی۔ وہ نامنظور فرمائی گئی۔ تو پھر آپ اُس کے پانے کا غلط دعوے کیوں کرتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں کون شخص آپکے دعوے فدک کو سچا سمجھیگا اور آپ کو فدک دیدیگا۔ یاد دلوا دیگا۔

مگر ایسا تو نہ ابوبکر نے طلب فدک کے وقت جناب سیدہؑ سے کہا اور نہ اُن کے بعد حضرت عمر نے جناب علی مرتضیٰ و عباس ابن عبدالمطلب سے کہا جو حقیقت کے تنازع کے وقت اس کا

کی نوبت آگئی۔ ملاحظہ ہو۔ حاشیہ تشئید المطاعن مطبوعۂ لکھنؤ صفحہ ۹۳۳ مع اصل عبارت میزان ذہبی۔

اب تو ہمارے لائق ہمعصر کو اپنی اُس روایت کی جو اُن کی تحقیق کی مایۂ ناز تھی پوری حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور یہ بھی اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جس موضوع اور مصنوع روایت کو اپنا معیار مختار قرار دیا ہے۔ اُس کی اسناد اور اُس کی روایت کی آپ ہی کے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں کیسی کیسی دھجیاں اُڑائی ہیں اور اُسکے بیخ و بُن کا ریشہ ریشہ جُدا فرمایا ہے۔

افسوس ہے کہ ایک مؤلف کی حیثیت اور منصب رکھکر بلا تحقیق و تفتیش ایسے موضوعات و مصنوعات کو اپنی تالیفات میں مندرج کر دینا اپنی جامعیت اور قابلیت میں دھبہ لگانا ہے اور اپنی تالیف و تصنیف کی وقعت کو محققین کی نگاہوں سے گھٹانا ہے۔ اور کیا۔ اس لغو اور مہمل روایت کے لکھنے کے وقت اتنی زحمت نہ گوارا فرمائی گئی کہ من حیث الروایۃ اس واقعہ کا کیا وجود اور کیا ہستی قائم ہوتی ہے۔ اور اسکو سوائے ایک کے کسی دوسرے شخص نے بھی لکھا ہے یا نہیں۔ اگر ہمارے لائق ہمعصر نے یہ زحمت اور تکلیف گوارا نہ فرمائی تو اُنکی خدمت کرنے کو ہم تیار رہیا۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سوائے مشکوٰۃ کے اور کسی سُنی کتاب میں کسی سُنی عالم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے صحابۂ تابعین اور خلفائے راشدین کے وقت میں تو کہیں اسکا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ہاں مابعد میں ضرورت کے وقت اسکی ایجاد کی گئی۔ اور اس طرح اپنا کام نکالنے کی ترکیب عمل میں لائی گئی۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ناقدین فن اور محدثین حدیث و سنن نے اس کی کامل تقید و تردید فرمادی۔ ہم معاملات فدک کو اہلسنت کے علماء و محدثین کی جماعت کثیر سے اوپر لکھ آئے ہیں اُن میں کہیں اس موضوع و مصنوع واقعہ کا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ سمجھ لینے کیلیے تو وہی کافی ہے مگر مزید اطمینان اور احتیاط کے خیال سے پھر اُن علماء اور محدثین کے نام اور اُن کی تالیفات کے نام ذیل میں مندرج کیے دیتے ہیں۔

(۱) علامہ شہرستانی نے ملل و نحل میں (۲) علامہ مجید الدین نے اپنی تاریخ میں (۳) ابن شعبہ نے اپنی تاریخ میں (۴) ابن السمان نے کتاب الموافقت میں (۵) ابوبکر جوہری نے کتاب السقیفہ میں (۶) خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں (۷) محب طبری نے ریاض النظرہ میں (۸) ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب محلّے میں (۹) ابراہیم ابن عبداللہ یمنے نے اپنی بیاض میں (۱۰) امام سمہودی نے جواہر العقدین میں (۱۱) امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں (۱۲) ابن حجر نے صواعق محرقہ میں (۱۳) امام سیوطی نے تفسیر درِّ منثور میں (۱۴) ملا متقی نے کنز العمال میں (۱۵) ملا معین ہروی نے معارج النبوۃ میں (۱۶) تاریخ حبیب السیر اور (۱۷) خاوندشاہ نے تاریخ روضۃ الصفا میں معاملۂ فدک کے متعلق کہیں اس قسم کی روایت کا اشارۃً و کنایۃً ذکر بھی نہیں کیا ہے۔

اتنی اسناد متواتر اور متکاثر کے مقابلہ میں اس خبر احاد کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ اور اس کو کون شخص سوتے جاگتے کبھی اس کو اعتبار کے قابل سمجھیگا۔

اب اس واقعہ کو دوسرے پہلو سے ملاحظہ فرمایا جائے اور حضرت ابوبکر کے فیصلہ پر تنقیدانہ نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوجائیگا کہ جس ثبوت اور اشتہاد و اسناد کی بنا پر اُنھوں نے اس فیصلہ کو قائم کیا ہے وہ صرف معاملۂ خاص تک محدود و منحصر رکھا گیا ہے۔ اور دوسرے دعاوی اور داد خواہیوں کے انفصال کے وقت ان اشتہاد و اسناد کی ضرورتیں کی گئی۔ صرف مدعی کے زبانی بیان پر اکتفا کرکے شئے مدعا بہا اُس کو حوالہ کر دی گئی۔ اور کسی نصاب و بینات کے ملاحظہ اور مواخذہ کی کوئی ضرورت نہیں دیکھی گئی۔ دیکھیے چند دنوں کے بعد جابر انصاری اور اموال بحرین کا واقعہ پیش ہوا۔ اُس کی نسبت حضرت ابوبکر کی عدالت سے جو فیصلہ جاری ہوا وہ صحیح بخاری کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

حدثنا علی ابن عبداللہ قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمر و سمع محمد ابن علی عن جابر ابن عبداللہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو قد جاء مال البحرین

کی نوبت آگئی۔ ملاحظہ ہو۔ حاشیہ تشئید المطاعن مطبوعہ لکھنو صفحہ ۹۳۲ مع اصل عبارت میزان ذہبی۔

اب تو ہمارے لائق ہمعصر کو اپنی اُس روایت کی جو اُن کی تحقیق کی مایۂ ناز تھی پوری حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور یہ بھی اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جس موضوع اور مصنوع روایت کو اپنا معیار مختار قرار دیا ہے۔ اُس کی اسناد اور اُس کی روایت کی آپ ہی کے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں کیسی کیسی دھجیاں اُڑائی ہیں اور اُسکے بیخ و بن کا ریشہ ریشہ جدا فرمایا ہے۔

افسوس ہے کہ ایک مؤلف کی حیثیت اور منصب رکھکر بلا تحقیق و تفتیش ایسے موضوعات و مصنوعات کو اپنی تالیفات میں مندرج کر دینا اپنی جامعیت اور قابلیت میں دھبہ لگانا ہے اور اپنی تالیف و تصنیف کی وقعت کو محققین کی نگاہوں سے گھٹانا ہے۔ اور کیا۔ اس لغو اور مہمل روایت کے لکھنے کے وقت اتنی زحمت نہ گوارا فرمائی گئی کہ من حیث الروایۃ اس واقعہ کا کیا وجود اور کیا ہستی قائم ہوتی ہے۔ اور اسکو سوائے ایک کے کسی دوسرے شخص نے بھی لکھا ہے یا نہیں۔ اگر ہمارے لائق ہمعصر نے یہ زحمت اور تکلیف گوارا نہ فرمائی تو اُنکی خدمت کرنے کو ہم تیار رہیں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سوائے مشکوٰۃ کے اور کسی سُنّی کتاب میں کسی سنّی عالم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے صحابۂ اولین اور خلفائے راشدین کے وقت میں تو کہیں اسکا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ہاں مابعد میں ضرورت کے وقت اسکی ایجاد کی گئی۔ اور اس طرح اپنا کام نکالنے کی ترکیب عمل میں لائی گئی۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ناقدینِ فن اور محدثینِ حدیث و سنن نے اس کی کامل تحقیق فرما دی۔

ہم معاملات فدک کو اہلسنت کے علماء و محدثین کی جماعت کثیر سے اوپر لکھ آئے ہیں اُن میں کہیں اس موضوع و مصنوع واقعہ کا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ سمجھ لینے کیلیے تو وہی کافی ہے مگر مزید اطمینان اور احتیاط کے خیال سے پھر اُن علماء اور محدثین کے نام اور اُن کی تالیفات کے نام ذیل میں مندرج کیے دیتے ہیں۔

(۱) علامہ شہرستانی نے ملل و نحل میں (۲) علامہ مجد الدین نے اپنی تاریخ میں (۳) ابن شحنہ نے اپنی تاریخ میں (۴) ابن السمان نے کتاب الموافقت میں (۵) ابوبکر جوہری نے کتاب السقیفہ میں (۶) خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں (۷) محب طبری نے ریاض النضرہ میں (۸) ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب محلّٰی میں (۹) ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی نے اپنی مباحث میں (۱۰) امام سمہودی نے جواہر العقدین میں (۱۱) امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں (۱۲) ابن حجر نے صواعق محرقہ میں (۱۳) امام سیوطی نے تفسیر درّ منثور میں (۱۴) ملا متقی نے کنز العمال میں (۱۵) ملا معین ہروی نے معارج النبوۃ میں (۱۶) تاریخ حبیب السیر اور (۱۷) خاوندشاہ نے تاریخ روضۃ الصفا میں معاملۂ فدک کے متعلق کہیں اس قسم کی روایت کا اشارۃً و کنایۃً ذکر بھی نہیں کیا ہے۔

اتنی اسناد متواتر اور متکاثر کے مقابلہ میں اس خبر احاد کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ اور اس کو کون شخص سوتے جاگتے بھی اس کو اعتبار کے قابل سمجھیگا۔

اب اس واقعہ کو دوسرے پہلو سے ملاحظہ فرمایا جائے اور حضرت ابوبکر کے فیصلہ پر تنقیدانہ نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوجائیگا کہ جس ثبوت اور اشتہاد و اسناد کی بنا پر اُنھوں نے اس فیصلہ کو قائم کیا ہے وہ صرف معاملۂ خاص تک محدود و منحصر رکھا گیا ہے۔ اور دوسرے دعاوی اور داد خواہوں کے انفصال کے وقت ان اشہاد و اسناد کی پروا نہیں کی گئی۔ صرف مدعی کے زبانی بیان پر [illegible] مدعا بہا اُس کو حوالہ کر دی گئی۔ اور کسی نصاب و بیّنات کے ملاحظہ اور مواخذہ کی کوئی ضرورت نہیں دیکھی گئی۔ دیکھیے چند دنوں کے بعد جابر انصاری اور اموال بحرین کا واقعہ پیش ہوا۔ اُس کی نسبت حضرت ابوبکر کی عدالت سے جو فیصلہ جاری ہوا وہ صحیح بخاری کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

حدثنا علی ابن عبد اللہ قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمرو سمع محمد ابن علی عن جابر ابن عبد اللہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو قد جاء مال البحرین

مسئلہ بیقدام علیہ۔
ابوبکر نے سمجھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وعدوں کا وفا کر دینا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایفائے وعدہ مکارم اخلاق میں داخل ہے۔ اور جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تو بمصداق انّک لعلیٰ خلق عظیم اسکے لیے بدرجۂ اولےٰ سزاوار تھے۔ اب رہی یہ بات کہ جابر کے کہنے کی تصدیق ابوبکر نے کیسے اور کیوں کرلی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تصدیق بھی آنحضرت صلعم ہی کے اس قول کے مطابق تھی کہ اگر کوئی شخص قصداً ہمارے متعلق کوئی جھوٹی بات کہیگا تو وہ اوندھے مُنہ جہنم میں دھکیلا جائیگا اور یہ ایسا وعدہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے جابر ابن عبداللہ کی نسبت اسکے اقدام کا ذرا بھی شک نہ فرمایا۔
ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:۔
وفیہ قبول خبر الواحد العدل من الصحابہ ولو جرّ ذٰلک نفعا لنفسہ لانّ ابا بکر لم یلتمس من جابر شاھدا علیٰ صحّۃ دعواہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ قول کہ خلیفہ نے خبرِ واحد پر اعتبار کرلیا تو یہ اعتبار کرلینا اُن کا عدالتِ صحابہ پر مبنی تھا۔ کیونکہ اگر حضرت ابوبکر کو اُن کی طرف سے لوثِ نفس کا خیال ہوتا تو وہ جابر سے اُنکے دعوے کی صحت پر ضرور شاہد طلب فرماتے۔
علامہ عینی نے بمقابلہ اور شارحین کے اس مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ کیجائے:۔
انّما لم یلتمس شاھدا منہ لانّہ عدل بالکتاب والسنّۃ۔ اما الکتاب فقولہ تعالیٰ کنتم خیر امّۃ۔ وکذٰلک جعلنٰکم امّۃ وسطا۔ فمثل جابر ان لم یکن من خیر امّۃ فمن یکون۔ واما السنّۃ فلقولہ من کذّب علیّ متعمدا الحدیث۔ ولا یظن کذٰلک بمسلم فضلا عن صحابی فلو وقعت ھذہ المسئلۃ الیوم ولا یقبل الا بیّنۃ۔
حاصل ترجمہ یہ ہے:۔ پس یہ بات کہ ابوبکر نے جابر سے شاہد طلب نہ کیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جابر کی عدالت کتاب و سنّت دونوں سے ثابت تھی۔ قرآن سے تو اس طرح کہ خدا سبحانہ وتعالےٰ نے اس امت کو خیرِ امّت سے یاد فرمایا ہے اور دوسرے مقام کو امتِ وسطےٰ کے لقب سے ذکر کیا ہے۔ پس اس بنا پر اگر جابر جیسے لوگ خیرِ امّت نہ ٹھیرینگے تو پھر کون ہوگا۔ اب حدیث و سنّت کی رو سے تو آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ لگائے (تا آخر حدیث) تو پس کسی مسلم کی نسبت تو ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ صحابی (جو شرفِ صحبت سے مستفید و مستفیض ہوچکا ہے) پھر اگر یہ معاملہ بر وقت نہ وقوع پذیر ہوا ہوتا تو البتہ طلبِ شہادت کی ضرورت ہوتی۔
مرقومۂ بالا واقعہ سے حضرت ابوبکر نے جس حُسنِ سلوک اور رعایت سے جابرِ انصاری سے کام لیا وہ پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوگیا۔ ہم بھی کہیں گے جزاک اللہ۔ مگر خلیفہ صاحب سے اتنی شکایت ضرور کرینگے کہ ہر شئے کو دیکھنا چاہیے دونوں آنکھوں سے آپ نے ایک ادنےٰ اور معمولی صحابی کے مقابلہ میں تو اُس کے خیرِ امّت ہونے۔ شرفِ صحابیت سے مشرف ہونے وغیرہ وغیرہ۔ تمام اعزاز و اقتدار کا لحاظ کیا اور اعتبار فرمایا۔ مگر ان کے برعکس خیر النساء العالمین بضعۃ خیر المرسلین سلام اللہ علےٰ ابیہا و ذریتہا علیہا الاجمعین کے جس کے گھر سے مہاجر مہاجر کہلائے اور انصار انصار۔ جن کے در سے جابر سے ہزاروں غائب و حاضر شرفیابِ اسلام کسی قدر و منزلت کا جس پر ایک نہیں متعدد ادعیاتِ آیاتِ الہٰی اور احادیث نبوی شاہد اور حضرت رسالت پناہی شاہد تھے۔ کوئی خیال نہ فرمایا۔ خیر اگر ان محامد و مدائح منصوصہ و مخصوصہ پر وقت نظر نہ پہنچی اور خیال نہ آیا تو جابر کی طرح ان پر علم امتِ اسلام اور صحبت و زیارت رسولؐ کے شرف کا اطلاق نہ فرمایا گیا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کے نزدیک جنابِ سیدہ، معاذ اللہ خیرِ امّت اور دائرۂ صحابیت میں شامل سمجھے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں۔
اگر چنیں بشود و شیوۂ مسلمانی ہمیں است بزار بار اسلام کفر بہتر

مثلہ بیقدام علیہ۔
ابوبکر نے سمجھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں کا وفا کردینا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایفائے وعدہ مکارم اخلاق میں داخل ہے۔ اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بمصداق انّک لعلیٰ خلق عظیم اسکے لیے بدرجۂ اولےٰ سزاوار تھے۔ اب رہی یہ بات کہ جابر کے کہنے کی تصدیق ابوبکر نے کیسے اور کیوں کرلی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تصدیق بھی آنحضرت صلعم ہی کے اس قول کے مطابق تھی کہ اگر کوئی شخص قصداً ہمارے متعلق کوئی جھوٹی بات کہیگا تو وہ اوندھے مُنہ جہنّم میں دھکیلا جائیگا اور یہ ایسا وعدہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے جابر ابن عبداللہ کی نسبت اسکے اقدام کا ذرا بھی شک نہ فرمایا۔
ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:-
فیہ قبول خبر الواحد العدل من الصحابہ ولو جرّ ذالک نفعا لنفسہ لانّ ابا بکر لم یلتمس من جابرا شاھدا علیٰ صحّۃ دعواہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ قول کہ خلیفہ نے خبرِ واحد پر اعتبار کرلیا تو یہ اعتبار کرلینا اُن کا عدالتِ صحابہ پر مبنی تھا۔ کیونکہ اگر حضرت ابوبکر کو اُن کی طرف سے لوثِ نفس کا خیال ہوتا تو وہ جابر سے اُنکے دعوے کی صحت پر ضرور شاہد طلب فرماتے۔
علامہ عینی نے بمقابلہ اور شارحین کے اس مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ کیجائے:-
انّما لم یلتمس شاھدًا منہ لانّہ عدل بالکتاب والسّنّۃ۔ امّا الکتاب فقولہ تعالیٰ کنتم خیر امّۃ۔ وکذالک جعلنٰکم امّۃ وسطًا۔ فمثل جابر ان لم یکن من خیر امّۃ فمن یکون۔ وامّا السّنّۃ فلقولہ من کذب علیّ متعمّدا الحدیث۔ ولا یظن کذالک بمسلم فضلا عن صحابی فلو وقعت ھذہ المسئلۃ الیوم ولا یقبل الّا بیّنۃ۔
حاصل ترجمہ یہ ہے:- پس یہ بات کہ ابوبکر نے جابر سے شاہد طلب نہ کیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جابر کی عدالت کتاب و سنّت دونوں سے ثابت تھی۔ قرآن سے تو اس طرح کہ خداوند سبحانہ وتعالےٰ نے اس امّت کو خیر امّت سے یاد فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام کو امتِ وسطےٰ کے لقب سے ذکر کیا ہے۔ پس اس بنا پر اگر جابر جیسے لوگ خیر امّت نہ ٹھیرینگے تو پھر کون ہوگا۔ اب حدیث و سنّت کی رو سے تو آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ لگائے (تا آخر حدیث) تو پس کسی مسلم کی نسبت تو ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ صحابی (جو شرفِ صحبت سے مستفید و مستفیض ہوچکا ہے) پھر اگر یہ معاملہ بر وقت نہ وقوع پذیر ہوا ہوتا تو البتہ طلب شہادت کی ضرورت ہوتی۔
مرقومۂ بالا واقعہ سے حضرت ابوبکر نے جس حُسنِ سلوک اور رعایت سے جابر انصاری سے کام لیا وہ پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوگیا۔ ہم بھی کہیں گے جزاک اللہ۔ مگر خلیفہ صاحب سے اتنی شکایت ضرور کرینگے کہ ہر شئے کو دیکھنا چاہیے دونوں آنکھوں سے آپ نے ایک ادنےٰ اور معمولی صحابی کے مقابلہ میں تو اُس کے خیرِ امّت ہونے۔ شرفِ صحابیت سے مشرف ہونے وغیرہ وغیرہ۔ تمام اعزاز و اقتدار کا لحاظ کیا اور اعتبار فرمایا۔ مگر ان کے برعکس خیر النساء العالمین بضعۃ خیر المرسلین سلام اللہ علےٰ ابیہا و ذرّیتہا و علیہا الاجمعین کے جس کے گھر سے مہاجر مہاجر کہلائے اور انصار انصار۔ جن کے در سے جابر سے ہزاروں غائب و حاضر شرفیاب اسلام کسی قدر و منزلت کا جس پر ایک نہیں متعدد اور بکثرت آیاتِ الہی اور احادیث و ارشاداتِ حضرت رسالت پناہی شاہد تھے۔ کوئی خیال نہ فرمایا۔ خیر اگر ان محامد و مدارج منصوصہ و مخصوصہ پر وقت نظر نہ پہنچی اور خیال نہ آیا تو جابر کی طرح ان پر علم امّتِ اسلام اور صحبت و زیارت رسول کے شرف کا اطلاق نہ فرمایا گیا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کے نزدیک جناب سیّدہ، معاذ اللہ جبراً اور دائرۂ صحابیت میں شامل سمجھے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں۔
اگرچہ نہیں بشر و ستیزہ سلمانوں بزرگان اسلام کو زیبا ہے

کہ بیت المسلمین میں جب باختیار خاص کسی تصرف کی ضرورت آپڑتی تھی تو آپ تمام اہلِ اسلام کی عام اجازت لے لیتے تھے اور اُن سے اس امرِ خاص میں مشورت فرما لیتے تھے۔ چنانچہ اسیرانِ بدر کے معاملات میں ذیل کا واقعہ جس کو ہم امام حاکم کی مستدرک سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں ہمارے بیان کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

حدثنا ابو العبّاس محمّد ابن یعقوب حدثنا احمد بن عبد الجبّار حدثنا یونس بن بکیر عن محمّد بن اسحٰق حدثنی یحیی ابن عباد بن عبد اللہ ابن الزّبیر عن ابیہ عن عائشۃ زوج النّبی صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم قالت لما بعث اھل مکّۃ فی فداء اسراھم بعثت زینب بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم فی فداء ابی العاص بمال وبعثت فیہ بقلادۃ کانت خدیجۃ ادخلتھا بھا علی ابی العاص حین بنی الیھا فلما رای رسول اللہ صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم تلک القلادۃ رق لھا رقۃ شدیدۃ وقال ان رأیتم ان تطلقوا اسیرھا وتردّوا علیھا الذی فقالوا نعم واطلقوہ وردّوہ علیہ الذی لھا۔

ابو العباس محمد ابنِ یعقوب نے احمد ابنِ عبد الجبّار سے۔ اُسنے یونس ابنِ بکیر سے اُس نے یحییٰ ابن عباد ابن الزبیر سے اُسنے اپنے باپ سے اور اُس نے عائشہ زوجۂ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ جب مکّہ کے لوگ اسیرانِ بدر کا فدیہ دینے آئے تو زینب (بنت رسولؐ اللہ) نے بھی اپنے شوہر ابی العاص کا فدیہ بھیجا۔ اور اُس میں ایک گلوبند جس کو حضرت خدیجہ نے زینب کو ابو العاص کے ساتھ شادی ہونے کے وقت دیا تھا۔ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نگاہ اُس گلوبند پر پڑی تو آپ کو سخت صدمہ لاحقِ حال ہوا۔ اور آپ نے تمام اہلِ اسلام کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ مجھ کو رائے دو تو میں زینب کے مطلوبہ اسیر کو بھی چھوڑ دوں اور اُسکے مرسلہ مالِ فدیہ کو بھی اُسے واپس دیدوں۔ سب مسلمانوں نے عرض کی۔ ہاں۔ یا رسولؐ اللہ! ہمیں منظور ہے۔ آپ اُنکے اسیر کو بھی چھوڑ دیں اور اُنکے مرسلہ مال کو بھی واپس دیدیجیے۔

اس واقعہ سے کماحقہٗ ثابت ہوگیا کہ اموالِ مسلمین کے [illegible] کی نسبت آپ کوئی امر مسلمانوں کی مشورت اور اجازت بغیر نہیں کرتے تھے۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک اسی سیرت اور طریقہ کو خلیفۂ اوّل صاحب کے اس عمل سے ملایا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ جابرؓ ابن عبد اللہ انصاری اور ابو بشیر مازنی کے معاملات میں اُنہوں نے عملِ جنابِ رسولِ خدا کی ذرا بھی پیروی نہیں کی۔ اور محض اپنے اجتہاد و اختیار سے جو جی میں آیا وہی کر گزرے۔ نہ کسی اہلِ اسلام سے پوچھا اور نہ اُن لوگوں میں سے کسی کا مطلق استمزاج لیا۔ کہاں تو جنابِ سیدہؑ کے مطالبہ اور مقابلہ کے وقت یہ دعوے کہ سیرتِ رسولِ خدا سے سرِ مو اختلاف نہ کیا جائے گا اور کہاں چند ہی روز بعد ایسا صریح اختلاف اور بدیہی انحراف جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کی روش کو جنابِ رسولؐ خدا کے طریقہ سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔

بہرحال۔ خلیفہ صاحب کے عمل کو جنابِ رسولِ خدا کے طریقہ کے بالکل برعکس اور خلاف ثابت کرکے اب ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان دونوں مندرجۂ بالا واقعات کی نقل سے یہ دکھلانا مقصود تھا کہ خلیفہ صاحب نے جنابِ سیدہؑ کے ساتھ اُن کے مطالبۂ فدک کے متعلق اُتنی رعایت۔ مروّت اور حفظِ مراتب کا بھی خیال نہ رکھا جتنا عام مسلمانوں نے حضرت زینب کے لحاظ سے ابو العاص کے معاملہ میں جائز اور روا رکھا تھا جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جاچکا ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔

اسی طرح جابرؓ ابنِ عبد اللہ اور ابو بشیرؓ مازنی کی صحابیت اور شرفِ صحبتِ رسالت پر تو خلیفہ صاحب کا اتنا دل دُکھا کہ اُنکے مطالبات کے متعلق اُن کے تنہا اور صرف زبانی بیان کو وحی آسمانی سمجھ کر کسی طرح انکار ہی نہ فرما سکے۔ مگر غریب سیدۃ خیر النساء العالمین سلام اللہ علیہا کے مطالبہ کے موقع پر اُنکی بکسی شرافت۔ کسی فضیلت اور کسی مراتب ومدارج کا کوئی لحاظ اور کوئی خیال نہ کیا گیا۔ نہ اُس وقت خلیفہ صاحب کو فاطمۃ بضعۃ منّی یاد رہا اور نہ ان اللہ یغضب بغضبہا ویرضا لرضائہا پر نظر رہی اور نہ فاطمۃ جزو منّی

کہ بیت المسلمین میں جب باختیارِ خاص کسی تصرّف کی ضرورت آپڑتی تھی تو آپ تمام اہلِ اسلام کی عام اجازت لے لیتے تھے اور اُن سے اس امرِ خاص میں مشورت فرما لیتے تھے۔ چنانچہ اسیرانِ بدر کے معاملات میں ذیل کا واقعہ جس کو ہم امام حاکم کی مستدرک سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں ہمارے بیان کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

حدثنا ابو العبّاس محمّد ابن یعقوب حدثنا احمد بن عبد الجبّار حدثنا یونس بن بکیر عن محمّد بن اسحٰق حدثنی یحیی ابن عباد بن عبد اللّٰہ ابن الزّبیر عن ابیہ عن عائشۃ زوج النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم قالت لما بعث اھل مکّۃ فی فداء اساراھم بعثت زینب بنت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم فی فداء ابی العاص بمال وبعثت فیہ بقلادۃ کانت خدیجۃ ادخلتھا بھا علیٰ ابی العاص حین بنی الیھا فلما رای رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم تلک القلادۃ رق لھا رقۃ شدیدۃ وقال ان رأیتم ان تطلقوا اسیرھا وتردّوا علیھا الذی فقالوا نعم واطلقوہ وردّوہ علیہ الذی لھا۔

ابو العباس محمد ابنِ یعقوب نے احمد ابنِ عبد الجبّار سے۔ اُسنے یونس ابنِ بکیر سے اُس نے یحییٰ ابن عباد ابن الزبیر سے اُسنے اپنے باپ سے اور اُس نے عائشہ زوجۂ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ جب مکّے کے لوگ اسیرانِ بدر کا فدیہ دینے آئے تو زینب (بنتِ رسولؐ اللہ) نے بھی اپنے شوہر ابی العاص کا فدیہ بھیجا۔ اور اُس میں ایک گلوبند جس کو حضرت خدیجہ نے زینب کو ابو العاص کے ساتھ شادی ہونے کے وقت دیا تھا۔ جب جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نگاہ اُس گلوبند پر پڑی تو آپ کو سخت صدمہ لاحقِ حال ہوا۔ اور آپ نے تمام اہلِ اسلام کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ مجھ کو رائے دو تو میں زینب کے مطلوبہ اسیر کو بھی چھوڑ دوں اور اُسکے مرسلہ مالِ فدیہ کو بھی اُسے واپس دیدوں۔ سب مسلمانوں نے عرض کی۔ ہاں۔ یا رسولؐ اللہ! ہمیں منظور ہے۔ آپ اُنکے اسیر کو بھی چھوڑ دیں اور اُنکے مرسلہ مال کو بھی واپس دیدیجیے۔

اس واقعہ سے کما حقہ ثابت ہوگیا کہ اموالِ مسلمین کے متعلق کی نسبت آپ کوئی امر مسلمانوں کی مشورت اور اجازت بغیر نہیں کرتے تھے۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک اسی سیرت اور طریقہ کو خلیفۂ اوّل صاحب کے اس عمل سے ملایا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ جابرؓ ابن عبد اللہ انصاری اور ابو بشیر مازنی کے معاملات میں اُنھوں نے عملِ جنابِ رسولِ خدا کی ذرا بھی پیروی نہیں کی۔ اور محض اپنے اجتہاد و اختیار سے جو جی میں آیا وہی کر گزرے۔ نہ کسی اہلِ اسلام سے پوچھا اور نہ اُن لوگوں میں سے کسی کا مطلق استمزاج لیا۔ کہاں تو جنابِ سیدہؑ کے مطالبہ اور مقابلہ کے وقت یہ دعوے کہ سیرتِ رسولِؐ خدا سے سر مو اختلاف نہ کیا جائے گا اور کہاں چند ہی روز بعد ایسا صریح اختلاف اور بدیہی انحراف جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کی روش کو جنابِ رسولؐ خدا کے طریقہ سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔

بہرحال۔ خلیفہ صاحب کے عمل کو جنابِ رسولؐ خدا کے طریقہ کے بالکل برعکس اور خلاف ثابت کرکے اب ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان دونوں مندرجۂ بالا واقعات کی نقل سے یہ دکھلانا مقصود تھا کہ خلیفہ صاحب نے جنابِ سیدہؑ کے ساتھ اُن کے مطالبۂ فدک کے متعلق اُتنی رعایت۔ مروّت اور حفظِ مراتب کا بھی خیال نہ رکھا جتنا عام مسلمانوں نے حضرت زینب کے لحاظ سے ابو العاص کے معاملہ میں جائز اور روا رکھا تھا جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔

اسی طرح جابرؓ ابنِ عبد اللہ اور ابو بشیرؓ مازنی کی صحابیت اور شرفِ صحبتِ رسالت پر تو خلیفہ صاحب کا اتنا دل دُکھا کہ اُنکے مطالبات کے متعلق اُن کے تنہا اور صرف زبانی بیان کو وحیِ آسمانی سمجھ کر کسی طرح انکار ہی نہ فرما سکے۔ مگر غریب سیّدۃ خیر النساء العالمین سلام اللہ علیہا کے مطالبہ کے موقع پر اُنکی کسی شرافت۔ کسی فضیلت اور کسی مراتب و مدارج کا کوئی لحاظ اور کوئی خیال نہ کیا گیا۔ نہ اُس وقت خلیفہ صاحب کو فاطمۃ بضعۃ منّی یاد رہا اور نہ ان اللّٰہ یغضب بغضبہا ویرضا لرضاھا پر نظر رہی اور نہ فاطمۃ حور من حور

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابو بکر میری عیادت کے لیے بنی سلمہ کے محلہ میں تشریف لائے میں بیہوش تھا۔ آپ نے پانی مانگ کر وضو کیا۔ پھر میرے سر پر چھڑک دیا مجھ کو افاقہ ہو گیا تو میں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے مال کے متعلق کیا کروں۔ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ پس آیۂ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم نازل ہوا۔

اس مقام پر جو امر بہت بڑا ضروری اور قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ آیۂ توریث کے خلاف جناب رسالت مآب صلعم کو اپنی خاص میراث کے متعلق کوئی حکم صادر فرمانا تھا۔ جس کی طرف ابو بکر نے آپ کی وفات کے بعد دعوے کیا۔ تو اس حکم سے اُسی وقت تمام مسلمین کو عموماً اور اپنی اہلبیت طاہرین اور وارثین کو خصوصاً بموجب آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کیوں مطلع اور آگاہ نہ فرما دیا گیا۔ اس اصول کی بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ آپ سب سے پہلے جناب سیدہ۔ حضرت علی مرتضےٰ اور حضرات حسنین علیہم السلام کو اس حکم سے آگاہ فرماتے۔ تاکہ اس کے سُننے ہی یہ تمام حضرات خیالِ وراثت سے قطعی طور پر دست بردار ہو جاتے۔ مگر شواہد بتلا رہے ہیں کہ جناب سیدہ اور سائر اہلبیت علیہم السلام کو اس حکم کی مطلق خبر ہی نہیں تھی۔ صحیحین بخاری اور مسلم کی مصدقہ روایتوں سے جناب سیدہ کا دعوے میراث طلب کرنا۔ محروم رہنا۔ اور اپنی محرومی پر خلیفہ صاحب سے بیحد ناراض ہونا۔ اور اپنی عمر بھر نہ بولنا اور یہانتک کہ اپنے جنازہ کی شرکت تک سے اُنکی ممانعت کر دینا وغیرہ وغیرہ ثابت کر رہا ہے کہ نہ آپ نے اس حدیث کے حکم کو اپنے پدر عالی مقدار سے سُنا تھا اور نہ ابو بکر کی زبانی اسے سُنکر آپ اس کو سچا اور صحیح مانتی تھیں۔ کلام کی کتابوں میں یہ مقام عام طور پر علمائے اہلسنّت کے لیے نہایت دشوار ثابت ہوا ہے۔ بہزار دشواری جو تاویلات کی گئی ہیں یا آج تک کی جاتی ہیں وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں اس مقام پر پہنچکر جو مشکل اُٹھائی ہے وہ آپ کی خاص تحریر سے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

مشکل تر ازایں قضیۂ فاطمہ زہرا است زیراکہ اگر گویم کہ وے رضی اللہ عنہا جاہل بود بایں سنّت بعید است۔ واگر التزام کنم کہ شاید اتفاق نیافتاد ورا از استماع ایں حدیث از ابوبکر وشہادتِ صحابہ برآں۔ چگونہ قبول نکرد و در غضب آمد۔ واگر غضب پیش از استماع ایں حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا اینکہ بامتداد کشید وتا زندہ ماند مہاجرت کرد ابوبکر را۔

محدثِ دہلوی کی مرقومۂ بالا عبارت سے مشکلیں اور دشواریاں پورے طور سے ظاہر ہو کر یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کو اس حدیث کے ردّ و قبول میں ایسا شش و پنج لاحق ہے کہ نہ جائے ماندن باقی ہے نہ پائے رفتن۔ اسی لیے وہ شروع ہی سے اس قضیۂ کے تصفیہ کو اپنے لیے ایک مشکلترین قضیہ سمجھے ہوئے ہیں۔ صورتِ واقعہ۔ ایک تحقیق طلب اور حق جویندہ شخص کے آگے اس حدیث کی اصلیت اور اس کے متعلق محدثین اور شارحین کی دشواریاں۔ اُن کا غایت درجہ کا انتشار و اضطرار اس کی موضوعیت کی اصل حقیقت کو کافی طور سے بتلا رہی اور ثابت کر رہی ہے۔

محدث دہلوی صاحب ایک جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی لاعلمی پر اتنا گھبرائے ہوئے ہیں۔ غریب سیدہؑ پر کیا موقوف ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات (باستثنائے عائشہ) اور متعلقین آنحضرت صلعم کی لاعلمی اور بیخبری کی یکساں کیفیت ہے۔ خود عثمان صاحب بھی جن کو ذوالنورین کے لقب اضافی سے برابر یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق فاقد العین ثابت ہوتے ہیں بخاری اور موطا میں یہ عبارت درج ہے۔

فحدثت هذا الحديث عروة ابن الزبير فقال صدق مالك ابن اوس انا سمعت عائشة زوج النبي تقول ارسل ازواج النبيؐ عثمان الى ابى بكر يسالنه ثمنهن مما افاء الله على رسوله فكنت انا اردهن فقلت لهن الا تتقين الله الم تعلمن ان النبي صلى الله عليه و آله وسلم كان يقول لا نورث ما

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر میری عیادت کے لیے بنی سلمہ کے محلہ میں تشریف لائے میں بیہوش تھا۔ آپ نے پانی مانگ کر وضو کیا۔ پھر میرے سر پر چھڑک دیا مجھ کو افاقہ ہو گیا تو میں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے مال کے متعلق کیا کروں۔ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ پس آیۂ یوصیکم اللہ فی اولادکم نازل ہوا۔

اس مقام پر جو امر بہت بڑا ضروری اور قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ آیۂ توریث کے خلاف جنابِ رسالت مآب صلعم کو اپنی خاص میراث کے متعلق کوئی حکم صادر فرمانا تھا۔ جس کی طرف ابوبکر نے آپ کی وفات کے بعد دعوے کیا۔ تو اس حکم سے اسی وقت تمام مسلمین کو عموماً اور اپنی اہلبیتِ طاہرین اور وارثین کو خصوصاً بموجب آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کیوں مطلع اور آگاہ نہ فرما دیا گیا۔ اس اصول کی بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ آپ سب سے پہلے جناب سیدہ۔ حضرت علی مرتضےٰ اور حضرات حسنین علیہم السلام کو اس حکم سے آگاہ فرماتے۔ تاکہ اس کے سنتے ہی یہ تمام حضرات خیالِ وراثت سے قطعی طور پر دست بردار ہو جاتے۔ مگر شواہد بتلا رہے ہیں کہ جنابِ سیدہ اور سائر اہلبیت علیہم السلام کو اس حکم کی مطلق خبر ہی نہیں تھی۔ صحیحین بخاری اور مسلم کی مصدقہ روایتوں سے جنابِ سیدہ کا دعوے میراث طلب کرنا۔ محروم رہنا۔ اور اپنی محرومی پر خلیفہ صاحب سے بیحد ناراض ہونا۔ اور اپنی عمر بھر نہ بولنا اور یہانتک کہ اپنے جنازے کی شرکت تک سے انکی ممانعت کر دینا وغیرہ وغیرہ ثابت کر رہا ہے کہ نہ آپ نے اس حدیث کے علم کو اپنے پدر عالی مقدار سے سنا تھا اور نہ ابوبکر کی زبانی اسے سنکر آپ اس کو سچا اور صحیح مانتی تھیں۔ کلام کی کتابوں میں یہ مقام عام طور پر علمائے اہلسنت کے لیے نہایت دشوار ثابت ہوا ہے۔ بہزار دشواری جو تاویلات کی گئی ہیں یا آج تک کی جاتی ہیں وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں اس مقام پر پہنچکر جو مشکل اٹھائی ہے وہ آپ کی خاص تحریر سے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

مشکل تر ازیں قضیۂ فاطمہ زہراست زیرا کہ اگر گویم کہ وے رضی اللہ عنہا جاہل بود بایں سنت بعید است۔ واگر التزام کنم کہ شاید اتفاق نیافتاد ورا از استماع ایں حدیث از ابوبکر وشہادتِ صحابہ برآں۔ چگونہ قبول نہ کرد و در غضب آمد۔ واگر غضب پیش از استماعِ ایں حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا آنکہ بامتداد کشید و تا زندہ ماند مہاجرت کرد ابوبکر را۔

محدث دہلوی کی مرقومۂ بالا عبارت سے مشکلیں اور دشواریاں پورے طور سے ظاہر ہو کر یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کو اس حدیث کے رد و قبول میں ایسا شش و پنج لاحق ہے کہ نہ جائے ماندن باقی ہے نہ پائے رفتن۔ اسی لیے وہ شروع ہی سے اس قضیہ کے تصفیہ کو اپنے لیے ایک مشکلترین قضیہ سمجھے ہوئے ہیں۔ صورتِ واقعہ۔ ایک تحقیق طلب اور حق جوئیدہ شخص کے آگے اس حدیث کی اصلیت اور اس کے متعلق محدثین اور شارحین کی دشواریاں۔ اُن کا غایت درجہ کا انتشار و اضطرار اس کی موضوعیت کی اصل حقیقت کو کافی طور سے بتلا رہی اور ثابت کر رہی ہے۔

محدث دہلوی صاحب ایک جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی لاعلمی پر اتنا گھبرائے ہوئے ہیں۔ غریب سیدہؑ پر کیا موقوف ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات (باستثنائے عائشہ) اور متعلقین آنحضرت صلعم کی لاعلمی اور بیخبری کی یکساں کیفیت ہے۔ خود عثمان صاحب بھی جن کو ذوالنورین کے لقب اضافی سے برابر یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق فاقد العین ثابت ہوتے ہیں۔ بخاری اور موطا میں یہ عبارت درج ہے۔

فحدثت ھذا الحدیث عروۃ ابن الزبیر فقال صدق مالک ابن اوس انا سمعت عائشۃ زوج النبی تقول ارسل ازواج النبیؐ عثمان الی ابی بکر یسالنہ ثمنھن مما افاء اللہ علی رسولہ فکنت انا اردھن فقلت لھن الا تتقین اللہ الم تعلمن ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کان یقول لا نورث ما

کہا جاتا ہے کہ مالک ابن اوس ابن الحدثان بھی اُن کے ساتھ شریک ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا کی فصل فیما وقع فی خلافۃ ابی بکر میں تحریر کرتے ہیں:-

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلعم کی میراث میں اختلاف ہوا اور کسی کو اسکا صحیح علم نہیں تھا تو ابوبکر نے کہا کہ ہم نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ جو ترکہ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اسی عبارت کو ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی لکھا ہے۔ د

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا۔ اور کسی شخص سے اس کی صحیح خبر نہیں مل سکی تو ابوبکر نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم لوگ جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی بھی کتاب الاکتفا میں تحریر کرتے ہیں:

واختلفوا فی میراثہ فما وجد واعندہ احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ ص یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ اخرجہ البغوی وابوبکر الشافعی فی الغیلانیات وابن عساکر فی تاریخہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا اور کسی کے پاس سے اس کی صحیح خبر نہ مل سکی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو وہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اسی حدیث کو امام بغوی نے۔ ابوبکر شافعی نے غیلانیات میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

مرقومۂ بالا اسناد واشہاد سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ گروہ صحابہ میں کسی کو بھی اس حدیث کی کانوں کان خبر نہیں تھی۔ یہ حضرت ابوبکر تھے جنھوں نے پہلے پہل اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کیا۔

نقیب ابوجعفر یحییٰ ابن محمد مصری لکھتے ہیں:-

علی وفاطمۃ والعباس ما زالوا علی کلمۃ واحدۃ یکذبون الروایۃ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ویقولون انھا مختلقۃ قالوا کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعرف ھذا الحکم غیرنا ویکتمہ عنا ونحن الورثۃ ونحن اولی الناس ان یودی ھذا الحکم الیہ۔

حضرات علی وفاطمہ وعباس علیہم السلام اپنے کلمۂ متفقہ سے نہ علٰحدہ ہوئے۔ اور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی برابر تکذیب فرماتے رہے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس سے اختلاف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کو ہمارے غیروں سے تو کہدیں اور ہم لوگوں سے چھپائیں۔ کیونکہ ہم لوگ اُن کے وارث تھے اور اس بنا پر اُن کا حکم سننے اور اُس کے بجالانے کے لیے سب لوگوں سے زیادہ مستحق تھے۔

ان تمام اسناد سے یہاں تک تو معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کا وجود تنہا اور بساط اتنی ہے کہ اس کا بیان کرنے والا سوائے اُس کے جو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اُس کے پاس اپنا مطلب نکالنے اور اپنی گون گانٹھنے کے لیے سوائے اس کے کوئی دوسری ترکیب ہی نہیں تھی۔

دس برس کے بعد حضرت عمر کے ایام خلافت میں صحیح بخاری کی قلکاری نے اس میں اور شاخ نکالی اور اس کی کمزور اور ضعیف بنیاد صحابہ کے مناشدہ کے ذریعہ سے سنبھالی۔ اُسکی کیفیت یہ ہے۔

اخرج البخاری عن مالک ابن اوس بن الحدثان النصری ان عمر ابن الخطاب قال بحضر من الصحابۃ فیہم علی والعباس وعثمان وعبد الرحمن ابن عوف والزبیر

کہا جاتا ہے کہ مالک ابن اوس ابن الحدثان بھی اُن کے ساتھ شریک ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء کی فصل فیما وقع فی خلافۃ ابی بکر میں تحریر کرتے ہیں:-

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلعم کی میراث میں اختلاف ہوا اور کسی کو اسکا صحیح علم نہیں تھا تو ابوبکر نے کہا کہ ہم نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ جو ترکہ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اسی عبارت کو ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی لکھا ہے۔ د

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا۔ اور کسی شخص سے اس کی صحیح خبر نہیں مل سکی تو ابوبکر نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم لوگ جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی بھی کتاب الاکتفا میں تحریر کرتے ہیں:

واختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذالک علما فقال ابوبکر سمعت رسول اللہ ص یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ اخرجہ البغوی وابوبکر الشافعی فی الغیلانیات وابن عساکر فی تاریخہ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا اور کسی کے پاس سے اس کی صحیح خبر نہ مل سکی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو وہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اسی حدیث کو امام بغوی نے۔ ابوبکر شافعی نے غیلانیات میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

مرقومۂ بالا اسناد و اشہاد سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ گروہ صحابہ میں کسی کو بھی اس حدیث کی کانوں کان خبر نہیں تھی۔ یہ حضرت ابوبکر تھے جنھوں نے پہلے پہل اس حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کیا۔

نقیب ابوجعفر یحیٰے ابن محمد مصری لکھتے ہیں:-

علی وفاطمۃ والعباس ما زالوا علی کلمۃ واحدۃ یکذبون الروایۃ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ویقولون انھا مختلقۃ قالوا کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعرف ھذا الحکم غیرنا ویکتمہ عنا ونحن الورثۃ ونحن اولی الناس ان یودی ھذا الحکم الیہ۔

حضرات علی وفاطمہ وعباس علیہم السلام اپنے کلمۂ متفقہ سے نہ علیحدہ ہوئے۔ اور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی برابر تکذیب فرماتے رہے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس سے اختلاف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کو ہمارے غیروں سے تو کہدیں اور ہم لوگوں سے چھپائیں۔ کیونکہ ہم لوگ اُن کے وارث تھے اور اس بنا پر اُن کا حکم سننے اور اُس کے بجالانے کے لیے سب لوگوں سے زیادہ مستحق تھے۔

ان تمام اسناد سے یہاں تک تو معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کا وجود تنہا اور بساطا اتنی ہے کہ اس کا بیان کرنے والا سوائے اُس کے جو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اُس کے پاس اپنا مطلب نکالنے اور اپنی گون گانٹھنے کے لیے سوائے اس کے کوئی دوسری ترکیب ہی نہیں تھی۔

وس برس کے بعد حضرت عمر کے ایام خلافت میں صحیح بخاری کی قلکاری نے اس میں اور شاخ نکالی اور اس کی کمزور اور ضعیف بنیاد صحابہ کے مناشدہ کے ذریعہ سے سنبھالی۔ اُسکی کیفیت یہ ہے۔

اخرج البخاری عن مالک ابن اوس بن الحدثان النصری ان عمر ابن الخطاب قال بحضر من الصحابۃ فیہم علی والعباس وعثمان وعبد الرحمن ابن عوف والزبیر

قال فلما توفی رسول اللہ ص قال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب ھذا میراث امرأته من ابیھا فقال ابو بکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ صدقة فرأیتماہ کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انه لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی ابا بکر وانا ولی رسول اللہ وابا بکر فرأیتمانی کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق فولیتھا حتی جئتنی انت وھذا انتما جمیع وامرکما واحد فقلتما ادفعھا الینا فقلت ان شئتم دفعتھا الیکم علی ان علیکما عھد اللہ ان تعملا فیھا بالذی کان یعمل رسول اللہ فاخذتماھا بذلک قال اکذلک قالا نعم قال ثم جئتمانی لاقضی بینکما بغیر ذلک حتی تقوم الساعة فان عجزتما عنھا فردھا الی۔

خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ زہری کا بیان ہے کہ مالک ابن اوس نے بیان کیا کہ مجھ کو ایک بار عمر ابن الخطاب نے بُلا بھیجا میں دن چڑھے اُنکے پاس گیا۔ اور میں نے اُن کو گھر میں اپنی جماعت کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتے ہوئے پایا۔ وہ چمڑے کے فرش پر تکیہ دیے ہوئے بیٹھے تھے عمر نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی قوم کے گھروں کی طرف جاؤ اور اُنکو بُلا لاؤ کہ میں اُن کو تھوڑا تھوڑا عطیہ دینے کے لیے حکم کروں۔ میں نے اُنسے کہا کہ آپ کسی دوسرے کو اس کام کے لیے بھیجیں۔ اُنھوں نے کہا۔ اے مالک! لے بھی آؤ۔ میں اُٹھا اور میں نے پوچھا۔ آپ کسکو بُلاتے ہیں۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد کو؟ عمر نے کہا۔ ہاں۔ پس میں گیا۔ اور اُن لوگوں کو بُلا لایا۔ جب وہ آگئے تو پھر میں نے پوچھا کہ آپ کو علیؑ اور عباسؓ کی بھی ضرورت ہے۔ عمر نے کہا ہاں۔ پس میں گیا اور ان دونوں صاحبوں کو لے آیا۔ عباسؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہمارے اور اس جھوٹے گنہگار۔ غادر اور خائن کے درمیان تصفیہ فرمادیں۔ قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہ سخت امر ہے یا امیر المؤمنین! آپ ان لوگوں پر رحم کیجیے اور ان میں تصفیہ فرما دیجیے۔ مالک ابن اوس کہتے ہیں کہ میں نے اُس وقت خیال کیا کہ شاید یہ لوگ قبل اسکے بھی آپ کے پاس آچکے ہیں۔ پس عمر نے ابتدا کی۔ اور تمام لوگوں کو قسم دیکر پوچھا کہ تم لوگ اپنے اُس پروردگار کی جس کے حکم سے آسمان و زمین برقرار ہیں قسم کھاکر بیان کرو کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ گروہِ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ترکہ وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوجاتا ہے۔ سب نے کہا۔ ہاں۔ عمر ابن الخطاب نے کہا کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا جو آج تک کسی کو عنایت نہیں فرمائی تھی جیسا کہ فرماتا ہے کہ اہل القرٰے کی آمدنی خدا نے اپنے رسولؐ کو عنایت فرمائی اور وہ سب مال اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ اور تم لوگ جانتے ہو کہ اہل القرٰے نے اس آیہ کے حکم کو قبول کرلیا یا نہیں۔ یہ کہکر عمر کہنے لگے کہ پس جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کی آمدنی کو تم لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ اور قسم خدا کی تم لوگوں پر اس کا پورا اثر پڑا۔ اور جب تک وہ مال باقی رہا سوائے تم لوگوں کے اُس میں سے کسی اور نے نہیں پایا۔ اور جناب رسولؐ خدا اُس میں سے سال بھر کا خرچ نکالکر باقی کو بیت المال میں ملا دیتے تھے۔ اب میں تم لوگوں کو تمہارے اُس پروردگار کی قسم دیکر جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں پوچھتا ہوں کہ تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم ایسا ہی عمل فرمایا کرتے تھے؟ سب نے کہا ہاں۔ اسکے بعد علیؑ اور عباسؓ سے بھی ایسی ہی قسم دیکر پوچھا۔ اُن لوگوں نے بھی کہا ہاں۔ تب عمر نے کہا کہ جب جناب رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور ابوبکر نے یہ دعوٰے کیا کہ ہم آنحضرت صلعم کے ولی ہیں پس تم دونوں شخص اُنکے پاس آئے۔ تم نے تو (عباس) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کیا اور انہوں (علیؑ) نے اپنی بی بی کی طرف سے اُن کے باپ کی میراث کا مطالبہ فرمایا۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ پس تم دونوں شخصوں نے اُن کو جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھیرایا۔ خدا جانتا ہے وہ سچے تھے۔ بری الذمہ تھے اور حق کے تابع تھے۔ جب ابوبکر نے قضا کی اور میں رسولؐ اللہ اور ابوبکر کا ولی ہوا تو تم دونوں شخصوں نے مجھ کو بھی جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھہرایا۔ خدا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ بری الذمہ ہوں اور حق کا تابع ہوں۔ پس

قال فلمّا توفی رسول اللہ ص قال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثك من ابن اخیك ویطلب ھذا میراث امرأته من ابیھا فقال ابو بکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ فرأیتماہ کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انه لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی ابا بکر وانا ولی رسول اللہ وابا بکر فرأیتمانی کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق تولیتھا حتیٰ جئتنی انت وھذا انتما جمیع وامرکما واحد فقلتما ادفعھا الینا فقلت ان شئتم دفعتھا الیکم علی ان علیکما عھد اللہ ان تعملا فیھا بالذی کان یعمل رسول اللہ فاخذتاھا بذٰلك قال اکذٰلك قالا نعم قال ثم جئتمانی لاقضی بینکما بغیر ذٰلك حتیٰ تقوم الساعۃ فان عجزتما عنھا فردھا الیَّ"

خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ زہری کا بیان ہے کہ مالک ابن اوس نے بیان کیا کہ مجھ کو ایک بار عمر ابن الخطاب نے بلا بھیجا میں دن چڑھے اُنکے پاس گیا۔ اور میں نے اُن کو گھر میں اپنی جماعت کے ساتھ برابیاتیں کرتے ہوئے پایا۔ وہ چمڑے کے فرش پر تکیہ دیے ہوئے بیٹھے تھے عمر نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی قوم کے گھروں کی طرف جاؤ اور اُنکو بُلا لاؤ کہ میں اُن کو تھوڑا تھوڑا عطیہ دینے کے لیے حکم کروں۔ میں نے اُنسے کہا کہ آپ کسی دوسرے کو اس کام کے لیے بھیجیں۔ اُنہوں نے کہا۔ اے مالک! لے بھی آؤ۔ میں اُٹھا اور میں نے پوچھا۔ آپ کسکو بُلاتے ہیں۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد کو؟ عمر نے کہا۔ ہاں۔ پس میں گیا۔ اور اُن لوگوں کو بُلا لایا۔ جب وہ آ گئے تو پھر میں نے پوچھا کہ آپ کو علیؑ اور عباسؓ کی بھی ضرورت ہے۔ عمر نے کہا ہاں: پس میں گیا اور ان دونوں صاحبوں کو لے آیا۔ عباسؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہمارے اور اس جھوٹے گنہگار۔ غادر اور خائن کے درمیان تصفیہ فرما دیں۔ قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہ سخت امر ہے یا امیر المؤمنین! آپ ان لوگوں پر رحم کیجیے اور ان میں تصفیہ فرما دیجیے مالک ابن اوس کہتے ہیں کہ میں نے اُس وقت خیال کیا کہ شاید یہ لوگ قبل اسکے بھی آپ کے پاس آ چکے ہیں۔ پس عمر نے ابتدا کی۔ اور تمام لوگوں کو قسم دیکر پوچھا کہ تم لوگ اپنے اُس پروردگار کی جس کے حکم سے آسمان و زمین برقرار ہیں قسم کھا کر بیان کرو کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ گروہِ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ترکہ وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ سب نے کہا۔ ہاں۔ عمر ابن الخطاب نے کہا کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا جو آج تک کسی کو عنایت نہیں فرمائی تھی جیسا کہ فرماتا ہے کہ اہل القرٰے کی آمدنی خدا نے اپنے رسولؐ کو عنایت فرمائی اور وہ سب مال اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ اور تم لوگ جانتے ہو کہ اہل القرٰے نے اس آیہ کے حکم کو قبول کر لیا یا نہیں۔ یہ کہکر عمر کہنے لگے کہ پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بنی نضیر کی آمدنی کو تم لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ اور قسم خدا کی تم لوگوں پر اس کا پورا اثر پڑا۔ اور جب تک وہ مال باقی رہا سوائے تم لوگوں کے اُس میں سے کسی اور نے نہیں پایا۔ اور جناب رسولؐ خدا اُس میں سے سال بھر کا خرچ نکالکر باقی کو بیت المال میں ملا دیتے تھے۔ اب میں تم لوگوں کو تمہارے اُس پروردگار کی قسم دیکر جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں پوچھتا ہوں کہ تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم ایسا ہی عمل فرمایا کرتے تھے؟ سب نے کہا ہاں۔ اسکے بعد علیؑ اور عباسؓ سے بھی ایسی ہی قسم دیکر پوچھا۔ اُن لوگوں نے بھی کہا ہاں۔ تب عمر نے کہا کہ جب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور ابوبکر نے یہ دعوےٰ کیا کہ ہم آنحضرت صلعم کے ولی ہیں پس تم دونوں شخص اُنکے پاس آئے۔ تم نے تو (عباس) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کیا اور انہوں (علیؑ) نے اپنی بی بی کی طرف سے اُن کے باپ کی میراث کا مطالبہ فرمایا۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ پس تم دونوں شخصوں نے اُن کو جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھیرایا۔ خدا جانتا ہے وہ سچے تھے۔ بری الذمہ تھے اور حق کے تابع تھے۔ جب ابوبکر نے قضا کی اور میں رسولؐ اللہ اور ابوبکر کا ولی ہوا تو تم دونوں شخصوں نے مجھ کو بھی جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھہرایا۔ خدا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ بری الذمہ ہوں اور حق کا تابع ہوں لیکن

عمر نے علی اور عباس سے یہ خطاب کرنے کے وقت کہا کہ تم لوگوں کا یہ دعوے ہے کہ ابوبکر ظالم اور فاجر تھے۔ قسم خدا کی وہ صادق تھے۔ مبرا تھے۔ راشد تھے اور حق کے تابع تھے۔ پھر جب ابوبکر نے بتقدیر الٰہی قضا کی تو میں رسول اللہ صلعم اور ابوبکر کا ولی ہوا۔ اور جب میری امارت کو بھی دو برس گزر چکے اور اس مدت میں میرا عمل بھی وہی رہا جو جناب رسول خدا صلعم کا عمل تھا تو تم دونوں شخصوں نے مجھے بھی ظالم اور فاجر ٹھیرایا۔ خدا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ بھلا ہوں۔ راشد ہوں اور حق کا تابع۔ اب تم ہمارے پاس آئے ہو۔ تمہارے کام اور کلام ایک ہیں۔ تم اے عباس اپنے بھتیجے کا حق مجھ سے طلب کرتے ہو اور یہ یعنی علیؑ اپنی بی بی کا حصہ اُن کے پدر بزرگوار کی میراث میں مانگتے ہیں۔

اتنا لکھکر علامہ ابن ابی الحدید تحریر کرتے ہیں:۔

وفیہا اشکال آخر وھو قول عمر لعلی والعباس وانتما حینئذ تزعمان ان ابا بکر فیہا ظالم وفاجر ثم قال لما ذکر نفسہ وانتما تزعمان انی فیہا ظالم وفاجر فاذا کانا تزعمان ذلک فکیف یجتمع ھذا الزعم مع کونہما یعلمان ان رسول اللہ قال لا نورث ان ھذا لمن اعجب العجائب ولولا ان ھذا الحدیث اعنی حدیث خصومۃ العباس وعلی مذکور فی الصحاح لکان بعض ما ذکرنا لا یطعن فی صحتہ وانما الحدیث فی الصحاح لا ریب فی ذلک۔

یہ اخیر مشکل ہے اور وہ عمر کا قول ہے۔ جو اُنھوں نے حضرت علیؑ اور عباس کی نسبت یوں کہا تھا کہ تم دونوں ابوبکر کو ظالم اور فاجر ٹھیراتے ہو اور اپنی ذات کے لیے یہ کہا کہ تم دونوں مجھ کو بھی ظالم اور فاجر بتلاتے ہو پس اگر وہ دونوں شخص ایسا دعوے رکھتے تھے تو اُن کے دعوے اُن کے اس قول کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتے ہیں اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں شخص اس حدیث کو جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ امر تمام عجیب باتوں سے عجیب ترین ہے۔ اور مگر عمر کے پاس حضرت علی اور عباس کے مطالبہ والی حدیث صحاح میں مذکور نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ اس میں طعن کیجاتی۔ مگر یہ حدیث تو بلاشک و شبہ کتب صحاح میں داخل ہے۔

اتنا لکھکر پھر اسی مضمون کو پیش نظر رکھ کر علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

ھذا الحدیث یدل صریحا علی انھما (علی وعباس) جاءا یطلبان المیراث لا الولایۃ وھذا من المشکلات لان ابا بکر حسم المادۃ اولا وقرر عند العباس وعلی وغیرھما ان النبی لا یورث وکان عمر من المساعدین لہ علی ذلک فکیف یعود العباس وعلی بعد وفاۃ ابی بکر یحاولان امرا کان قد فرغ منہ ویئس من حصولہ اللھم الا ان یکونا ظنا ان عمر ینقض قضاء ابی بکر فی ھذہ المسئلۃ وھذا بعید لان علیا والعباس کانا فی ھذہ الواقعۃ یتھمان عمر بممالاۃ ابی بکر علی ذلک الا تراہ یقول نسبتمانی ونسبتما ابا بکر الی الظلم والخیانۃ فکیف یظنان انہ ینقض قضاء ابی بکر ویورثھما۔

یہ حدیث صریحاً دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ دونوں (حضرات علی وعباس) اس غرض خاص سے آئے تھے کہ اپنی اپنی میراث بقاعدۂ وراثت طلب فرمائیں۔ نہ بغرض ولایت صدقہ۔ اور یہ امر مشکل ترین امر ہے۔ کیونکہ مادۂ میراث کو تو ابوبکر نے آغاز ہی سے قطع کر دیا تھا۔ اور ان دونوں حضرات کے سامنے صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث نہیں۔ اور عمر بھی اُس وقت ابوبکر کے موئدین میں تھے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرات علیؑ و عباسؓ وفات ابوبکر کے بعد اپنے قول و قرار سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور اُس امر کی خواہش کریں جو پہلے طے اور ختم ہو چکا ہے۔ اور اُس کے حاصل ہونے کی طرف سے اُن کو پوری مایوسی ہو چکی ہے۔ ہاں شاید اُن لوگوں کو یہ گمان ہوا ہو کہ حضرت عمر ابوبکر کے اس فیصلہ کو مسترد کر دینگے۔ اور یہ امر بھی بعید ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات عمر کو اس مسئلہ میں ابوبکر کی موافقت کے لیے برابر تہمت

عمر نے علی اور عباس سے یہ خطاب کرنے کے وقت کہا کہ تم لوگوں کا
یہ دعویٰ ہے کہ ابوبکر ظالم اور فاجر تھے قسم خدا کی وہ صادق
تھے۔ مبرا تھے۔ راشد تھے اور حق کے تابع تھے۔ پھر جب
ابوبکر حسب تقدیر الٰہی قضا کی تو میں رسول اللہ صلعم اور ابوبکر کا
ولی ہوا۔ اور جب میری امارت کو بھی دو برس گزر چکے اور
اس مدت میں میرا عمل بھی وہی رہا جو جناب رسول خدا صلعم کا
عمل تھا تو تم دونوں شخصوں نے مجھے بھی ظالم اور فاجر ٹھیرایا۔
خدا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ بےخطا ہوں۔ راشد ہوں اور حق
کا تابع۔ اب تم ہمارے پاس آئے ہو۔ تمہارے کام اور کلام
ایک ہیں۔ تم اے عباس اپنے بھتیجے کا حق مجھ سے طلب کرتے ہو
اور یہ یعنی علیؑ اپنی بی بی کا حصہ اُن کے پدر بزرگوار کی میراث
میں مانگتے ہیں۔

انتہا لکھکر علامہ ابن ابی الحدید تحریر کرتے ہیں :۔

وههنا اشکال آخر وهو قول عمر لعلي والعباس وانتما
حینئذ تزعمان ان ابا بکر فیها ظالم و فاجر ثم قال
لما ذکر نفسه وانتما تزعمان انی فیها ظالم و فاجر
فاذا کانا تزعمان ذلك فكيف يجتمع هذا الزعم
مع کونهما یعلمان ان رسول الله قال لا نورث
ان هذا لمن اعجب العجائب ولولا ان هذا الحديث
اعنی حدیث خصومة العباس وعلی مذکور في الصحاح
لکان بعض ما ذکرنا لا یطعن فی صحته وانما الحدیث
فی الصحاح لا ریب فی ذلك۔

یہ اخیر مشکل ہے اور وہ عمر کا قول ہے۔ جو اُنھوں نے حضرت علیؑ
اور عباس کی نسبت یوں کہا تھا کہ تم دونوں ابوبکر کو ظالم اور
فاجر ٹھیراتے ہو اور اپنی ذات کے لیے یہ کہا کہ تم دونوں مجھ کو
بھی ظالم اور فاجر بتلاتے ہو پس اگر وہ دونوں شخص ایسا
دعوے رکھتے تھے تو اُن کے دعوے اُن کے اس قول کے
ساتھ کیسے جمع ہو سکتے ہیں اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ
دونوں شخص اس حدیث کو جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے
فرمایا ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ امر تمام عجیب باتوں
سے عجیب ترین ہے۔ اور مگر عمر کے پاس حضرت علی اور عباس
کے مطالبہ والی حدیث صحاح میں مذکور نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ
اس میں طعن کیجاتی۔ مگر یہ حدیث تو بلاشک و شبہ کتب صحاح
میں داخل ہے۔

انتہا لکھکر پھر اسی مضمون کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

هذا الحديث يدل صريحا على انهما (علی وعباس)
جاءا يطلبان الميراث لا الولاية وهذا امر المشكل
لان ابا بكر حسم المادة اولا وقرر عند العباس
وعلي وغيرهما ان النبي لا يورث وكان عمر من المساعد
علی ذلك فكيف يعود العباس وعلي بعد وفات ابوبكر
يحاولا لان امرا كان قد فرغ منه ويئس من حصوله
اللهم الا ان يكونا ظنا ان عمر ينقض قضاء ابوبكر
في هذه المسئلة وهذا بعيد لان عليا والعباس
كانا في هذه الواقعة يتهمان عمر بممالاة ابوبكر
على ذلك الاترى يقول نسبتمانی ونسبتما ابابكر الى
الظلم والخيانة فكيف يظنان انه ينقض قضاء
ابوبكر ويورثهما۔

یہ حدیث صریحًا دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ دونوں (حضرات
علی وعباس) اس غرض خاص سے آئے تھے کہ اپنی اپنی
میراث بقاعدہ وراثت طلب فرمائیں۔ نہ بغرض ولایت
صدقہ۔ اور یہ امر مشکل ترین امر ہے۔ کیونکہ مادہ میراث کو تو
ابوبکر نے آغاز ہی سے قطع کر دیا تھا۔ اور ان دونوں حضرات
کے سامنے صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ جناب رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث نہیں۔ اور عمر بھی
اُس وقت ابوبکر کے مویدین میں تھے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ حضرات علیؑ وعباسؓ وفات ابوبکر کے بعد اپنے قول و
قرار سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور اُس امر کی خواہش کریں
جو پہلے طے اور ختم ہو چکا ہے۔ اور اُس کے حاصل ہونے کی
طرف سے اُن کو پوری مایوسی ہو چکی ہے۔ ہاں شاید اُن
لوگوں کو یہ گمان ہوا ہو کہ حضرت عمر ابوبکر کے اس فیصلہ کو مسترد
کر دینگے۔ اور یہ امر بھی بعید ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات
عمر کو اس مسئلہ میں ابوبکر کی موافقت کے لیے برابر تہمت

فی ھٰذا شیئاً فروی مالک ابن اوس ابن الحدثان انہ سمعہ من رسول اللہ وھٰذا الحدیث ینطق بانہ استشھد عمر طلحۃ والزبیر وعبد الرحمٰن وسعد افقالوا سمعناہ من رسول اللہ فاین کانت ھٰذہ الروایات ایام ابی بکر وما نقل ان احد من ھٰؤلاء یوم خصومۃ فاطمۃ و ابی بکر روی من ھٰذا شیئاً۔

یہ حدیث بھی مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کا راوی سوائے ایک ابوبکر کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس امر کو اعظم ترین محدثین نے ذکر کیا ہے بلکہ فقہا نے اصولِ فقہ میں اس پر اتفاق کیا ہے کہ کسی ایک صحابی کا قول فقہی مسائل میں حجت ہوتا ہے۔ اور اُن کے اس اصول کے خلاف ہمارے شیخ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کوئی شخص ہو (صحابی یا غیر صحابی) اُس کی روایت تا وقتیکہ مثل شہادت عام کے دو راوی نہ بیان کرینگے۔ قابلِ قبولیت نہیں ہو سکتی۔ پس شیخ کے اس قول کی تمام فقہا اور متکلمین نے مخالفت کی اور اس کی تردید و تنقید میں ابوبکر کی خبر واحد۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی دلیل پیش کی۔ اور تمام صحابہ کا اسے قبول کر لینا اس کے وثوق پر حجت لایا گیا شیخ ابو علی محدث کے بعض اصحاب نے ان لوگوں کا جواب الجواب بھی لکھا اور اُس میں یہ روایت درج کی۔ جیسا کہ مروی ہے کہ جس روز جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے اپنی میراث کا مطالبہ رجوع کیا۔ ابوبکر نے تمام حاضرین سے قسم دلا کر پوچھا کہ کسی شخص نے بھی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے۔ پس مالک ابن اوس ابن الحدثان اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ اور یہ حدیث اس پر ناطق ہے کہ عمر نے طلحہ۔ زبیر۔ عبد الرحمٰن اور سعد سے اس کے متعلق شہادت طلب فرمائی اور اُن لوگوں نے کہا کہ ہم نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا سنا ہے۔ پس یہ روایات ایامِ ابوبکر میں کہاں تھے۔ کہ ان میں سے ایک نے بھی اُس وقت روایت نہیں کی اور پھر یہ لوگ روزِ خصومتِ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ابوبکر کہاں چلے گئے تھے کہ ان میں سے کسی ایک نے کوئی خبر اس مسئلہ کے متعلق نہ بیان کی۔

اپنے اس مختار میں جو حقیقتِ حال تھی وہ علامہ صاحب موصوف القدر نے کھل کھل کر لکھ دی۔ اور جن اسباب اور وجوہ سے علمائے شیعہ نے اس حدیث کو موضوع۔ مجروح اور مقدوح بتلایا ہے وہ ایک ایک کر کے آپ نے بھی تحریر فرما دیے ہیں تو اب مجھ کو اپنی طرف سے زیادہ تفصیل و تشریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہی۔

محققینِ زمانہ کی دوربین نگاہیں عبرت سے اس موضوع روایت کی گئی گزری حالتوں کو دیکھ لیں کہ جو حضرات اس کے مویدین اور مصدقین میں داخل ہیں وہی بیخ و بن سے اس کی کیسی دھجیاں اُڑاتے ہیں۔ آپ حضرات علامہ ابن ابی الحدید کے ساتھ ہی ساتھ ابن حجر عسقلانی کی بھی ایک تحریر ملاحظہ فرمالیں۔ جو اُنہوں نے اس حدیث کی تاویل فرماتے وقت اپنی شرح موسومہ فتح الباری میں حوالۂ قلم فرمائی ہے۔ وہو ہذا۔

وفی ذٰلک اشکال شدید وھو ان اصل القصۃ صریح فی ان العباس وعلیاً قد علما بان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال لا نورث فکانا سمعاہ من النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فکیف یطلبانہ بعد ذٰلک من عمر الذی یظھر واللہ اعلم حمل الامر فی ذٰلک علی ما تقدم فی الحدیث الذی قبلہ فی حق فاطمۃ و ان کلاً من فاطمۃ وعلی والعباس اعتقد ان عموم قولہ لا نورث مخصوص ببعض ما یخلفہ دون بعض ولذالک نسب عمر ابن الخطاب الی علی وعباس انھما کان یعتقد ان ظلم من خالفھما فی ذٰلک۔

یعنی اس مسئلہ میں شدید مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل قصہ میں بالتصریح یہ لکھا ہے کہ علیؑ اور عباس جانتے تھے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا تھا تو پھر اپنی اپنی میراث کو عمر ابن الخطاب سے کیوں طلب فرمایا۔ اور جیسا کہ انہوں نے

فی ھٰذا شیئاً فروی مالک ابن اوس ابن الحدثان انہ
سمعہ من رسول اللہ وھٰذا الحدیث ینطق بانہ استشہد
عمر طلحۃ والزبیر وعبد الرحمٰن وسعد افقالوا سمعناہ
من رسول اللہ فاین کانت ھٰذہ الروایات ایام ابی بکر
وما نقل ان احد من ھؤلاء یوم خصومۃ فاطمۃ و
ابی بکر روی من ھٰذا شیئا۔

یہ حدیث بھی مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر روایات سے ثابت ہوتا ہے
کہ اس حدیث کا راوی سوائے ایک ابوبکر کے کوئی دوسرا
نہیں ہے۔ اس امر کو اعظم ترین محدثین نے ذکر کیا ہے بلکہ
فقہا نے اصولِ فقہ میں اس پر اتفاق کیا ہے کہ کسی ایک صحابی
کا قول فقہی مسائل میں حجت ہوتا ہے۔ اور اُن کے اس اصول
کے خلاف ہمارے شیخ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کوئی
شخص ہو (صحابی یا غیر صحابی) اُس کی روایت تاوقتیکہ مثل
شہادت عام کے دو راوی نہ بیان کرینگے۔ قابلِ قبولیت نہیں
ہوسکتی۔ پس شیخ کے اس قول کی تمام فقہا اور متکلمین نے
مخالفت کی اور اس کی تردید و تنقید میں ابوبکر کی خبر واحد۔
حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی دلیل پیش کی۔ اور
تمام صحابہ کا اسے قبول کرلینا اس کے وثوق پر حجت لایا گیا۔ شیخ
ابو علی محدث کے بعض اصحاب نے ان لوگوں کا جواب الجواب
بھی لکھا اور اُس میں یہ روایت درج کی۔ جیسا کہ مروی ہے
کہ جس روز جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے
اپنی میراث کا مطالبہ رجوع کیا۔ ابوبکر نے تمام حاضرین سے قسم
دلا کر پوچھا کہ کسی شخص نے بھی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ
علیہ و آلہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سُنا ہے۔ پس مالک ابن اوس
ابن الحدثان اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے جنابِ
رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس کو سُنا ہے۔ اور یہ حدیث
اس پر ناطق ہے کہ عمر نے طلحہ۔ زبیر۔ عبد الرحمٰن اور سعد سے
اس کے متعلق شہادت طلب فرمائی اور اُن لوگوں نے کہا کہ ہم نے
جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایسا سُنا ہے۔
پس یہ روایات ایامِ ابوبکر میں کہاں تھے۔ کہ ان میں سے ایک نے
بھی اُس وقت روایت نہیں کی اور پھر یہ لوگ روزِ خصومتِ حضرت
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ابوبکر کہاں چلے گئے تھے کہ ان
میں سے کسی ایک نے کوئی خبر اس مسئلہ کے متعلق نہ بیان کی۔
اپنے اس مختار میں جو حقیقتِ حال تھی وہ علامہ صاحب موصوف
الصدر نے کھل کھل کر لکھدی۔ اور جن اسباب اور وجوہ سے
علمائے شیعہ نے اس حدیث کو موضوع۔ مجروح اور مقدوح
بتلایا ہے وہ ایک ایک کرکے آپ نے بھی تحریر فرما دیے ہیں۔ تو
اب مجھ کو اپنی طرف سے زیادہ تفصیل و تشریح کی مطلق ضرورت
باقی نہیں رہی۔

محققینِ زمانہ کی دوربین نگاہیں عبرت سے اس موضوع روایت
کی گئی گذری حالتوں کو دیکھ لیں کہ جو حضرات اس کے مؤیدین
اور مصدقین میں داخل ہیں وہی بیخ دبُن سے اس کی کیسی
دھجیاں اُڑاتے ہیں۔ آپ حضرات علامہ ابن ابی الحدید کے
ساتھ ہی ساتھ ابن حجر عسقلانی کی بھی ایک تحریر ملاحظہ فرمالیں۔
جو اُنہوں نے اس حدیث کی تاویل فرماتے وقت اپنی شرح موسومہ
فتح الباری میں حوالۂ قلم فرمائی ہے۔ وھو ھذا۔

وفی ذٰلک اشکال شدید وھو ان اصل القصۃ صریح
فی ان العباس وعلیاً قد علما بان النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم قال لا نورث فکانا سمعاہ من النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکیف یطلبانہ بعد ذٰلک
من عمر والذی یظہر واللہ اعلم حمل الامر فی ذٰلک
علی ما تقدم فی الحدیث الذی قبلہ فی حق فاطمۃ و
ان کلا من فاطمۃ وعلی والعباس اعتقد ان عموم
قولہ لا نورث مخصوص ببعض ما یخلفہ دون بعض
ولذٰلک نسب عمر ابن الخطاب الی علی وعباس انھما
کان یعتقد ان ظلم من خالفھما فی ذٰلک۔

یعنی اس مسئلہ میں شدید مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل قصہ
میں بالتصریح یہ لکھا ہے کہ علیؑ اور عباس جانتے تھے کہ جناب
رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ ہمارا کوئی
وارث نہیں ہوتا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسول خدا صلے اللہ
علیہ و آلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سُنا تھا تو پھر اپنی اپنی میراث
کو عمر ابن الخطاب سے کیوں طلب فرمایا۔ اور جبکہ اُنہوں نے

کے برعکس لیکر کے فقیر بنکر اُس وقت سے آج تک اس موضوع حدیث کے غلام اور بندۂ بے دام بنے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص کبھی کچھ بھی نہیں منقید کرنا چاہتا ہے تو اُسے کاٹنے کو دوڑتے ہیں جیسا کہ ابھی ابھی شیخ ابو علی محدث کے حالات سے جو علامہ ابن جوزی کے ہمعصر فاضل معتزلی کے اُستاد اور شیخ ہیں۔ اور تیسری صدی کے مشہور و معروف محدث ہو رہے ہیں ظاہر سے معلوم ہو چکا ہے۔

ایسی موضوع اور مصنوع حدیث پر اتنا اعتبار اور وثوق کیوں کیا جاتا ہے۔ صرف خود غرضی اور نفسانیت کی غرض سے۔ اور کچھ نہیں آپ بھی اس حدیث کو احاد میں داخل فرماتے ہیں اور اسکے رواۃ و رجال میں خلیفہ ابوبکر صاحب کو خود متفرد بھی جانتے اور مانتے ہیں مگر پھر بھی جیسا اس حدیث کا وثوق اور اعتبار کرتے ہیں کسی اور حدیث کا نہیں صرف اس غرض سے اور اس مقصود سے کہ اسی حدیث سے خلافت کی بنیاد قائم ہوتی اور جڑ مضبوط۔ اور یہی ایک خبر ہے جس پر خلافت۔ شورے۔ اجماع۔ غلبہ۔ استیلاء وغیرہ وغیرہ تمام سامانِ خلافت مبنی کیے جاتے ہیں۔ پھر ایسی ضروری اور مفید خبر سے انکار کرنا یا اس کو ناقابلِ اعتبار کہنا تو گویا اپنا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی کر دینا ہے۔

یہ ہے خلفا پرستی کا خلوص۔ یہ ہے تعصب کی بد مستی کی بے ہوشی اور اُن کا پُر زور اثر جو اپنے آگے کسی کی بھی نہیں سُنتا مگر تو مذکورۂ بالا اسناد و استشہاد سے ہم اس حدیث کی پوری تنقید و تردید اس تفصیل و تشریح سے درج کر آئے ہیں کہ اب ہم کو اسکے متعلق کچھ لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مگر ابھی اس کے متعلق ایک امر تشریح طلب اور رہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑا زور اس پر دیا جاتا ہے کہ صحابۂ کبار نے اسے قبول کر لیا ہے اور خیر القرون کے بزرگوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اب اگر خدا بھی اس کے خلاف کہے تاہم نہیں مانتے۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ دیکھیے ایک طرف خلیفہ صاحب کی حدیث لا نورث ہے اور ایک طرف خدا کا حکم یوصیکم اللہ۔ مگر یوصیکم اللہ کی کوئی نہیں سُنتا۔ لا نورث کو سب آنکھوں پر اُٹھائے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ نعوذ باللہ۔ وہ خدا سے بھی بڑھے ہوئے بندے رسول اللہ سے بھی افضل۔ حضرات صحابہ ہیں۔ جن کے قول

اقرار اور معیار کو ایسا اعتبار اور اقتدار دیا جاتا ہے۔ انکے نام نامی یہ ہیں۔ علی۔ عباس۔ ابوہریرہ۔ ابوالدردا۔ عثمان ابن عفان۔ عبد الرحمن ابن عوف۔ زبیر ابن العوام۔ سعد ابن ابی وقاص۔

اوّل ان حضرات سے اس کے متعلق جو بھی شہادتیں دی ہیں اُنکی پوری کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باستثنائے علیؑ و عباسؓ یہی اشخاص تو دربارِ خلافت کے نورتن تھے اور خلیفہ جی کی سنگت کے بھگت۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے شرمناک دلیری یہ کی ہے کہ ان صحابیوں کے ساتھ ابوہریرہ ابوالدردا اور حذیفہ کے نام بھی اپنی طرف سے لکھ دیے ہیں۔ حالانکہ ہم نے صحیحین مسلم اور بخاری کی اصل عبارتیں اور انکے علاوہ اور دیگر معتبر اور مستند علما و محدثین کی روایتیں بھی درج کر دی ہیں۔ اُن میں نہ ابوہریرہ کا نام ہے اور نہ ابو الدردا وغیرہ کا نشان ہے۔ یہ شاہ صاحب کی طباعیوں کا اضافہ پر اضافہ ہے اور موضوعیت پر موضوعیت۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ جب مطابق روایت صحیحین ابو الدردا۔ ابوہریرہ وغیرہ نکل گئے تو رہ گئے کون کون حضرات۔ عائشہ صاحبہ۔ عثمان صاحب۔ عبد الرحمن ابن عوف صاحب۔ سعد ابن ابی وقاص صاحب۔ حضرت علیؑ اور عباسؓ۔

عائشہ صاحبہ کی نسبت تو ہم کو کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ابھی ابھی شہادت حسنین علیہما السلام کے متعلق اسی بحث فدک میں سوادِ اعظم کے علمائے حدیث و فقہ کی رائیں تحریر ہو چکی ہیں کہ والدین کے لیے اولاد کی شہادت قابلِ وثوق نہیں ہوتی۔ عثمان صاحب کی نسبت۔ اوّل تو اس کا علم ہی ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر عمر صاحب کے مناشدہ کے وقت انہوں نے شہادت دی بھی تو اپنی آپ تکذیب کی۔ جو بات خود نہیں جانتے تھے اُس کی گواہی دی۔ جھوٹ بولے۔ مگر اس مناشدہ میں ان کا اقرار بھی تو محال و دشوار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عبد الرحمن ابن عوف عثمان کے خالو تھے اور سعد عبد الرحمن کے چچازاد بھائی۔ کیونکہ دونوں قبیلۂ بنی زہرہ کے آدمی تھے پھر عثمان

کے برعکس لکھ کر کے ٹھیرا تبکر اس وقت سے آج تک اس موضوع حدیث
کے غلام اور بندۂ بے دام بنے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص کبھی کبھی اس
تنقید کرنا چاہتا ہے تو اُسے کلٹے کھاتے ہیں جیسا کہ ابھی ابھی شیخ
ابو علی محدث کے حالات سے جو علامہ ابو ... معتزلی
کے استاد اور شیخ ہیں۔ اور تیسری صدی کے مشہور و معروف
محدث ہیں ... سے معلوم ہو چکا ہے۔

ایسی موضوع اور مصنوع حدیث پر اتنا اعتبار اور وثوق کیوں
کیا جاتا ہے۔ صرف خود غرضی اور نفسانیت کی غرض سے۔ اور کچھ نہیں
آپ بھی اس حدیث کو احاد میں داخل فرماتے ہیں اور اسکے رواۃ و
رجال میں خلیفہ ابوبکر صاحب کو خود متفرد بھی جانتے اور مانتے ہیں
مگر پھر بھی جیسا اس حدیث کا وثوق اور اعتبار کرتے ہیں ویسا کسی
اور حدیث کا نہیں صرف اس غرض سے اور اس مقصود سے
کہ اسی حدیث سے خلافت کی بنیاد قائم ہوتی اور جڑ مضبوط۔ اور یہی
ایک خبر ہے جس پر خلافت۔ شورے۔ اجماع۔ غلبہ۔ استیلاء وغیرہ
وغیرہ تمام سامانِ خلافت مبنی کیے جاتے ہیں۔ پھر ایسی ضروری
اور مفید خبر سے انکار کرنا یا اس کو ناقابل اعتبار کہنا تو گویا اپنا
سونے کا بنا بنایا گھر مٹی کر دینا ہے۔

یہ ہے خلفا پرستی کا خلوص۔ یہ ہے تعصب کی بدمستی کی بے ہوشی
اور اُن کا پندار اثر جو اپنے آگے کسی کی بھی نہیں سنتا مگر تو مذکورہ
بالا اسناد و استشہاد سے ہم اس حدیث کی پوری تنقید و تردید اس
تفصیل و تشریح سے درج کر آئے ہیں کہ اب ہم کو اسکے متعلق کچھ
لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مگر ابھی اس کے متعلق ایک
امر تشریح طلب اور رہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑا زور اس پہ
دیا جاتا ہے کہ صحابۂ کبار نے اسے قبول کر لیا ہے اور خیر القرون
کے بزرگوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اب اگر خدا بھی اس کے خلاف
کہے تاہم نہیں مانتے۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ دیکھیے ایک طرف
خلیفہ صاحب کی حدیث لا نورث ہے اور ایک طرف خدا کا حکم
یوصیکم اللہ۔ مگر یوصیکم اللہ کی کوئی نہیں سنتا۔ لا نورث
کو سب آنکھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

بہرحال۔ نعوذ باللہ۔ وہ خدا سے بھی بڑھے ہوئے بندے
رسول اللہ سے بھی افضل۔ حضرات صحابہ ہیں۔ جن کے قول

اقرار اور معیار کو ایسا اعتبار اور اقتدار دیا جاتا ہے۔ ان کے
نام نامی یہ ہیں۔ علی۔ عباس۔ ابوہریرہ۔ ابوالدرداء۔ عثمان
ابن عفان۔ عبد الرحمن ابن عوف۔ زبیر ابن العوام۔ سعد
ابن ابی وقاص۔

اول ان حضرات سے اس کے متعلق جو بھی شہادتیں دی ہیں
اُنکی پوری کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باستثنائے
علیؑ و عباسؓ یہی اشخاص تو دربارِ خلافت کے نورتن تھے
اور خلیفہ جی کی سنگت کے ملی بھگت۔ شاہ عبد العزیز صاحب
نے شرمناک دلیری یہ کی ہے کہ ان صحابیوں کے ساتھ ابوہریرہؓ
ابوالدرداء اور حذیفہ کے نام بھی اپنی طرف سے لکھ دیے ہیں۔
حالانکہ ہم نے صحیحین مسلم اور بخاری کی اصل عبارتیں۔ اور انکے
علاوہ اور دیگر معتبر اور مستند علماء و محدثین کی روایتیں بھی درج
کر دی ہیں۔ اُن میں نہ ابوہریرہ کا نام ہے اور نہ ابو الدرداء وغیرہ
کا نشان ہے۔ یہ شاہ صاحب کی طباعیوں کا اضافہ پر اضافہ ہے
اور موضوعیت پر موضوعیت۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حسب مطابق روایت صحیحین ابوالدرداء۔ ابوہریرہؓ
وغیرہ نکل گئے تو رہ گئے کون کون حضرات۔ عائشہ صاحبہ۔ عثمان
صاحب۔ عبد الرحمن ابن عوف صاحب۔ سعد ابن ابی وقاص
صاحب۔ حضرت علیؑ اور عباس۔

عائشہ صاحبہ کی نسبت تو ہم کو کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ
ابھی ابھی شہادت حسنین علیہما السلام کے متعلق اسی بحث فدک
میں سواد اعظم کے علمائے حدیث و فقہ کی رائیں تحریر ہو چکی ہیں
کہ والدین کے لیے اولاد کی شہادت قابل وثوق نہیں ہوتی۔
عثمان صاحب کی نسبت۔ اول تو اس کا علم ہی ثابت نہیں
ہوتا جیسا کہ معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے
دوسرے یہ کہ اگر عمر صاحب کے مناشدہ کے وقت انہوں نے
شہادت دی بھی تو اپنی آپ تکذیب کی۔ جو بات خود نہیں جانتے
تھے اُس کی گواہی دی۔ جھوٹ بولے۔ مگر اس مناشدہ میں
ان کا اقرار بھی تو محال و دشوار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عبد الرحمن
ابن عوف عثمان کے خالو تھے اور سعد عبد الرحمن کے چچازاد
بھائی۔ کیونکہ دونوں قبیلۂ بنی زہرہ کے آدمی تھے پھر عثمان کے

وہ کبھی قابلِ اعتبار نہیں۔ ہاں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں۔ ڈھائی برس کے بعد خلافتِ عمر کے وقت جیسا کہ صحیح مسلم میں مندرج ہے۔ مجلسِ مناشدہ میں یہ شریک ہو گئے اور دنیا طلبی کے رنگ میں رنگے گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور پھر کچھ ایسے رنگے گئے کہ پھر مرتے دم تک ویسے کے ویسے ہی رہے۔ ان کا ایسا رنگ بدلنا بھی کچھ بعید نہیں تھا۔ کیونکہ خلیفہ ابوبکر صاحب کی بڑی صاحبزادی ہمیشہ پہلو میں موجود رہتی تھیں۔ وہ کب ان کو اپنے باپ کا مخالف بنا رہنا پسند کر سکتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ بخاری صاحب نے پہلے مناشدہ میں ان کی شہادت کے متعلق جو لکھ رہا ہے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی شخص اُسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہاں۔ مسلم صاحب نے مناشدۂ ثانی میں جو کچھ ان کی نسبت لکھا ہے وہ قرینِ قیاس کہا جا سکتا ہے۔ جیسا ابھی ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بیعتِ ابوبکر کے وقت انکی تمام پرجوشی اور تیاری تھوڑے ہی دنوں کے بعد باسی کڑھی کا اُبال ثابت ہوئی اور کچھ نہیں۔ یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اُس وقت تک رشتے حق کی معرفت یا بنی ہاشم ہونے کی حمیت آ گئی۔ مگر پھر جب خسر صاحب کی بزرگی اور بی بی صاحب کی تاکید کا خیال آ گیا اور گھر میں بٹھا کر چپ چاپ من سمجھوتا کر دیا گیا۔ تو وہ تمام پرجوشی۔ سرگرمی اور مستعدی تشریف لے گئی۔ اور جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔

اب رہے (حضرت علی اور عباس) اہلبیت کی اس مناشدہ میں شرکت تو صرف برائے بیعت تھی۔ اور زیادہ تر اس وجہ خاص سے کہ انہی کے اندراجِ اقرار سے تو اصل مقصود حاصل ہونیوالا تھا۔ ع باطل است انچہ مدعی گوید۔ اول مناشدہ تک تو اس سفید جھوٹ کی حقیقت چھپالی گئی۔ مگر دوسرے مناشدہ کی مجلس میں خود عمر صاحب کے قول نے اس پر سیاہی کا قلم پھیر دیا اور جن بزرگواروں کے اقرار کو مناشدۂ اوّل میں اس زور سے لکھا گیا تھا اُنہی لوگوں کے صریح الزامی انکار کو عمر صاحب نے علی الاعلان بیان کر دیا۔ اور تنہا جھوٹ ہی بولنے کی الزام کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت علیؑ اور عباسؓ کو مخاطب فرما کر کہا کہ

تم دونوں شخص ابوبکر کو اور مجھ کو اس معاملۂ (فدک) میں جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھہراتے ہو۔

اب فرمائیے کہ بخاری صاحب والی روایت کا مندرجہ اقرار کہاں تشریف لے گیا۔ یہی ہیں وہ معتبر اسناد اور مستند اشہاد جن سے ان تمام واقعات کی موضوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ وہی مشکلیں ہیں اور دشواریاں جنہوں نے سوادِ اعظم اہلسنت کے بڑے بڑے علماء و محدثین کو سخت اضطرار و اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔ جیسا کہ ابنِ حجر عسقلانی۔ فاضل معتزلی۔ علامہ ابنِ ابی الحدید اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہم کی اصلی عبارتوں سے اوپر بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔

اب اگر۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے کھلے معنوں میں اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت علیؑ نے خلفاء کو کاذب۔ آثم۔ غادر اور خائن کہا تو کیا ہوا۔ ویسے ہی حضرت عباس نے حضرت علیؑ کو بھی تو اُنہی الفاظ سے یاد فرمایا جیسا کہ صحیح مسلم کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواباً عرضِ خدمت کیا جاتا ہے کہ اوّل تو یہ آپ کی روایت ہے۔ اور آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔ نہ شیعہ۔ اور کتبِ صحاح کی تمام روایتوں پر اعتبار کرنا۔ جیسا آپ کا فرض ہو سکتا ہے ویسا شیعوں کا نہیں۔ شیعہ آپ کی صحاح کی کُل روایتوں کو سچا اور صحیح نہیں جانتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی صحاح کی روایتوں کو جزءً یا کلاً۔ اگر وہ اُن کی مرویات سے ملتی جلتی ہیں تو صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے اس روایت میں جنابِ علی مرتضےٰ اور حضرت عباس کا خلفاء کو اس حدیث کی موضوعیت کی نسبت ان کے مُنہ پر الزام دینا۔ جیسا کہ اُن کی کتابوں میں بھی درج ہے اور آپ کی صحاح میں بھی۔ تو وہ اس جزوِ روایت کو حقیقتاً صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ مگر حضرت عباس کے الزامی الفاظ جو جنابِ علی مرتضےٰ کی شان میں آپکی کتابوں میں منقول ہیں وہ اُن کی کتابوں میں مذکور نہیں۔ اس لیے وہ اس جزوِ روایت کو سراپا موضوع اور محض خلفاء کی جنبہ داری میں مساوات قائم رکھنے کے خود غرضانہ خیال پر مبنی یقین کرتے ہیں اور نہ جو رابطہ تعلقات۔ اخلاص اور اتحاد حضرت علیؑ

وہ کبھی قابلِ اعتبار نہیں۔ ہاں جیساکہ واقعات بتلا رہے ہیں۔ ڈھائی برس کے بعد خلافتِ عمر کے وقت جیساکہ صحیح مسلم میں مندرج ہے۔ مجلسِ مناشدہ میں یہ شریک ہوگئے اور دنیاطلبی کے رنگ میں رنگے گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور پھر کچھ ایسے رنگے گئے کہ پھر مرتے دم تک ویسے کے ویسے ہی رہے۔ ان کا ایسا رنگ بدلنا بھی کچھ بعید نہیں تھا۔ کیونکہ خلیفہ ابوبکر صاحب کی بڑی صاحبزادی ہمیشہ پہلو میں موجود رہتی تھیں۔ وہ کب ان کو اپنے باپ کا مخالف بنا رہنا پسند کرسکتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ بخاری صاحب نے پہلے مناشدہ میں ان کی شہادت کے متعلق جو لکھ رہا ہے وہ ہرگز واقع نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی شخص اُسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ ہاں۔ مسلم صاحب نے مناشدۂ ثانی میں جو کچھ ان کی نسبت لکھا ہے وہ قرینِ قیاس کہا جاسکتا ہے۔ جیساکہ ابھی ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بیعتِ ابوبکر کے وقت انکی تمام پُرجوشی اور تیاری تھوڑے ہی دنوں کے بعد باسی کڑھی کا اُبال ثابت ہوئی اور کچھ نہیں۔ یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اُس وقت تک رشتۂ حق کی معرفت یا بنی ہاشم ہونے کی حمیت آگئی۔ مگر پھر جب خسر صاحب کی بزرگی اور بی بی صاحب کی تاکید کا خیال آگیا اور گھر میں بٹھا کر چپ چاپ من سمجھوتا کر دیا گیا۔ تو وہ تمام پُرجوشی۔ سرگرمی اور مستعدی تشریف لے گئی۔ اور جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔

اب رہے (حضرت علی اور عباس) اہلبیت کی اس مناشدہ میں شرکت تو صرف برائے بیعت تھی۔ اور زیادہ تر اس وجہ خاص سے کہ انہی کے اندراجِ اقرار سے تو اصل مقصود حاصل ہونیوالا تھا۔ ع باطل است آنچہ مدعی گوید۔ اول مناشدہ تک تو اس سفید جھوٹ کی حقیقت چھپائی گئی۔ مگر دوسرے مناشدہ کی مجلس میں خود عمر صاحب کے قول نے اس پر سیاہی کا قلم پھیر دیا اور جن بزرگواروں کے اقرار کو مناشدۂ اوّل میں اس زور سے لکھا گیا تھا اُنہی لوگوں کے صریح الزامی انکار کو عمر صاحب نے علی الاعلان بیان کر دیا۔ اور تنہا جھوٹ ہی بولنے کی الزام کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت علیؑ اور عباسؓ کو مخاطب فرما کر کہا کہ

تم دونوں شخص ابوبکر کو اور مجھ کو اس معاملۂ (فدک) میں جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھہراتے ہو۔

اب فرمائیے کہ بخاری صاحب والی روایت کا مندرجہ اقرار کہاں تشریف لے گیا۔ یہی ہیں وہ معتبر اسناد اور مستند اشہاد جن سے ان تمام واقعات کی موضوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ وہی مشکلیں ہیں اور دشواریاں جنہوں نے سوادِ اعظم اہلسنت کے بڑے بڑے علماء و محدثین کو سخت اضطرار و اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔ جیساکہ ابنِ حجر عسقلانی۔ فاضل معتزلی۔ علامہ ابنِ ابی الحدید اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہم کی اصلی عبارتوں سے اوپر بالتفصیل بیان ہوچکا ہے۔

اب اگر بعذر گناہ بدتر از گناہ کے کھلے معنوں میں اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت علیؑ نے خلفاء کو کاذب۔ آثم۔ غادر اور خائن کہا تو کیا ہوا۔ ویسے ہی حضرت عباس نے حضرت علیؑ کو بھی تو اُنہی الفاظ سے یاد فرمایا جیساکہ صحیح مسلم کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواباً عرضِ خدمت کیا جاتا ہے کہ اوّل تو یہ آپ کی روایت ہے۔ اور آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔ نہ شیعہ۔ اور کتبِ صحاح کی تمام روایتوں پر اعتبار کرنا۔ جیسا آپ کا فرض ہوسکتا ہے ویسا شیعوں کا نہیں۔ شیعہ آپ کی صحاح کی کُل روایتوں کو سچی اور صحیح نہیں جانتے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی صحاح کی روایتوں کو جزءً یا کلاً اگر وہ اُن کی مرویات سے ملتی جُلتی ہیں تو صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے اس روایت میں جنابِ علی مرتضےٰ اور حضرت عباس کا خلفاء کو اس حدیث کی موضوعیت کی نسبت ان کے مُنہ پر الزام دینا۔ جیساکہ اُن کی کتابوں میں بھی درج ہے اور آپ کی صحاح میں بھی۔ تو وہ اس جزوِ روایت کو حقیقتاً صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ مگر حضرت عباس کو الزامی الفاظ جو جنابِ علی مرتضےٰ کی شان میں آپکی کتابوں میں منقول ہیں وہ اُن کی کتابوں میں مذکور نہیں۔ اس لیے وہ اس جزوِ روایت کو سراپا موضوع اور محض خلفاء کی جنبہ داری میں مساوات قائم رکھنے کے خود غرضانہ خیال پر مبنی یقین کرتے ہیں اور نہ جو رابطِ تعلقات۔ اخلاص اور اتحاد حضرت علیؑ

میں عرض کرآئے ہیں۔ ہم کیا کریں۔ ہم بالکل مجبور ہیں مخالف کی طرف سے اگر اس مسئلہ کو اُسی حدتک رکھا جاتا جہاں تک واقعاتِ سیر و تاریخ کی حد ہوتی ہے تو ہم کو اتنی تلاش۔ اتنی تحقیق اور اتنی تنقید کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر جب اُس میں جا و بیجا تاویلیں کیجائیں۔ فضول اور نامعقول دلیلیں پیش کیجائیں۔ تو اُن موضوعات و مصنوعات کو بلا تنقید و تنقیح چھوڑ دینا عوام کے اغوا اور عدم اطلاع حقیقت کا ضرور باعث ٹھیریگا۔ اس لیے اُن کی عالم فریبی کی تردید ضروری ہو جاتی ہے۔

ناظرین کتاب کی خدمات میں اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں لیکن بہت ہی اختصار کے ساتھ اپنے لائق ہمعصر کے اس دعوے کا جواب بھی حاضر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

آپ اپنے مُنہ سے اپنے گھر میں بیٹھے ایسے صاف اور کھُلے حکم ربانی کے جو معنی نہ لگائیں۔ اور زیر و زبر کے زور لگا کر اپنے ہاتھوں کو اپنا پاؤں نہ سمجھ لیں اُسکا آپ کو اختیار ہے۔ مگر یہ کیا قیامت ہے کہ آپ اپنے مہملات کو دوسروں کے لیے بھی حجت بنائیں اور اُسکے ماننے پر خواہ مخواہ اُن کو مجبور فرمائیں۔ یہ تو بالکل اُلٹا فلسفہ ہے اور اوندھی منطق۔

دیکھیے اول تو آپ کے سرآمدِ متکلمین۔ امام المناظرین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں اس آیہ کے مخصص ہونے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ "این خبر مبیّن تعیّن خطاب است نہ مخصص آن۔" اور صاحب کتاب ابطال الباطل اور دیگر اکثر محدثین لکھتے ہیں کہ "این خبر مخصص کتاب است نہ مبیّن تعیّن خطاب۔"

لیجیے۔ ابھی تو آپ ہی کے گھر خانہ جنگی ہو رہی ہے ایک صاحب کہتے ہیں یہ مخصص ہے۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں یہ نہیں اب آپ ہی ثالث بنکر دونوں میں تصفیہ فرمائیں۔ دوسروں کو تکلیف نہ دیں۔ مگر جب بتقلید اسلاف آپ ان وضعی ضرور نقل کے پابند ہیں۔ یعنی جب جیسا موقع ہوا ویسا کہہ گئے تب البتہ انکشاف حقیقت کے لیے مجھ کو مجبوری ہو جائیگی دیکھیے اسی آیۂ وراثت کے متعلق آپکے امام فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

الرابع من تخصیصات هذه الآیة ما هو مذهب اکثر المجتهدین ان الانبیاء علیهم السلام لا یورثون والشیعة خالفوا فیه - روی ان فاطمة لما طلبت المیراث منعوها واحتجوا علیها بقوله نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة فعندها احتجت فاطمة بعموم قوله تعالیٰ للذکر مثل حظ الانثیین وکانها اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصه بخبر الواحد۔

یعنی۔ چوتھی بات اس آیت کے مخصص ہونے کے بارے میں یہ ہے جیسا کہ اکثر مجتہدین کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وراثت نہیں چھوڑتے۔ اور شیعہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے جب اپنی میراث کا دعوےٰ فرمایا تو اُنکے دعوے کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کی اس حدیث سے کہ ہم انبیاء لوگ اپنا وارث نہیں چھوڑتے۔ ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ احتجاج کیا گیا۔ اور وہ میراث پانے سے باز رکھی گئیں۔ ان علماء کے نزدیک حضرت فاطمہؑ زہرا کا استدلال بقاعدۂ عموم اس آیۂ قرآنی سے تھا کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر میراث ملنی چاہیے۔ اور گویا جناب فاطمہؑ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ کسی خبر واحد سے عموم قرآن کی تخصیص نہیں کیجا سکتی۔

آپ حق ناحق شیعوں کے مقابلہ میں اسکی تخصیص کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ جب آپ کے علما و محدثین کے اقوال سے خود ثابت ہو رہا ہے کہ جناب سیدہؑ اس کی تخصیص کی قائل نہیں تھیں۔ اور اُنہی کی طرح جناب علی مرتضےٰ۔ حضرت عباس اور سائر اہلبیت و دیگر بنی ہاشم اس حدیث کو مخصص نہیں جانتے تھے تو پھر کون بدبخت شیعہ ہوگا جو اس کی تخصیص کو صحیح مانیگا۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ ونعوذ باللہ من ذلک۔

ہم پہلے ہی سرسری طور سے یہ لکھ چکے ہیں کہ ابھی اہلسنت ہی کی کتابوں میں اس حدیث کی تخصیص کا مسئلہ مختلف اور غیر طے شدہ ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہیں۔ تو پھر یہ مسلّمہ کیسے

میں عرض کر آئے ہیں۔ ہم کیا کریں۔ ہم بالکل مجبور ہیں مخالف
کی طرف سے اگر اس مسئلہ کو اُسی حد تک رکھا جاتا جہاں تک
واقعاتِ سیر و تاریخ کی حد ہوتی ہے تو ہم کو اتنی تلاش۔ اتنی
تحقیق اور اتنی تنقید کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر جب اُس میں
جادو بیجا تاویلیں کیجائیں۔ فضول اور نامعقول دلیلیں پیش
کیجائیں۔ تو اُن موضوعات و مصنوعات کو بلا تنقید و تنقیح چھوڑ دینا
عوام کے اغوا اور عدم اطلاع حقیقت کا ضرور باعث ٹھیریگا۔
اس لیے اُن کی عالم فریبی کی تردید ضروری ہو جاتی ہے۔
ناظرین کتاب کی خدمات میں اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے آیندہ
سلسلۂ بیان میں لیکن بہت ہی اختصار کے ساتھ اپنے لائق
ہمعصر کے اس دعوے کا جواب بھی حاضر کیے دیتے ہیں اور
وہ یہ ہے :-
آپ اپنے مُنہ سے اپنے گھر میں بیٹھے ایسے صاف اور کھُلے
حکم ربانی کے جو معنی نہ لگائیں۔ اور زیر و زبر کے زور لگا کر
اپنے ہاتھوں کو اپنا پاؤں نہ سمجھ لیں اُسکا آپ کو اختیار ہے۔
مگر یہ کیا قیامت ہے کہ آپ اپنے مہملات کو دوسروں کے
لیے بھی حجت بنائیں اور اُسکے ماننے پر خواہ مخواہ اُن کو مجبور
فرمائیں۔ یہ تو بالکل اُلٹا فلسفہ ہے اور اوندھی منطق۔
دیکھیے اوّل تو آپ کے سر آمدِ متکلمین۔ امام المناظرین شاہ
عبد العزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں اس آیہ کے
مخصص ہونے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔
این خبر مبیّن تعیین خطاب است نہ مخصص آن۔ اور صاحب
کتاب ابطال الباطل اور دیگر اکثر محدثین لکھتے ہیں کہ این خبر
مخصص کتاب است نہ مبیّن تعیین خطاب۔
لیجیے۔ ابھی تو آپ ہی کے گھر خانہ جنگی ہو رہی ہے ایک صاحب
کہتے ہیں یہ مخصص ہے۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں یہ نہیں اب
آپ ہی ثالث بنکر دونوں میں تصفیہ فرمائیے۔ دوسروں کو
تکلیف نہ دیں۔ مگر جب بتقلید اسلاف آپ ان وضعی ضرور تعلی
کے پابند ہوں۔ یعنی جب جیسا موقع ہوا ویسا کہہ دیا گیا تب
البتہ انکشاف حقیقت کے لیے مجھ کو مجبوری ہو جائیگی دیکھیے
اسی آیۂ وراثت کے متعلق آپکے امام فخر الدین رازی صاحب

تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں :-
الرابع من تخصیصات ھذہ الآیۃ ما ھو مذھب اکثر
المجتھدین ان الانبیاء علیھم السلام لا یورثون
والشیعۃ خالفوا فیہ - روی ان فاطمۃ لما طلبت المیراث
منعوھا واحتجوا علیھا بقولہ نحن معاشر الانبیاء
لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فعندھا احتجت فاطمۃ
بعموم قولہ تعالیٰ للذکر مثل حظ الانثیین وکانھا
اشارت الیٰ ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصہ
بخبر الواحد۔
یعنی چوتھی بات اس آیت کے مخصص ہونے کے بارے میں یہ ہے
جیسا کہ اکثر مجتہدین کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وارث
نہیں چھوڑتے۔ اور شیعہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ مروی
ہے کہ جناب فاطمہؑ نے جب اپنی میراث کا دعوےٰ فرمایا تو اُنکے
دعوے کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کی اس حدیث کو کہ ہم انبیاء
لوگ اپنا وارث نہیں چھوڑتے۔ ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ
صدقہ ہوتا ہے۔ احتجاج کیا گیا۔ اور وہ میراث پانے سے باز رکھی
گئیں۔ ان علماء کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا کا استدلال
بقاعدۂ عموم اس آیۂ قرآنی سے تھا کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر
میراث ملنی چاہیے۔ اور گویا جناب فاطمہؑ نے اس امر کی طرف
اشارہ فرمایا تھا کہ کسی خبر واحد سے عموم قرآن کی تخصیص
نہیں کیجا سکتی۔
آپ حق ناحق شیعوں کے مقابلہ میں اسکی تخصیص کا دعوےٰ
کرتے ہیں۔ جب آپ کے علماء و محدثین کے اقوال سے خود ثابت
ہو رہا ہے کہ جناب سیدہؑ اس کی تخصیص کی قائل نہیں تھیں
اور انہی کی طرح جناب علی مرتضےٰ۔ حضرت عباس اور سائر
اہلبیت و دیگر بنی ہاشم اس حدیث کو مخصص نہیں جانتے تھے
تو پھر کون بدبخت شیعہ ہوگا جو اس کی تخصیص کو صحیح مانیگا۔
استغفر اللہ ربی واتوب الیہ ونعوذ باللہ من ذٰلک۔
ہم پہلے ہی سرسری طور سے یہ لکھ چکے ہیں کہ ابھی اہلسنت
ہی کی کتابوں میں اس حدیث کی تخصیص کا مسئلہ مختلف اور غیر طے شدہ
ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہیں۔ تو پھر سید محمد صاحب

وہ کون کون حضرات ہیں۔ مطابق روایت تاریخ ابو الفدا وہ حضرات یہ ہیں:- جملہ حضرات بنی ہاشم۔ زبیر ابن العوام۔ عتبہ ابن ابی لہب۔ خالد ابن سعید ابن العاص۔ مقداد بن جندب۔ سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار ابن یاسر۔ براء ابن عازب اور ابی ابن کعب۔ اور بروایت فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید۔ بریدہ اسلمی۔ ابو الہیثم ابن التیہان۔ سہل ابن حنیف۔ عثمان ابن حنیف۔ خزیمہ ابن ثابت ذوالشہادتین اور ابو ایوب انصاری بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

بہرحال۔ خلافت کی طرف سے ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اور ان کی گرفتاری کے لیے حضرت عمر اور خالد ابن ولید کی ماتحتی میں دوڑ بھیجی گئی۔ حضرت عمر کی آتش مزاجی نے یہ اور قیامت برپا کر دی کہ آگ لکڑی وغیرہ لیکر خانۂ رسول پر آدھمکے۔ اور ملزمین کو دھمکانے لگے کہ اگر تم لوگ باہر آکر بیعت ابوبکر نہ کروگے تو یہ گھر تمہارے اوپر جلا دونگا۔ جناب سیدہؑ نکل آتی ہیں۔ عمر سے پوچھتی ہیں کہ تم کس گھر کو جلاؤ گے۔ رسولؐ کے گھر کو جس میں فاطمہؑ موجود ہے۔ علی حاضر ہیں حسنینؑ بیٹھے ہیں۔ عمر قسم شرعی کھاکر کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم نے جن لوگوں کو چھپا رکھا ہے نہ نکالا تو سمجھ لو کہ یہ گھر تمہارا بلا رعایت و مروت جلا دیا جائیگا۔

ہم نے اس واقعہ کی نسبت صرف اہلسنت ہی کے معتبر ماخذوں کا خلاصہ درج کیا ہے۔ جو بالکل قطع و برید کرکے اس ظلم و جفائے کثیر کا ایک عشر عشیر اُن کی کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے۔ مگر ثبوت حقیقت کے اعتبار سے ہم اتنے اختصار کو بھی بہت غنیمت سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس ناقابل برداشت اور ناگوار مقصد سے شاہ عبد العزیز صاحب نے اور اُن سے پہلے نصر اللہ کابلی نے اور اُن سے قبل علامہ ابن روزبہان نے قطعی انکار ہی کر دیا تھا۔ اور ان واقعات کو شیعوں کی اضافات ٹھیرایا تھا۔ اور اسی طرح اس وقت بھی اکثر حضرات اس کو خاص شیعوں کی مرویات خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لائق ہمعصر صاحب رسالۂ خاتون جنت نے بھی اپنے رسالہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم اس کو ان لوگوں کا انکار تو سمجھتے نہیں۔ بلکہ شرم و عار خیال کرتے ہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس شرم و عار کا اقرار نہیں۔ بلکہ اپنی جھوٹی بیگناہی پر متعصبانہ انکار ہے۔ ان حضرات کا یہی تجاہل عارفانہ اور تغافل مغویانہ مجبور کرتا ہے کہ انھیں کی اسناد و استشہاد سے اس واقعہ کی اصلیت اور حقیقت اُن پر ظاہر کر دی جائے تاکہ وہ یقین کر لیں کہ جن واقعات کو وہ شیعوں کا خاص اضافہ اور اُن کی طباعی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ آپ ہی حضرات کا عین اقرار اور مختار ثابت ہوتا ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے مندرجہ بالا دعوے کے ثبوت میں اس واقعہ کی تصدیق علماء و محدثین اہلسنت کے معتبر ماخذوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ سامان احراق خانہ فاطمہؑ کی روایت کو جس کو شیعوں کے خاص موضوعات سے کہا جاتا ہے وہ اہلسنت کے مندرجہ ذیل حضرات محدثین۔ مفسرین اور مورخین نے اپنی اپنی صحاح۔ مسانید۔ سنن اور تاریخ و سیر میں مندرج فرمایا ہے۔ (۱) محمد ابن جریر طبری (۲) واقدی (۳) عثمان ابن ابی شیبہ (۴) ابن عبد ربہ (۵) ابن خزابہ (۶) مصنف کتاب المحاسن و انفاس الجواہر (۷) عبد اللہ ابن ابی شیبہ (۸) بلاذری (۹) ابن عبد البر (۱۰) ابوبکر جوہری (۱۱) قاضی جمال الدین واصل (۱۲) مورخ ابو الفدا (۱۳) ابن قتیبہ دینوری (۱۴) امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی شافعی (۱۵) امام جلال الدین سیوطی (۱۶) ملا علی متقی۔ اور (۱۷) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ امثالہم۔

سواد اعظم اہلسنت کے اتنے علماء و فضلائے متبحرین اور محدثین و مفسرین جب کہ حضرت عمر کی ان بدسلوکیوں کی داستانوں کو اپنی اپنی کتابوں میں مندرج کر دیا۔ اب شاہ صاحب یا اور کسی صاحب کے انکار سے کیا ہی کیا ہے۔ شاہ صاحب غریب تو اس سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین دونوں کتابوں میں اُن کے والد ماجد۔ بزرگ شاہ صاحب۔ قصہ احراق خانۂ فاطمہؑ کو مختلف طریقوں سے قلمبند فرما چکے ہیں۔ مگر پھر اس پر بھی شاہ صاحب انکار کریں تو سوائے اس کے اور کیا سمجھا جائیگا کہ وہ اپنے پدر بزرگوار کی تکذیب و تردید فرما رہے ہیں

وہ کون کون حضرات ہیں۔ بمطابق روایت تاریخ ابوالفداء وہ حضرات یہ ہیں:۔ جملہ حضرات بنی ہاشم۔ (۱) زبیر ابن العوام۔ (۲) عتبہ ابن ابی لہب۔ (۳) خالد ابن سعید ابن العاص۔ (۴) مقداد بن جندب۔ (۵) سلمان فارسی (۶) ابوذر غفاری۔ (۷) عمار ابن یاسر۔ (۸) براء ابن عازب اور (۹) ابی ابن کعب۔ اور بروایت فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید۔ (۱) بریدہ اسلمی۔ (۲) ابو الہیثم ابن التیہان۔ (۳) سہل ابن حنیف۔ (۴) عثمان ابن حنیف۔ (۵) خزیمہ ابن ثابت ذوالشہادتین اور (۶) ابوایوب انصاری بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

بہرحال۔ خلافت کی طرف سے ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اور ان کی گرفتاری کے لیے حضرت عمر اور خالد ابن ولید کی ماتحتی میں دوڑ بھیجی گئی۔ حضرت عمر کی آتش مزاجی نے یہ اور قیامت برپا کردی کہ آگ لکڑی وغیرہ لیکر خانۂ رسول پر آدھمکے۔ اور ملزمین کو دھمکانے لگے کہ اگر تم لوگ باہر آکر بیعت ابوبکر نہ کروگے تو یہ گھر تمہارے اوپر جلادونگا۔ جناب سیدہؑ نکل آتی ہیں۔ عمر سے پوچھتی ہیں کہ تم کس گھر کو جلاؤگے۔ رسولؐ کے گھر کو جس میں فاطمہؑ موجود ہے۔ علی حاضر ہیں حسنینؑ بیٹھے ہیں۔ عمر قسم شرعی کھاکر کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم نے جن لوگوں کو چھپا رکھا ہے نہ نکالا تو سمجھ لو کہ یہ گھر تمہارا بلا رعایت و مروت جلادیا جائیگا۔

ہم نے اس واقعہ کی نسبت صرف اہلسنت ہی کے معتبر ماخذوں کا خلاصہ درج کیا ہے۔ جو بالکل قطع و برید کرکے اس ظلم و جفائے کثیر کا ایک عشر عشیر ان کی کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے۔ مگر ثبوت حقیقت کے اعتبار سے ہم اتنے اختصار کو بھی بہت غنیمت سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس ناقابل برداشت اور ناگوار مقصد سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اور ان سے پہلے نصر اللہ کابلی نے اور ان سے قبل علامہ ابن روزبہان نے قطعی انکار ہی کردیا تھا۔ اور ان واقعات کو شیعوں کی اضافات ٹھیرایا تھا۔ اور اسی طرح اس وقت بھی اکثر حضرات اس کو خاص شیعوں کی مرویات خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لائق ہمعصر صاحب رسالۂ خاتون جنت نے بھی اپنے رسالہ میں انکا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم اس کو ان لوگوں کا انکار تو سمجھتے نہیں۔ بلکہ شرم و عار خیال کرتے ہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس شرم و عار کا اقرار نہیں۔ بلکہ اپنی جھوٹی بیگناہی پر متعصبانہ انکار ہے۔ ان حضرات کا یہی تجاہل عارفانہ اور تغافل مغویانہ مجبور کرتا ہے کہ انھیں کی اسناد و استشہاد سے اس واقعہ کی اصلیت اور حقیقت ان پر ظاہر کردی جائے تاکہ وہ یقین کرلیں کہ جن واقعات کو وہ شیعوں کا خاص اضافہ اور ان کی طباعی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ آپ ہی حضرات کا عین اقرار اور مختار ثابت ہوتا ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے مندرجۂ بالا دعوے کے ثبوت میں اس واقعہ کی تصدیق علماء و محدثین اہلسنت کے معتبر ماخذوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ سامان احراق خانۂ فاطمہؑ کی روایت کو جس کو شیعوں کے خاص موضوعات سے کہا جاتا ہے وہ اہلسنت کے مندرجۂ ذیل حضرات محدثین۔ مفسرین اور مورخین نے اپنی اپنی صحاح۔ مسانید۔ سنن اور تاریخ و سیر میں مندرج فرمایا ہے۔ (۱) محمد ابن جریر طبری (۲) واقدی (۳) عثمان ابن ابی شیبہ (۴) ابن عبد ربہ (۵) ابن خزابہ (۶) مصنف کتاب المحاسن وانفاس الجواہر (۷) عبداللہ ابن ابی شیبہ (۸) بلاذری (۹) ابن عبدالبر (۱۰) ابوبکر جوہری (۱۱) قاضی جمال الدین واصل (۱۲) مورخ ابوالفداء (۱۳) ابن قتیبہ دینوری (۱۴) امام ابراہیم ابن عبداللہ یمنی شافعی (۱۵) امام جلال الدین سیوطی (۱۶) ملا علی متقی۔ اور (۱۷) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیر اشالہم۔

سواد اعظم اہلسنت کے اتنے علماء و فضلائے متبحرین اور محدثین و مفسرین ہیں جنہوں نے حضرت عمر کی ان بدسلوکیوں کی داستانوں کو اپنی اپنی کتابوں میں مندرج کردیا۔ اب شاہ صاحب یا اور کسی صاحب کے انکار سے کیا ہی کیا ہے۔ شاہ صاحب غریب تو اس سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ازالۃ الخفاء و قرۃ العینین دونوں کتابوں میں ان کے والد ماجد۔ یعنی شاہ صاحب۔ قصہ احراق خانۂ فاطمہؑ کو مختلف طریقوں سے قلمبند فرماچکے ہیں۔ مگر پھر اس پر بھی شاہ صاحب انکار کریں تو سوائے اس کے اور کیا سمجھا جائیگا کہ وہ اپنے پدر بزرگوار کی تکذیب و تردید فرمانے لگے ہیں۔

اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔ علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر۔ ابن خلدون اور ابو الفدا وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

اب تو امام روزبہان کی غلط بیانی اور بدگمانی طبری کی نسبت معلوم ہوگئی سلو تحقیق کی حد تک پہنچ گئی۔ اب ان کی تکذیب کو ذہبی کی تصدیق و توثیق سے ملاکر سواد اعظم اہلسنت کے خوش عقیدہ حضرات آپ تصفیہ فرمالیں۔

علامہ روزبہان نفسانیت۔ خود غرضی اور ناصبیت میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رکھتے۔ لکھنے کو تو لکھ گئے کہ کل من نقل هٰذا الخبر فلا یشك انه رافضی متعصب وہ تمام لوگ جنہوں نے اس خبر کو لکھا ہے سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اب علامہ صاحب کے اس کلیہ سے تو طبری تو تھے واقدی۔ عثمان ابن ابی شیبہ۔ ابن عبدربہ۔ ابن حزابہ مصنف کتب المحاسن والنفاس الجواہر۔ عبد اللہ ابن ابی شیبہ بلاذری ابن عبد البر۔ ابوبکر جوہری۔ ابن ابی الحدید۔ قاضی جمال الدین واصل مورخ ابو الفدا۔ ابن قتیبہ دینوری۔ امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی شافعی۔ امام جلال الدین سیوطی۔ ملا علی متقی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اور اس کی نقل سے ان کا مدعا تھا کہ وہ اصحاب پر طعن و قدح جاری کریں۔

علامہ صاحب کے اس کلیہ نے سواد اعظم میں فساد عظیم پیدا کردیا۔ اور مندرجہ بالا اور انکے جیسے اگلے پچھلے سنی علما اور محدثین کو رافضی اور متعصب ٹھیرا دیا ؎

ما از چراغ خویش بدر خانہ سوختیم

یہ سب ناحق پرستی کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔ اب اس سے بھی بڑھی ہوئی خفیف الحرکاتی اور عالم فریبی اس سنی عالم کی ملاحظہ فرمائی جائے۔ کہ اپنی سابق تحریر۔ طبری کی جرح کے آخر میں لکھتے ہیں۔

وما رأینا احد روی هٰذا الا ان الروافض ینسبونه الی الطبری ونحن ما رأینا فی تاریخه۔ ہم نے کسی کو بھی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا سوائے اسکے کہ روافض اسکو طبری کی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اُس (طبری) کی تاریخ میں نہیں پایا۔

استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ ابن روزبہان جیسا عالم اور مرد فاضل اور ایسا جاہلانہ۔ معویانہ اور جھوٹا دعوے کرے۔ طبری کی تاریخ میں اس وقت بھی جس کا جی چاہے یہ عبارت مع اسناد واقعہ احراق دیکھ لے اور پڑھ لے۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر ابن مغیرة عن زیاد ابن کلیب قال اتی عمر ابن الخطاب منزل علی وفیه طلحة والزبیر ورجال من المهاجرین وقال لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعة فخرج علیه الزبیر مصلتا بالسیف فعثر وسقط السیف من یده فوثبوا علیه فاخذوه۔

ابن حمید نے جریر ابن مغیرہ سے اور اُس نے زیاد ابن کلیب سے روایت کی ہے کہ زیاد کا بیان ہے کہ عمر ابن خطاب حضرت علیؑ کے گھر آئے۔ وہاں طلحہ زبیر اور مہاجرین کے لوگ موجود تھے۔ عمر صاحب نے کہا کہ تم لوگ بیعت ابی بکر کے لیے چلو ورنہ ہم اس مکان کو تمہارے اوپر جلا دینگے۔ یہ سُنکر زبیر تلوار نکالے ہوئے باہر چلے آئے۔ اُن کا پاؤں پھسل گیا تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو لے گئے۔

اب فرمائیے ابن روزبہان کا یہ سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے یا نہیں۔ اُن کا یہ لکھنا کہیں نے تاریخ طبری میں یہ لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے کہاں تک سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُنکے عالم ہونے کی عظمت اور فاضل ہونے کی فضیلت کو کہاں تک اونچا کرتا ہے۔ دیکھیے اتنے انکار۔ اتنی حق پوشی کے بعد بھی۔ چونکہ واقعہ حق پر مبنی تھا۔ بالکل سچ تھا اور صحیح۔ اس لیے سلف سے لیکر آج تک نہ کسی کے چھپائے چھپا اور نہ کسی کے مٹائے مٹا۔ ابن روزبہان جیسے علما نے کتنے روز زور لگائے ہی رہ گئے۔ اور سچ تو یوں ہے کہ یہی اسکی اصلیت اور اسکی حقانیت کی دلیل واضح ہے۔

اُن تمام علما و محدثین اہلسنت کی اسناد جن کے نام ہم ابھی لکھ آئے ہیں اگر ایک ایک کرکے یہاں سب کو لکھنا چاہیں تو بہت طوالت ہوجائیگی اس لیے ان میں سے چند اسناد ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں

اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔ علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر۔ ابن خلدون اور ابو الفدا وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

اب تو امام روزبہان کی غلط بیانی اور بدگمانی طبری کی نسبت معلوم ہوگئی اور تحقیق کی حد تک پہنچ گئی۔ اب ان کی تکذیب کو ذہبی کی تصدیق و توثیق سے ملا کر سواد اعظم اہلسنت کے خوش عقیدہ حضرات آپ تصفیہ فرمالیں۔

علامہ روزبہان نفسانیت۔ خود غرضی اور ناصبیت میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رکھتے۔ لکھنے کو تو لکھ گئے کہ

کل من نقل هذا الخبر فلا یشك انه رافضی متعصب

وہ تمام لوگ جنہوں نے اس خبر کو لکھا ہے سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اب علامہ صاحب کے اس کلیہ سے تو طبری تو تھے واقدی۔ عثمان ابن ابی شیبہ۔ ابن عبد ربہ۔ ابن حزابہ مصنف کتب المحاسن والنفاس الجواہر۔ عبد اللہ ابن ابی شیبہ۔ بلاذری۔ ابن عبد البر۔ ابوبکر جوہری۔ ابن ابی الحدید۔ قاضی جمال الدین واصل مورخ ابو الفدا۔ ابن قتیبہ دینوری۔ امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی شافعی۔ امام جلال الدین سیوطی۔ ملا علی متقی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اور اس کی نقل سے اُن کا مدعا تھا کہ وہ اصحاب پر طعن و قدح جاری کریں۔

علامہ صاحب کے اس کلیہ نے سواد اعظم میں فساد عظیم پیدا کر دیا۔ اور مندرجہ بالا اور اُنکے جیسے اگلے پچھلے سُنی علما اور محدثین کو رافضی اور متعصب ٹھیرا دیا ع

ما از چراغ خویش درفانہ سوختیم

یہ سب ناحق پرستی کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔ اب اس سے بھی بڑھی ہوئی خفیف الحرکاتی اور عالم فریبی اُس سُنی عالم کی ملاحظہ فرمائی جائے۔ کہ اپنی سابق تحریر۔ طبری کی جرح کے آخر میں لکھتے ہیں۔

وما رأینا احد روی هذه الاکاذیب الروافض ینسبونه الی الطبری ونحن ما رأینا هذه فی تاریخه۔ ہم نے کسی کو بھی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا سوائے اسکے کہ روافض اسکو طبری کی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اُس (طبری) کی تاریخ میں نہیں پایا۔

استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ ابن روزبہان جیسا عالم اور مرد فاضل اور ایسا جاہلانہ۔ مفویانہ اور جھوٹا دعوے کرے۔ طبری کی تاریخ میں اس وقت بھی جس کا جی چاہے یہ عبارت مع اسناد واقعہ احراق دیکھ لے اور پڑھ لے۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر ابن مغیرۃ عن زیاد ابن کلیب قال اتی عمر ابن الخطاب منزل علی وفیه طلحة والزبیر ورجال من المهاجرین وقال لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعة فخرج علیه الزبیر مصلتا بالسیف فعثر وسقط السیف من یده فوثبوا علیه فاخذوه۔

ابن حمید نے جریر ابن مغیرہ سے اور اُس نے زیاد ابن کلیب سے روایت کی ہے کہ زیاد کا بیان ہے کہ عمر ابن خطاب حضرت علیؑ کے گھر آئے۔ وہاں طلحہ زبیر اور مہاجرین کے لوگ موجود تھے۔ عمر صاحب نے کہا کہ تم لوگ بیعت ابی بکر کے لیے چلے چلو ورنہ ہم اس مکان کو تمہارے اوپر جلا دینگے۔ یہ سُنکر زبیر تلوار نکالے ہوئے باہر چلے آئے۔ اُن کا پاؤں پھسل گیا تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو لے گئے۔

اب فرمائیے ابن روزبہان کا یہ سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے یا نہیں۔ اُن کا یہ لکھنا کہ میں نے تاریخ طبری میں یہ لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے کہاں تک سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُنکے عالم ہونیکی عظمت اور فاضل ہونے کی فضیلت کو کہاں تک اونچا کرتا ہے۔ دیکھیے اتنے انکار۔ اتنی حق پوشی کے بعد بھی۔ چونکہ واقعہ حق پر مبنی تھا۔ بالکل سچ تھا اور صحیح۔ اس لیے سلف سے لیکر آج تک نہ کسی کے چھپانے چھپا اور نہ کسی کے مٹائے مٹا۔ ابن روزبہان جیسے علما نے کتنے روز زور لگائے ہی رہ گئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہی اسکی اصلیت اور اسکی حقانیت کی دلیل واضح ہے۔

اُن تمام علما و محدثین اہلسنت کی اسناد جن کے نام ہم ابھی لکھ آئے ہیں اگر ایک ایک کرکے یہاں سب کو لکھنا چاہیں تو بہت طوالت ہو جائیگی اس لیے یہاں ہم صرف چند ذیل میں تحریر کرتے ہیں

طبری اور ابوالفدا کی عبارتیں ملاحظہ فرمائی گئیں۔ اب صحاح میں اس واقعہ کی کیفیت مشاہدہ فرمائی جائے۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اسکی نسبت رقمطراز ہیں۔

ابوبکر عن اسلم باسناد صحیح علی الشرط الشیخین انّه حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علیؑ والزبیر یدخلان علی فاطمة بنت رسول اللہ ص فیشاورونها ویرتجعون فی امرهم فلمّا بلغ ذٰلك عمر ابن الخطّاب خرج حتی دخل علیٰ فاطمة فقال یا بنت رسول اللہ ما من الخلق احد احب الینا من ابیك وما من احد احب الینا بعد ابیك منك وایم اللہ ما ذالك بمانعی ان اجتمع هؤلاء النفر عندك ان امرهم ان یحرق علیهم البیت فقال لمّا خرج عمر جاؤها فقالت اتعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف باللہ لئن عدتم لیحرقنّ علیکم البیت و ایم اللہ لیمضّین لما حلف علیه فانصرفوا راشدین فروا رآئکم ولا ترجعوا الیّ فانصرفوا عنها فلم ترجعوا الیها حتیّ بایعوا لابوبکر۔

ابوبکر نے اسلم کی اسناد صحیحہ شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط صحت پر روایت کی ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی۔ تب علیؑ اور زبیر خانہ فاطمہ زہرا علیہا السّلام میں امر خلافت کے پھیر دینے کیلیے مشورے کرنے لگے۔ جب یہ خبر عمر ابن الخطاب کو پہنچی تو وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے بنت رسول اللہ! کوئی شخص دنیا میں میرے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار سے محبوب ترین نہیں تھا۔ اور اسی طرح اُنکے بعد کوئی شخص مجھ کو آپ سے زیادہ محبوب تر نہیں ہے۔ مگر اب ایسا کے لئے مجھے کونسا امر اس سے مانع ہوگا کہ اگر اُن لوگوں کیلیے جو تمہارے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ حکم دیدیں کہ یہ گھر اُن پر جلادیا جائے یہ کہکر عمر چلے گئے تو جناب سیدہؑ نے اُن لوگوں سے کہا کہ آیا کچھ تمہیں معلوم ہوا ہے کہ ابھی ابھی عمر آئے تھے اور قسم کھا کر کہگئے ہیں کہ وہ اس گھر کو تم لوگوں پر جلادینگے۔ اور قسم خدا کی۔ جب اُس نے قسم کھائی ہے تو میں یقین کرتی ہوں کہ وہ اُس امر کو کر گزریگا پس تم لوگ میرے گھر سے صحیح و سلامت چلے جاؤ۔ اور اپنی صلاح و رائے کو آپ سوچو۔ اور اب سے میرے گھر نہ آیا کرو۔ یہ سُنکر وہ لوگ چلے گئے اور پھر آپ کے مکان میں نہ آئے۔ یہاں تک کہ بیعت ابوبکر میں داخل ہوگئے۔

اگرچہ اس حدیث میں بہت کچھ احتیاط۔ ہوشیاری اور قلمکاری سے کام لیا گیا ہے اور حضرات خلفاء کی بمقابلہ جناب سیدہؑ ہمدردی۔ احترام۔ مرتبہ دانی اور اکرام سب کچھ دکھلایا گیا ہے۔ مگر حقیقت بیں نگاہیں ان وقتی مصنوعات اور خودغرضی کے موضوعات کو اچھی طرح پرکھ لیتی ہیں۔ اور فوراً پہچان جاتی ہیں۔

بہرحال۔ کچھ بھی ہو۔ اخلاص یا خودغرضی۔ نفسانیت ہو یا ابن الوقتی۔ کوئی امر ہو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ عارضی اور ابدی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ مگر ہم کو اس کی جانچ پڑتال سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا جو کچھ اس کے لکھنے سے مدّعا تھا وہ اسی قدر کہ باوجود اتنے انتظام اور اتنی احتیاط کے احراق خانۂ جناب سیدہؑ پر حضرت عمر کا قصد۔ اُنکی نیت۔ اُن کی آمادگی اور مستعدی کماحقہ ثابت ہوگئی۔ اگرچہ اس پر خوش کن الفاظ کے خوب خوب بھڑکیلے غلاف چڑھائے گئے۔ مگر یقولون بالسنتهم ولیس فی قلوبهم کے مطابق حقیقت حال اور اصلیت ظاہر ہونیوالی تھی وہ ظاہر اور ثابت ہو ہی گئی۔

ہم نے ازالۃ الخفا سے یہ روایت صحیحین بخاری اور مسلم کی شرط صحت پر خاصکر اس لیے لکھی ہے کہ کوئی صاحب اس واقعہ کو صحیحین میں مندرج نہ ہونیکا عیب نہ لگا سکیں۔

اب اور علمائے محدثین کی اسناد پیش نظر کیجاتی ہیں۔ امام ابراہیم ابن عبداللہ یمنی اپنی کتاب الاکتفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن اسلم انّه قال حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علی والزبیر ورجال اخرهم یدخلون علیٰ فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فیشاورونها

طبری اور ابوالفدا کی عبارتیں ملاحظہ فرمائی گئیں۔ اب صحاح میں اس واقعہ کی کیفیت مشاہدہ فرمائی جائے۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اسکی نسبت رقمطراز ہیں۔

ابوبکر عن اسلم باسناد صحیح علی الشرط الشیخین انہ حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علی والزبیر یدخلان علی فاطمۃ بنت رسول اللہ فیشاورونہا ویرتجعون فی امرہم فلما بلغ ذلک عمر ابن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمۃ فقال یا بنت رسول اللہ ما من الخلق احد احب الینا من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک وایم اللہ ما ذاک بمانعی ان اجتمع ہؤلاء النفر عندک ان امرہم ان یحرق علیہم البیت فقال لما خرج عمر جاؤہا فقالت اتعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف باللہ لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت و ایم اللہ لیمضین لما حلف علیہ فانصرفوا راشدین فروا رائکم ولا ترجعوا الی فانصرفوا عنہا فلم ترجعوا الیہا حتی بایعوا لابوبکر۔

ابوبکر نے اسلم کی اسناد صحیحہ شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط صحت پر روایت کی ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی۔ تب علی اور زبیر خانہ فاطمہ زہرا علیہا السلام میں امر خلافت کے پھیر دینے کیلیے مشورے کرنے لگے۔ جب یہ خبر عمر ابن الخطاب کو پہنچی تو وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے بنت رسول اللہ! کوئی شخص دنیا میں میرے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار سے محبوب ترین نہیں تھا۔ اور اسی طرح انکے بعد کوئی شخص مجھ کو آپ سے زیادہ محبوب تر نہیں ہے۔ مگر اب خدا کے لئے مجھے کونسا امر اس سے مانع ہوگا کہ اگر ان لوگوں کیلیے جو تمہارے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ حکم دیدیں کہ یہ گھر ان پر جلادیا جائے یہ کہکر عمر چلے گئے تو جناب سیدہ نے ان لوگوں سے کہا کہ آیا کچھ تمہیں معلوم ہو ہے کہ ابھی ابھی عمر آئے تھے اور قسم کھا کر کہگئے ہیں کہ وہ اس گھر کو تم لوگوں پر جلا دینگے۔ اور قسم خدا کی۔ جب اس نے قسم کھائی ہے تو میں یقین کرتی ہوں کہ وہ اس امر کو کرگذریگا پس تم لوگ میرے گھر سے صحیح و سلامت چلے جاؤ۔ اور اپنی صلاح و رائے کو آپ سوچو۔ اور اب سے میرے گھر نہ آیا کرو۔ یہ سنکر وہ لوگ چلے گئے اور پھر آپ کے مکان میں نہ آئے۔ یہاں تک کہ بیعت ابوبکر میں داخل ہوگئے۔

اگرچہ اس حدیث میں بہت کچھ احتیاط۔ ہوشیاری اور قلمکاری سے کام لیا گیا ہے اور حضرات خلفاء کی بمقابلہ جناب سیدہ ہمدردی۔ احترام۔ مرتبہ دانی اور اکرام سب کچھ دکھلایا گیا ہے۔ مگر حقیقت بین نگاہیں ان وقتی مصنوعات اور خودغرضی کے موضوعات کو اچھی طرح پرکھ لیتی ہیں۔ اور فوراً پہچان جاتی ہیں۔

بہرحال۔ کچھ بھی ہو۔ اخلاص یا خودغرضی۔ نفسانیت ہو یا ابن الوقتی۔ کوئی امر ہو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ عارضی اور ابدی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ مگر ہم کو اس کی جانچ پڑتال سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا جو کچھ اس کے لکھنے سے مدعا تھا وہ اسی قدر کہ باوجود اتنے اہتمام اور اتنی احتیاط کے احراق خانۂ جناب سیدہ پر حضرت عمر کا قصد۔ انکی نیت۔ ان کی آمادگی اور مستعدی کماحقہ ثابت ہوگئی۔ اگرچہ اس پر خوش کن الفاظ کے خوب خوب بھڑکیلے غلاف چڑھائے گئے۔ مگر یقولون بالسنتہم ولیس فی قلوبہم کے مطابق حقیقت حال اور اصلیت ظاہر ہونیوالی تھی وہ ظاہر اور ثابت ہو ہی گئی۔

ہم نے ازالۃ الخفا سے یہ روایت صحیحین بخاری اور مسلم کی شرط صحت پر خاص کر اس لیے لکھی ہے کہ کوئی صاحب اس واقعہ کو صحیحین میں مندرج نہ ہونیکا عیب نہ لگا سکیں۔

اب اور علماء محدثین کی اسناد پیش نظر کیجاتی ہیں۔ امام ابراہیم ابن عبداللہ یمنی اپنی کتاب الاکتفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن اسلم انہ قال حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علی والزبیر ورجال اخر یدخلون علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیشاورونہا

روایات میں۔ عمر کے دل میں فاطمہ کی محبت عظمت اور تقدس ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے۔ اقرار زبانی وغیرہ سب لکھ دیئے گئے ہیں۔ مگر حقیقت یں حضرات ان مصنوعی اور زبانی جمع خرچ اور مصنوعی لفاظیوں کو خوب پہچان لیتے ہیں۔ اور جس ... اور نفسانیت کی وجہ سے یہ اتہام کیے گئے ہیں اور جو ... برتی گئی ہے اُس کو خوب جانتے ہیں۔ اور سلف سے ... تک کوئی فرد واحد بھی اجتماع ضدین کے مسئلہ کا قائل ہوا ہو تو ہم بھی ان ظاہری لفاظیوں کے لیے مجبور ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی سے تھوڑی عقل والا شخص بھی کبھی اس کو مان سکتا ہے کہ جو شخص گھر جلانے آئے اور تلوار چلانے (ملاحظہ ہو ابو الفدا میں ابو بکر کا حکم عمر کو فقاتلہم) اور گھر والوں کی گردنیں اُڑانے۔ وہ کبھی دوست سمجھا جائیگا۔ اور گھر والوں سے محبت کرنیوالا۔ لا واللہ۔

ان اسناد کو پڑھکر بعض حضرات یہ گمان کرینگے کہ ان روایات سے صرف عمر نے گھر جلانے کی دھمکی دی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنے اس ارادہ کو عملی صورت میں لانے کے لیے بھی آئے تھے یا نہیں۔ اگرچہ ہم نے تاریخ ابو الفدا کی عبارت اوپر لکھدی ہے جس میں فاقبل عمر بشئ من نار صاف صاف لکھا ہوا ہے مگر معترضین کی جدت پسند طبیعتیں مولوی شبلی صاحب کے اس وضعی کلیہ کے مطابق کہ کتب تاریخ سے کتب حدیث۔ صحت واثبات کے لیے زیادہ معتبر لائق اعتبار اور ذمہ دار ہیں۔ تاریخ ابو الفدا کے تنہا اقتباس پر اعتبار نہ آئے اور کتب حدیث سے اس کی تصدیق و توثیق منظور ہو تو ہم اُن کے اطمینان خاطر کے لیے کتب حدیث کی اسناد خاص لیکر بھی حاضر ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ امام ابن قتیبہ ملقب بہ حافظ دینوری کی کتاب امامت والسیاست جس میں ذیل کی عبارت قلمبند ہے۔

ان ابا بکر اخبر بقوم تخلفوا من بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطاب فجآء فناداھم وھم فی دار علیؑ وابوا ان یخرجوا فدعا عمر بالحطب فقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقن ھا علیکم علی ما فیہ فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ ع فقال ان کانت فخرجوا وبایعوا الا علیا۔

ابو بکر کو جب خبر معلوم ہوئی کہ بیعت سے مخالفت کرنے والی جماعت علیؑ کے پاس جمع ہے تو اُنھوں نے عمر ابن خطاب کو اُن کے پاس بھیجا۔ وہ آئے اور اُن لوگوں کو پکارا جو حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں موجود تھے۔ اُن لوگوں نے گھر میں سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ پس عمر نے جلانے کی لکڑیاں منگائیں اور چلاکر کہا قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے کہ تم لوگ باہر چلے آؤ۔ نہیں تو تمہارے اوپر ہم اس گھر کو جلا دینگے۔ پس اُن لوگوں نے کہا کہ اس میں بیبی فاطمہؑ بنت رسولؐ ہیں۔ عمر نے کہا۔ ہوا کریں۔ وہ باہر نکل آئے اور سب نے سوائے علیؑ کے بیعت کر لی۔

امام قتیبہ دینوری کی تحریر ملاحظہ فرمائی گئی۔ اب کتاب العقد ابن عبد ربہ کی اصلی عبارت مشاہدہ فرمائیے۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابوبکر علی والعباس والزبیر وسعد ابن عبادۃ فاما علی والعباس فقعدا فی بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجھما من بیت فاطمۃ وقال ان ابیا فقاتلھما فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیھما الدار فلقیتہ فاطمۃ فقالت یابن الخطاب جئت لتحرق دارنا قال نعم او یدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علی حتی دخل علی ابوبکر۔

جن لوگوں نے بیعت ابوبکر سے مخالفت کی تھی وہ علیؑ تھے عباس زبیر اور سعد ابن عبادہ۔ علیؑ اور عباس فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ عمر کو ابوبکر نے فاطمہؑ کے گھر بھیجا اور کہا کہ اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو اُن دونوں کو قتل کر دینا۔ پس عمر تھوڑی سی آگ لیکر اسی غرض سے آئے کہ ان لوگوں پر خانۂ فاطمہؑ کو جلا دیں۔ جناب سیدہ نے اُن کو دیکھا تو پوچھا کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟ عمر نے کہا ہاں۔ ورنہ وہ لوگ اُس امر میں داخل ہو جائیں جس میں تمام امت کے لوگ داخل ہو چکے ہیں۔ پس علیؑ باہر نکل آئے اور ابوبکر کے پاس چلے گئے۔

علامہ ابن حزابہ اپنی کتاب غرر میں یوں رقمطراز ہیں۔

قال زید ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی

روایات میں۔ عمر کے دل میں فاطمہؑ کی محبت عظمت اور تقدس ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے۔ اقرار زبانی وغیرہ سب لکھ دیئے گئے ہیں۔ مگر حقیقت بیں حضرات ان مصنوعی اور زبانی جمع خرچ اور مصنوعی لفاظیوں کو خوب پہچان لیتے ہیں۔ اور جس تعصب اور نفسانیت کی وجہ سے یہ اہتمام کیے گئے ہیں اور یہ احتیاط برتی گئی ہے اُس کو خوب جانتے ہیں۔ اور سلف سے اس وقت تک کوئی فرد واحد بھی اجتماعِ ضدین کے مسئلہ کا قائل ہوا ہو تو ہم بھی ان ظاہری لفاظیوں کے لیے مجبور ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی سے تھوڑی عقل والا شخص بھی کبھی اس کو مان سکتا ہے کہ جو شخص گھر جلانے آئے اور تلوار چلانے (ملاحظہ ہو ابوالفدا میں ابوبکر کا حکم عمر کو فقاتلہم) اور گھر والوں کی گردنیں اُڑا دے۔ وہ کبھی دوست سمجھا جائیگا۔ اور گھر والوں سے محبت کرنیوالا۔ لا واللہ۔

ان اسناد کو پڑھکر بعض حضرات یہ گمان کرینگے کہ ان روایات سے صرف عمر نے گھر جلانے کی دھمکی دی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنے اس ارادہ کو عملی صورت میں لانے کے لیے بھی آئے تھے یا نہیں۔ اگرچہ ہم نے تاریخ ابوالفدا کی عبارت اوپر لکھدی ہے جس میں فاقبل عمر بشیٔ من نار صاف صاف لکھا ہوا ہے مگر معترضین کی جدت پسند طبیعتیں مولوی شبلی صاحب کے اس وضعی کلیہ کے مطابق کہ کتبِ تاریخ سے کتبِ حدیث صحت واثبات کے لیے زیادہ معتبر، لائق اعتبار اور ذمہ دار ہیں۔ تاریخِ ابوالفدا کے تنہا اقتباس پر اعتبار نہ آئے اور کتبِ حدیث سے اس کی تصدیق و توثیق منظور ہو تو ہم اُن کے اطمینانِ خاطر کے لیے کتبِ حدیث کی اسنادِ خاص لیکر بھی حاضر ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ امام ابنِ قتیبہ ملقب بہ حافظِ دینوری کی کتاب امامت والسیاست جس میں ذیل کی عبارت کلبند ہے۔

ان ابابکر اخبر بقوم تخلفوا من بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطاب فجاء فناداھم وھم فی دار علیؑ وابوان یخرجوا فدعا عمر بالحطب فقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقن ھا علیکم علی ما فیہ فقیل لہ یا اباحفص ان فیھا فاطمۃ ع فقال ان کانت فخرجوا وبایعوا الا علیاً۔

ابوبکر کو جب خبر معلوم ہوئی کہ بیعت سے مخالفت کرنے والی جماعت علیؑ کے پاس جمع ہے تو انھوں نے عمر ابن خطاب کو اُن کے پاس بھیجا۔ وہ آئے اور اُن لوگوں کو پکارا جو حضرت علی علیہ السّلام کے گھر میں موجود تھے۔ اُن لوگوں نے گھر میں سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ پس عمر نے جلانے کی لکڑیاں منگائیں اور چلا کر کہا قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے کہ تم لوگ باہر چلے آؤ۔ نہیں تو تمہارے اوپر ہم اس گھر کو جلا دینگے۔ پس اُن لوگوں نے کہا کہ اس میں بیبی فاطمہؑ بنتِ رسولؐ ہیں۔ عمر نے کہا۔ ہوا کریں۔ وہ باہر نکل آئے اور سب نے سوائے علیؑ کے بیعت کر لی۔

امام قتیبہ دینوری کی تحریر ملاحظہ فرمائی گئی۔ اب کتاب العقد ابنِ عبدربہ کی اصلی عبارت مشاہدہ فرمائیے۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابوبکر علی والعباس والزبیر وسعد ابن عبادۃ فاما علی والعباس فقعدا فی بیت فاطمۃ حتیٰ بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجھما من بیت فاطمۃ وقال ان ابیا فقاتلھما فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیھما الدار فلقیتہ فاطمۃ فقالت یابن الخطاب جئت لتحرق دارنا قال نعم او یدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علیؑ حتیٰ دخل علی ابوبکر۔

جن لوگوں نے بیعتِ ابوبکر سے مخالفت کی تھی وہ علیؑ تھے عباس، زبیر اور سعد ابنِ عبادہ۔ علیؑ اور عباس فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ عمر کو ابوبکر نے فاطمہؑ کے گھر بھیجا اور کہا کہ اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو اُن دونوں کو قتل کر دینا۔ پس عمر تھوڑی سی آگ لیکر اس غرض سے آئے کہ ان لوگوں پر خانۂ فاطمہؑ کو جلا دیں۔ جنابِ سیدہ نے اُن کو دیکھا تو پوچھا کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟ عمر نے کہا ہاں۔ ورنہ وہ لوگ اُس امر میں داخل ہو جائیں جس میں تمام امت کے لوگ داخل ہو چکے ہیں۔ پس علیؑ باہر نکل آئے اور ابوبکر کے پاس چلے گئے۔

علامہ ابنِ حزابہ اپنی کتاب غرر میں یوں رقمطراز ہیں۔

قال زید ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی

حمل ساقط ہوگیا۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اُسکا خون مباح فرمادیا تھا۔ جب میں یہ عبارت پڑھ چکا تو ابو جعفر نے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آپ اُس شخص کا خون بھی مباح فرما دیتے جس نے فاطمہؑ کو ڈرایا تھا۔ دھمکایا تھا اور جس کی وجہ سے آپ کے محسن نامی لڑکے کا حمل اسقاط ہوگیا تھا۔ ابن الحدید کہتے ہیں کہ یہ سُنکر میں نے اپنے اُستاد سے پوچھا کہ جب آپ اس واقعہ کو تسلیم فرماتے ہیں تو آیا آپ مجھے اس واقعہ کو اپنی اسناد سے روایت کرنے کے لیے اجازت دیتے ہیں؟ ابو جعفر نے کہا کہ بات یہ ہے کہ تم خدا کی تصدیق مجھ سے بیان کرو اور نہ تکذیب۔ کیونکہ مجھے اس میں توقف ہے۔

کہیے اگر علامہ ابن ابی الحدید سچے ہیں اور اُن کا یہ مرقومۂ بالا مشاہدہ صحیح ہے تو انصاف پسند حضرات سمجھ لیں کہ اس ایک واقعہ سے جناب سیدہؑ کے اُن تمام مصائب اور شدائد کا کامل ثبوت ملجاتا ہے جو شیعوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں اور تمام سُنی حضرات اُن سے انکار کرتے آئے ہیں۔ یہ حضرات وقت پر کہنے کو تو بہت کچھ کہجاتے ہیں مگر جب کوئی شخص اُنکی اسناد۔ اُسکا اعلان اور بیان کرنا چاہتا ہے تو پھر انکار ہوجاتا ہے۔ تامل کیا جاتا ہے اور توقف فرمایا جاتا ہے۔ اس کا سبب وہی ناحق پرستی ہے اور صریح دفع الوقتی۔

بہرحال۔ مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہوگیا کہ احراق خانۂ فاطمہؑ کا واقعہ زبانی تہدید نہیں تھی بلکہ عملی ترکیب وتدبیر۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات کو وقت پر مان بھی لیتے ہیں اور پھر اس میں۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے اصول پر غلط اور دور از قیاس بیانات اور ناممکنات تاویلات بھی کرتے ہیں۔ پہلے تو زبانی تہدید پر اصرار تھا۔ جب یہ زبانی تہدید عملی تدبیر اُنہی کی اسناد سے ظاہر اور ثابت کردی گئی تو اب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ گھر جلایا تو نہیں۔ صرف قصد کیا۔ اور قصد قلب کے ارادے کا نام ہے۔ اور قلب کے محسوسات اور جذبات کا علم سوائے خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے کسی انسان کو نہیں ہوسکتا چنانچہ نصر اللہ کابلی نے جب ان واقعات کی تردید وتکذیب میں کچھ بھی نہ چل سکی تو وہ اپنی صواقع میں انہی جملات سے بحث کرتے ہیں۔ ہم اُن کی کتاب صواقع۔ مطلب سادس مقصد رابع سے اس کے متعلق اُن کی اصل عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

الثانی انه ای عمر قصد احراق بیت فاطمة وهو باطل لانه من مفتریاتهم وشنایع خرافاتهم وقد اختلف کلمتهم فی ذلك فالاکثرون منهم علی انه احرقه والآخرون انه قصد احراقه وبطلانه فی غایة الظهور لان القصد من افعال القلوب لا یطلع علیه احد الا الله تعالیٰ واعداد اسباب الاحراق والامر باحضارها والتهدید لو ثبتت لا یدل علی امضاء الفعل۔

دوسری بات یہ ہے کہ عمر نے فاطمہؑ کا گھر جلانے کا قصد کیا۔ اور یہ باطل ہے اس لیے کہ شیعوں کے خاص مفتریات سے ہے اور اس میں اُنہیں خود اختلاف ہے۔ اُن میں بھی اکثر کہتے ہیں کہ عمر نے فاطمہؑ کا گھر جلادیا۔ اور متاخرین کہتے ہیں کہ جلا دینے کا قصد کیا۔ اس واقعہ کا غیر صحیح ہونا تو اسی سے ظاہر اور آشکارا ہے۔ کیونکہ قصد افعال قلبی میں داخل ہے۔ اور اُس پر سوائے خدائے تبارک وتعالےٰ کے اور کسی کو علم واطلاع نہیں۔ اور جلا دینے کے اسباب یا اُن کی فراہمی کا حکم کرنا۔ ڈراتا یا دھمکاتا اگرچہ یہ امور ثابت بھی ہوں تاہم صدورِ فعل پر دلیل نہیں ہوسکتے۔

اس کابلی عالم سے کوئی پوچھے کہ یہی کلیہ تمہارا تمام قائم ہوتا ہے یا صرف احراقِ خانۂ فاطمہؑ کے واقعات تک محدود ہے۔ اگر یہ محدود و مخصوص نہیں۔ بلکہ عام دستور ہے۔ تو پھر عائشہ اور ابن زبیر کے معاملہ میں تمہارے تمام علمائے علام نے اس کلیہ اور اصول کے خلاف کیوں فیصلہ عام دیدیا ہے۔ اور عبداللہ ابن زبیر کو صرف اُن کی نیت دلی اور ارادۂ قلبی کر قیاس پر ملزم۔ مجرم اور خاطی ٹھیرا دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ علامہ ابن حزم کی یہ عبارت جو انہوں نے اپنی کتاب محلی میں مندرج کی ہے۔

حمل ساقط ہوگیا۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اسکا خون مباح فرما دیا تھا جب میں یہ عبارت پڑھ چکا تو ابوجعفر نے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آپ اُس شخص کا خون بھی مباح فرما دیتے جس نے فاطمہؑ کو ڈرایا تھا۔ دھمکایا تھا اور جس کی وجہ سے آپ کے محسن نامی لڑکے کا حمل اسقاط ہوگیا تھا۔ ابن الحدید کہتے ہیں کہ یہ سُنکر میں نے اپنے اُستاد سے پوچھا کہ جب آپ اس واقعہ کو تسلیم فرماتے ہیں تو آیا آپ مجھے اس واقعہ کو اپنی اسناد سے روایت کرنے کے لیے اجازت دیتے ہیں؟ ابوجعفر نے کہا کہ بات یہ ہے کہ تم نہ اسکی تصدیق مجھ سے بیان کرو اور نہ تکذیب۔ کیونکہ مجھے اس میں توقف ہے۔

کہیے اگر علامہ ابن ابی الحدید سچے ہیں اور اُن کا یہ مرقومۂ بالا مشاہدہ صحیح ہے تو انصاف پسند حضرات سمجھ لیں کہ اس ایک واقعہ سے جناب سیدہؑ کے اُن تمام مصائب اور شدائد کا کامل ثبوت ملجاتا ہے جو شیعوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں اور تمام سُنی حضرات اُن سے انکار کرتے آئے ہیں۔ یہ حضرات وقت پر کہنے کو تو بہت کچھ کہجاتے ہیں مگر جب کوئی شخص اُنکی اسناد۔ اُسکا اعلان اور بیان کرنا چاہتا ہے تو پھر انکار ہوجاتا ہے۔ تامل کیا جاتا ہے اور توقف فرمایا جاتا ہے۔ اس کا سبب وہی ناحق پرستی ہے اور صریح دفع الوقتی۔

بہرحال۔ مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہوگیا کہ احراق خانۂ فاطمہؑ کا واقعہ زبانی تہدید نہیں تھی بلکہ عملی ترکیب وتدبیر۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات کو وقت پر مان بھی لیتے ہیں اور پھر اس میں۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کے اصول پر غلط اور دور از قیاسات اور ناممکنات تاویلات بھی کرتے ہیں۔ پہلے تو زبانی تہدید پر اصرار تھا جب یہ زبانی تہدید عملی تدبیر اُنہی کی اسناد سے ظاہر اور ثابت کردی گئی تو اب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ گھر جلایا تو نہیں۔ صرف قصد کیا۔ اور قصد قلب کے ارادے کا نام ہے۔ اور قلب کے محسوسات اور جذبات کا علم سوائے خدائے سبحانہ وتعالے کے کسی انسان کو نہیں ہوسکتا چنانچہ نصر اللہ کابلی نے جب ان واقعات کی تردید وتکذیب میں کچھ بھی نہ چل سکی تو وہ اپنی صواقع میں انہی مہملات سے بحث کرتے ہیں۔ ہم اُن کی کتاب صواقع۔ مطلب سادس مقصد رابع سے اس کے متعلق اُن کی اصل عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

الثانی انہ ای عمر قصد احراق بیت فاطمۃ وھو باطل لانہ من مفتریاتھم وشنایع خرافاتھم وقد اختلف کلمتھم فی ذلک فالاکثرون منھم علی انہ احرقہ والآخرون انہ قصد احراقہ وبطلانہ فی غایۃ الظھور لان القصد من افعال القلوب لا یطلع علیہ احد الا اللہ تعالیٰ واعداد اسباب الاحراق والامر باحضارھا والتھدید لو ثبتت لا یدل علی امضاء الفعل۔

دوسری بات یہ ہے کہ عمر نے فاطمہؑ کا گھر جلانے کا قصد کیا۔ اور یہ باطل ہے اس لیے کہ شیعوں کے خاص مفتریات سے ہے اور اس میں اُنہیں خود اختلاف ہے۔ اُن میں بھی اکثر کہتے ہیں کہ عمر نے فاطمہؑ کا گھر جلا دیا۔ اور متاخرین کہتے ہیں کہ جلا دینے کا قصد کیا۔ اس واقعہ کا غیر صحیح ہونا تو اسی سے ظاہر اور آشکارا ہے۔ کیونکہ قصد افعال قلبی میں داخل ہے۔ اور اُس پر سوائے خدائے تبارک وتعالے کے اور کسی کو علم واطلاع نہیں۔ اور جلا دینے کے اسباب یا اُن کی فراہمی کا حکم کرنا۔ ڈراتا یا دھمکاتا اگرچہ یہ امور ثابت بھی ہوں تاہم صدور فعل پر دلیل نہیں ہوسکتے۔

اس کابلی عالم سے کوئی پوچھے کہ یہی کلیہ تمہارا تمام قائم ہوتا ہے یا صرف احراق خانۂ فاطمہؑ کے واقعات تک محدود ہے۔ اگر یہ محدود ومخصوص نہیں۔ بلکہ عام دستور ہے۔ تو پھر عائشہ اور ابن زبیر کے معاملہ میں تمہارے تمام علمائے علام نے اس کلیہ اور اصول کے خلاف کیوں فیصلہ عام دیدیا ہے۔ اور عبداللہ ابن زبیر کو صرف اُن کی نیت دلی اور ارادۂ قلبی کو قیاس پر ملزم۔ مجرم اور خاطی ٹھیرا دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ علامہ ابن حزم کی یہ عبارت جو انہوں نے اپنی کتاب محلی میں مندرج کی ہے۔

یقین و اعتماد میں ابن زبیر کا واقعہ کبھی عمر کے قصہ کی برابر نہیں ہوسکتا) ایک کی نسبت تو اہانت و تہدید کا یقین کریں اور اقرار اور دوسرے میں اُسکی تکذیب کریں اور انکار کچھ بھی نہیں۔ یہ اُنکی خودغرضی۔ نفسانیت اور ناصبیت کا قدیم دستور ہے۔ جو سلفاً عن خلفٍ جاری چلا آتا ہے۔ اور یہ وہی ابن الوقتی ہے اور قابو پرستی۔ جب جیسا موقع دیکھا لکھ مارا۔ اس سے زیادہ عبرت خیز اور حیرت انگیز ایک دوسرا واقعہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔ امام سیوطی رسالۂ القام الحجر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

افتی ابو المطرف الشعبی فی رجل انکر تحلیف امرأة باللیل قال ولو کانت بنت ابی بکر الصدیق ما حلفت الا بالنھار وصوب له بعض المتسمین بالفقه فقال ابو المطرف ذکر ھذه لابنت ابی بکر رضی اللہ عنھا یوجب علیه الضرب الشدید و الحبس الطویل والفقیه الذی صوب قوله احق باسم الفسق فتقدم الیه فی ذٰلك ویوجزوه ولا یقبل فتواه ولا شھادته وھی جرحة تامة و یبغض فی اللہ۔

ابو المطرف امام شعبی نے ایک شخص کے بارے میں جس نے عورتوں سے رات کو حلف لیے جانے کے بارے میں یہ کہدیا تھا کہ اگر ابوبکر صدیق کی بھی بیٹی ہو تو اُس سے بھی دن ہی کے وقت حلف لیا جائیگا۔ اور اُس کے قول کو اکثر علمائے فقہ نے مان لیا تھا۔ یہ فتوٰے دیا کہ ایسے شخص کو ابوبکر کی بیٹی کا نام لینے کی وجہ سے ضرب شدید لگانی چاہیے۔ اور حبس طویل کی سزا دینی چاہیے۔ اور وہ فقیہ جس نے اس کی رائے کو صواب خیال کیا فقیہ کے عوض اسم فسق کے لگا دیے جانیکا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اُسکا فسق آگے ہوگیا۔ اور فقہ پیچھے رہ گئی۔ نہ اُسکا فتوٰے قبول کرنا چاہیے۔ نہ اُس کی شہادت پر اعتبار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اُس نے حد درجہ کی جرح کی ہے۔ اور اُس میں اُس نے خدا کے ساتھ بغض کیا ہے۔

لیجیے ایک نہیں دو دو بے غیرتی اور بے حمیتی کے ثبوت موجود ہیں۔ امام شعبی اور ابن حزم سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ہی دل میں درد ہے یا تمہارے نبی صلعم کے دل میں بھی کچھ درد تھا۔ خدا کے لیے یہ تو بتلاؤ کہ صرف تمہیں اپنے ابوبکر صاحب ہی کی عزت و حرمت کا خیال ہے یا اپنے رسول صلعم کے ناموس کا بھی۔ اپنے اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھکر دیکھو۔ صرف نام لینے اور تمثیلاً ارشاد کرنے میں تو تم جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔ کہنے والے کو کافر۔ فاسق۔ فاجر اور منافق سب کچھ بنا دیتے ہو۔ اب اسی سے خیال کرو کہ فاطمہؑ کے ساتھ اس سے کہیں بڑی بڑی مظالم اور شدائد کرنیوالوں کی طرف سے تمہارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر جن پر تم ایمان لائے ہو۔ اپنا سردار۔ پیغمبر اور پیشوا سمجھتے ہو۔ کیا گزرا ہوگا۔ اور وہ اپنے پارۂ جگر اور نور نظر پر ان مظالم کرنیوالوں کو کیا کہتا ہوگا۔ شرم! شرم!! شرم!!!

بہرحال۔ احراق خانۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق ہم نے متعدد اور متواتر واقعات بالکل اُنہی حضرات کی معتبر اسناد سے مستنبط کرکے لکھدیے ہیں۔ اور ثابت کردیا ہے کہ عمر نے تا بہ امکان اپنے جناب سیدۃ العالمین بضعۂ ختم المرسلین صلوات اللہ علیہا اور اُن کے اہل و عیال اور اُن کے گھربار کی ذلت و حقارت۔ توہین و تہجین۔ آزار و ستمگاری کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اُس زخم خوردہ پدر مُردہ معصومہ کے ستانے۔ آزار پہنچانے اور اُس کا گھر جلانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

ان واقعات کو پڑھکر بے شرم ابن حزم کے قلم سے عمر کی نسبت لا تدری کیف استحل مسلم کے تنبیہی الفاظ نہیں نکلے۔ جن کو وہ ابھی ابھی زبیر کے حالات میں بڑی آزادی سے لکھ چکے ہیں۔ امر حقیقت پر نظر رکھنے والا ہو اور انصاف کرنے والا تو ابن زبیر کے اس کلمہ اما واللہ لتنتھین او لاحجرن علیھا (واللہ اگر وہ (عائشہ) نہ باز آئینگی تو میں اُن کو تصرف سے باز رکھونگا) کو عمر کے ان ظالمانہ اور جابرانہ کلمات اخرجی من البیت ولا احرقنه ومن فیه قال فی البیت علیؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ

یقین و اعتماد میں ابن زبیر کا واقعہ کبھی عمر کے قصہ کی برابر نہیں ہوسکتا) ایک کی نسبت تو اہانت و تہدید کا یقین کریں اور اقرار اور دوسرے میں اسکی تکذیب کریں اور انکار۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ انکی خودغرضی۔ نفسانیت اور ناصبیت کا قدیم دستور ہے۔ جو سلفاً عن خلفٍ جاری چلا آتا ہے۔ اور یہ ہی ابن الوقتی ہے اور قابو پرستی۔ جب جیسا موقع دیکھا لکھ مارا۔ اس سے زیادہ عبرت خیز اور حیرت انگیز ایک دوسرا واقعہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔ امام سیوطی رسالہ القام الحجر میں تحریر فرماتے ہیں:-

افتی ابو المطرف الشعبی فی رجل انکر تحلیف امرأۃ باللیل قال ولو کانت بنت ابی بکر الصدیق ما حلفت الا بالنهار وصوب له بعض المتسمین بالفقه فقال ابو المطرف ذکر هذه لابنت ابی بکر رضی الله عنها یوجب علیه الضرب الشدید و الحبس الطویل والفقیه الذی صوب قوله احق باسم الفسق فتقدم الیه فی ذلك ویوعزو کا ولا یقبل فتواه ولا شهادته وهي جرحة تامة و یبغض فی الله۔

ابو المطرف امام شعبی نے ایک شخص کے بارے میں جس نے عورتوں سے رات کو حلف لیے جانے کے بارے میں یہ کہدیا تھا کہ اگر ابوبکر صدیق کی بھی بیٹی ہو تو اس سے بھی دن ہی کے وقت حلف لیا جائیگا۔ اور اس کے قول کو اکثر علمائے فقہ نے مان لیا تھا۔ یہ فتویٰ دیا کہ ایسے شخص کو ابوبکر کی بیٹی کا نام لینے کی وجہ سے ضرب شدید لگانی چاہیے۔ اور حبس طویل کی سزا دینی چاہیے۔ اور وہ فقیہ جس نے اس کی رائے کو صواب خیال کیا فقیہ کے عوض اسم فسق کے لگا دیے جانیکا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اسکا فسق آگے ہوگیا۔ اور فقہ پیچھے پڑگئی نہ اسکا فتویٰ قبول کرنا چاہیے۔ نہ اس کی شہادت پر اعتبار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس نے حد درجہ کی جرح کی ہے۔ اور اس میں اس نے خدا کے ساتھ بغض کیا ہے۔

لیجیے ایک نہیں دو دو بے غیرتی اور بے حمیتی کے ثبوت موجود ہیں۔ امام شبلی ابن حزم سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ہی دل میں درد ہے یا تمہارے نبی صلعم کے دل میں بھی کچھ درد تھا۔ خدا کے لیے یہ تو بتلاؤ کہ صرف تمہیں اپنے ابوبکر صاحب ہی کی عزت و حرمت کا خیال ہے یا اپنے رسول صلعم کے ناموس کا بھی۔ اپنے اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھکر دیکھو۔ صرف نام لینے اور تمثیلاً ارشاد کرنے میں تو تم جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔ کہنے والے کو کافر۔ فاسق۔ فاجر اور منافق سب کچھ بنا دیتے ہو۔ اب اسی سے خیال کرو کہ فاطمۂ کے ساتھ اس سے کہیں بڑی بڑے مظالم اور شدائد کرنیوالوں کی طرف سے تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر جن پر تم ایمان لائے ہو۔ اپنا سردار۔ پیغمبر اور پیشوا سمجھتے ہو۔ کیا گزرا ہوگا۔ اور وہ اپنے پارۂ جگر اور نور نظر پر ان مظالم کرنیوالوں کو کیا کہتا ہوگا۔ شرم! شرم!! شرم!!!

بہرحال۔ احراق خانۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق ہم نے متعدد اور متواتر واقعات بالکل انھی حضرات کی معتبر اسناد سے مستنبط کرکے لکھدیے ہیں۔ اور ثابت کردیا ہے کہ عمر نے تابہ امکان اپنے جناب سیدۃ العالمین بضعۂ ختم المرسلین صلوات اللہ علیہا اور ان کے اہل و عیال اور ان کے گھربار کی ذلت و حقارت۔ توہین و تحجین۔ دل آزاری و ستمگاری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اس زخم خوردہ پدر مردہ معصومہ کے ستانے۔ آزار پہنچانے اور اس کا گھر جلانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

ان واقعات کو پڑھکر بے شرم ابن حزم کے قلم سے عمر کی نسبت لا تدری کیف استحل مسلم کے تنبیہی الفاظ نہیں نکلے۔ جن کو وہ ابھی ابھی زبیر کے حالات میں بڑی آزادی سے لکھ چکے ہیں۔ امر حقیقت پر نظر رکھنے والا ہو اور انصاف کرنے والا تو ابن زبیر کے اس کلمہ اما والله لتنتهين او لا تجرن علیها (واللہ اگر وہ (عائشہ) تبازآئینگی تو میں ان کو تصرف سے باز رکھونگا) کو عمر کے ان ظالمانہ اور جابرانہ کلمات اخرجي من البيت ولا احرقنه ومن فيه قال فی البيت علی وفاطمة والحسن والحسين

حالات کا موازنہ فرما کر یقین کر لیجئے کہ یہ تمام بدبختیاں تھیں جو بیبا
اور بے ادبیاں اُسی خانۂ مقدس کے غارت کر دینے کی غرض
سے کی گئیں جو تقدیس اور تکریم میں بقولِ مخبرِ صادق علیہ السلام
انبیاء کے گھروں سے بھی زیادہ بہتر تھا۔

اور ما سوا اس کے پھر اس بیت الشرف کے رہنے والے بزرگوار اور
خاصانِ پروردگار کی خدمات میں بے ادبیاں کیں اور شوخیاں اور
اُن کو اپنے دست و زبان سے ایسے سخت اور شدید آزار پہنچائے کہ
کبھی اُن کے غلاموں اور خادموں کی شان و اقتدار کے بھی شایاں
اور سزاوار نہیں تھے۔ تعجب پر تعجب ہوتا ہے اور حیرت پر حیرت کہ
پھر بھی حضرات باوجود ان گستاخیوں اور شوخ چشمیوں کے اُنہی
ذواتِ مقدسہ کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب بھی اپنی
صحاح و مسانید میں اس شد و مد سے لکھتے ہیں کہ باید و شاید۔
مگر جہاں حضرات خلفاء کے مقابلہ اور موازنہ کا قدم آ گیا۔ پھر
سب بھول گئے۔ اب نہ کہیں اُس خلوص کا پتہ ملتا ہے اور نہ
اُس اعتقاد و ارادت کا نشان۔ یہی نصر اللہ کابلی صواقع میں
انہی حضراتِ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب کے
متعلق لکھتے ہیں۔

یقولون (ای اهل سنة) من ترك المودة فی اهل بیت
رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فقد خانه وقد
قال الله تعالی لا تخونوا الله و رسوله و من کره اهل بیته
فقد کرهه ولقد اجاد من افاد ـ فلا تعدل
با هل البیت خلقا ؛ فاهل البیت هم اهل السیادة ؛
فبغضهم من الانسان خسرا ؛ حقیقی وحبهم عبادة ؛
و یوجبون الصلوٰة علیهم فی الصلوات ـ قال الشیخ
الجلیل فرید الدین احمد ابن محمد نیشاپوری من
امن بمحمد ولم یومن اهلبیته فلیس بمؤمن ـ

اہلسنت کا قول ہے کہ جس نے محبتِ اہلبیت کو ترک کیا اُس نے
جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت
کی۔ اور جس نے اہلبیت علیہم السلام سے کراہت اختیار
کی اُس نے رسول صلعم سے کراہت کی۔ اور خدائے تعالےٰ کا
حکم ہے کہ خدا اور اُس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔
جس طرح (محبتِ اہلبیت) حاصل کرنے کی کوشش کی اُس نے
فائدہ اُٹھایا ہے۔ پس کسی کو اُن کے (اہلبیت) کو شان
نہ دو کیونکہ یہ حضرات صاحبانِ سیادت و بزرگی ہیں۔ ان کے
ساتھ بغض رکھنا انسان کے لیے حقیقی نقصان ہے۔ اور اُنکے
ساتھ محبت رکھنا عبادت ہے۔ خدا نے اُن پر درود و سلام
کو نمازیں واجب ٹھیرایا ہے۔ اور شیخ بزرگ فرید الدین احمد
ابن محمد نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ جو کوئی محمد پر ایمان لایا اور
اُن کے اہلبیت پر ایمان نہیں لایا تو وہ مومن نہیں ہے۔

اظہار محامد اور اعلانِ مراتب تو یہ۔ اور پھر اُنہی کے ساتھ شریں
سالک اور معاملات مربلغ ہے۔ سبحان اللہ دیکھو ایں کار
از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اُنکی محبت شعار ایمان قرار
دی جاتی ہے۔ اور پھر اُنہی کے گھروں میں آگ لگائی جاتی ہے
نمازوں میں اُن پر درود بھیجے جاتے ہیں۔ اور دروازہ پر
جا کر سیکڑوں صلواتیں سُنائی جاتی ہیں۔ گردن کاٹنے کو تلوار
نکالی جاتی ہے۔ کیا اچھی ایمان کی شان ہے اور کیا ایمانداری
کی صورت۔ لاحول ولا قوۃ۔

بہر حال۔ ان واقعات نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اذیت
مصیبت اور اُس کے ساتھ حضرات خلفائے راشدین کی انکو
جائز۔ برحق اور سچے مطالبات کی حق تلفی۔ اُن کی خدمت میں
حد درجہ کی بے ادبی اور بے مروتی ثابت کر دی۔ مگر واہ ری محبت
اور غیرت۔ کہ باوجود ان تمام مظالم اور شدائد کے بھی ابھی تک
یہ دعوے ہے۔ اور اُس دعوے پر ناز کہ جناب سیدہ کو اپنے
مصائب و شدائد کا نہ کوئی ملال ہوا اور نہ خیال۔ وہ تو راضی
گئیں اور ان لوگوں سے خوشنود ہو گئیں۔ اچھا تھوڑی دیر
کے لیے یونہی سہی۔ مگر اس سے بھی تو تمہاری حد درجہ کی بد اخلاقی
اور بے حمیتی ثابت ہوتی ہے۔ اور جناب معصومہ کی غایت درجہ کی
خوش اخلاقی اور عفو جرائم۔ مگر تمہاری حیا ایسی ہے کہ تم اس
عفوِ تقصیر اور حسنِ اخلاق کو اپنے جھوٹے دعووں کا مبین سمجھتے ہو
سمجھو تو معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا آدمی بھی تمہاری ان
ظاہری لفاظیوں کو تمہاری جاہلانہ خوش فہمی اور صرف مغالطہ بازی
سمجھیگا۔ اور کچھ بھی نہیں۔

حالات کا موازنہ فرما کر یقین کر لیجئے کہ یہ تمام بد عتیں شقاوتیں اور بے ادبیاں اُسی خانۂ مقدس کے غارت کر دینے کی غرض سے کی گئیں جو تقدیس اور تکریم میں بقول محمد صادق علیہ السلام انبیاؑ کے گھروں سے بھی زیادہ بہتر تھا۔

اور ماسوا اس کے پھر اس بیت الشرف کے رہنے والے بزرگوار اور خاصان پروردگار کی خدمات میں بے ادبیاں کیں اور شوخیاں اور اُن کو اپنے دست و زبان سے ایسے سخت اور شدید آزار پہنچائے کہ کبھی اُن کے غلاموں اور خادموں کی شان و اقتدار کے بھی شایان اور سزاوار نہیں تھے۔ تعجب پر تعجب ہوتا ہے اور حیرت پر حیرت کہ پھر بھی حضرات باوجود ان گستاخیوں اور شوخ چشمیوں کے اُنہی ذوات مقدسہ کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب بھی اپنی صحاح و مسانید میں اس شد و مد سے لکھتے ہیں کہ باید و شاید۔ مگر جہاں حضرات خلفاء کے مقابلہ اور موازنہ کا قدم آگیا۔ پھر سب بھول گئے۔ اب نہ کہیں اُس خلوص کا پتہ ملتا ہے اور نہ اُس اعتقاد و ارادت کا نشان۔ یہی نصر اللہ کابلی صواقع میں انہی حضرات اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق لکھتے ہیں۔

یقولون (ای اہل سنۃ) من ترك المودۃ فی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقد خانہ وقد قال اللہ تعالیٰ لا تخونوا اللہ و رسولہ ومن کرہ اہل بیتہ فقد کرھہ ولقد اجاد من افاد سہ فلا تعدل باہل البیت خلقا ؛ فاہل البیت ہم اہل السیادۃ ؛ فبغضہم من الانسان خسرا ؛ حقیقی وحبہم عبادۃ ؛ ویوجبون الصلٰوۃ علیہم فی الصلوات قال الشیخ الجلیل فرید الدین احمد ابن محمد نیشاپوری من امن بمحمد ولم یومن اہلبیتہ فلیس بمؤمن۔

اہلسنت کا قول ہے کہ جس نے محبت اہلبیتؑ کو ترک کیا اُس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔ اور جس نے اہلبیت علیہم السلام سے کراہت اختیار کی اُس نے رسول صلعم سے کراہت کی۔ اور خدائے تعالیٰ کا حکم ہے کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

جس نے (محبت اہلبیت) حاصل کرنے کی کوشش کی اُس نے فائدہ اُٹھایا۔ تم بھی اگر اس کے ساتھ اہلبیتؑ کو شامل نہ دو کیونکہ یہ حضرات صاحبان سیادت و بزرگی ہیں۔ ان کے ساتھ بغض رکھنا انسان کے لیے حقیقی نقصان ہے۔ اور ان کے ساتھ محبت رکھنا عبادت ہے۔ خدا نے ان پر درود و سلام کو نمازمیں واجب ٹھیرایا ہے۔ اور شیخ بزرگ فرید الدین احمد ابن محمد نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ جو کوئی محمدؐ پر ایمان لایا اور اُن کے اہلبیتؑ پر ایمان نہیں لایا تو وہ مومن نہیں ہے۔

اظہار محامد اور اعلان مراتب تو یہ۔ اور پھر اُنہی کے ساتھ یہ سلوک اور معاملہ و مرتبہ سبحان اللہ دیکھو درپئے اہلکار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اُنکی محبت شرط ایمان قرار دی جاتی ہے۔ اور پھر اُنہی کے گھروں میں آگ لگائی جاتی ہے نمازوں میں اُن پر درود بھیجے جاتے ہیں۔ اور دروازے پر جا کر سیکڑوں صلواتیں سُنائی جاتی ہیں۔ گردن کاٹنے کو تلوار نکالی جاتی ہے۔ کیا اچھی ایمان کی شان ہے اور کیا ایمانداری کی صورت۔ لاحول ولا قوۃ۔

بہرحال۔ ان واقعات نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اذیت مصیبت اور اُس کے ساتھ حضرات خلفائے راشدین کی ناجائز۔ برحق اور سچے مطالبات کی حق تلفی۔ اُن کی خدمت میں حد درجہ کی بے ادبی اور بے مروتی ثابت کر دی۔ مگر واہ ری ہمت اور غیرت۔ کہ باوجود ان تمام مظالم اور شدائد کے بھی ابھی تک یہ دعوے ہے۔ اور اُس دعوے پر ناز کہ جناب سیدہ کو اپنے مصائب و شدائد کا نہ کوئی ملال ہوا اور نہ خیال۔ وہ تو راضی گئیں اور ان لوگوں سے خوشنود ہو گئی تھیں اچھا تھوڑی دیر کے لیے یونہی سہی۔ مگر اس سے بھی تو تمہاری حد درجہ کی بد خلاقی اور بے حمیتی ثابت ہوتی ہے۔ اور سیدہ معصومہ کی نہایت درجہ کی خوش اخلاقی اور عفو جرائم۔ مگر تمہاری حیا ایسی ہے کہ تم اس عفو تقصیر اور حسن اخلاق کو اپنے جھوٹے دعووں کا مبین استحقاق سمجھتے ہو۔ معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا آدمی بھی تمہاری ان ظاہری لفاظیوں کو تمہاری عالم فریبی اور صرف حفاظت پارٹی سمجھیگا۔ اور کچھ بھی نہیں۔

سے اپنی حرکت و شقاوت کے جواز اور بیعتِ ابوبکر کی صحت کے ثبوت میں۔ بقولِ علامہ بلاذری۔ یہ فرمانا نعم و ذٰلک اقوی فیما جاء بہ ابوک۔ ہاں۔ یہ حجت تمہارے باپ کی اُن حجتوں سے بھی زیادہ قوی ہے جن کو وہ لیکر آئے تھے۔ کہاں تشریف لے گئے خلیفہ صاحب سو اب کوئی صاحب نہیں پوچھتے کہ آپ یہ کیا خفیف الحرکاتی فرما رہے ہیں اور اپنے آپ کو ناکردہ گنہگار بنا رہے ہیں۔ آپ نے تو جو کچھ کیا وہ بالکل عملِ رسولؐ کے مطابق تھا۔ ضبطِ فدک۔ نفیِ میراث۔ استردادِ شہادت۔ سب تو آپ نے خدا اور رسولؐ کے ارشاد کے موافق کیا ہے۔ پھر یہ عذر خواہی۔ یہ معذرت کیوں فرما رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ عمر صاحب بھی بڑے خلیفہ صاحب کو دروازے سے ہاتھ پکڑ کر اُٹھا نہ لے گئے اور نہ یہ سمجھا گئے کہ ذٰلک اقوی فیما جاء بہ رسول اللہ۔ آپ کیوں اتنے مضطر و بیقرار ہو رہے اور خلافتِ راشدہ کی آبرو کھو رہے ہیں۔

یہ جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کی حقیت ہے اور اُنکے من اللہ مطالبات کی اصلیت کہ اُس کے حق ہونے تے آپ کے قلم اور آپ ہی کے ہاتھوں سے اس کو لکھوا دیا اور اُن تمام مظالم و شدائد کا اقرار بھی کرا دیا۔ واللہ یفعل ما یشآء واللہ علیٰ کل شئ قدیر۔

بہر حال۔ ابھی تک تو تمہید تھی۔ اب اس رضامندی اور خوشنودی والی روایتوں کی تنقید و تردید بھی پیش خدمت کی جاتی ہے۔ اس موضوع کی انتہا امام اوزاعی اور شعبی کی روایتوں پر ہوتی ہے۔ اور امام اوزاعی کی اصل عبارت ہم ابھی اوپر نقل کر آئے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ قد بلغنی۔ ہم کو یہ خبر ملی ہے۔ کس سے پہنچی۔ وہ کون ہے۔ کیسا ہے۔ ثقہ ہے۔ غیر ثقہ ہے۔ معتمد ہے یا غیر معتمد ہے کچھ نہیں۔ اب کون عقل کا اندھا ہوگا جو ایسی بے اصل اور بے سر و پا داستانوں اور افسانوں پر اعتبار کریگا۔

اب رہی شعبی صاحب کی نقل۔ اسکی نسبت علامہ ابن حجر شرح صحیح بخاری میں غضبِ فاطمہؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فان ثبت حدیث الشعبی ازال الاشکال۔ اگر شعبی والی حدیث ثابت ہو جائے تو البتہ یہ مشکلیں رفع ہو جائیں۔ لیجیے شعبی کی یہ حدیث ابن حجر کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ تو پھر استنباط و استدلال غلط ع خود غلط املا غلط انشا غلط۔ ابن حجر اس میں اِن کا حرفِ شرط لگاتے ہیں۔ علامہ ابن حجر بھی کون ہیں؟ فنِ حدیث کے بڑے نقاد اور اُستاد۔ اگر ان کے نزدیک۔ ما فاکہ شعبی والی روایت ثابت بھی نہیں۔ تو اوزاعی کی روایت کا ذکر کرتے اور اسکی تصدیق و توثیق فرماتے۔ یا بذاتِ خود تحقیق و تلاش فرما کر اس مضمون کی کوئی دوسری حدیث ڈھونڈ نکالتے۔ آخر محقق تھے۔ محدث تھے۔ اپنی پا افتادہ غضبِ فاطمہؑ والی مشکل کا رفع فرمانا تھا۔ خلیفہ صاحب کو اتنے بڑے تہلکہ اور مظلمہ سے بچانا تھا۔ اور اُن کا انجام بخیر دکھلانا تھا۔ مگر علامہ صاحب نے سوائے اُسی شعبی والی مقدوح و مجروح روایت کے اور کسی نقل و حکایت کا اس مقام پہ ذکر ہی نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کوئی اور دوسری حدیث اُنکی نظر سے گزری ہی نہیں۔ نہیں تو اُنکے جیسے علمِ حدیث کا ناظر ماہر۔ فاضل اور کامل شخص خصوصاً خلیفہ صاحب کے رفع الزام کی خاص ضرورت کے وقت کبھی چوکنے والا نہیں تھا۔ وہ لکھتے اور خوب نون مرچ لگا کر لکھتے۔ مگر یہاں مجبوری تو یہ تھی۔ تمام صحاح و سانید کے خزانے خالی تھے۔ اور اب سوائے دستِ مالی اور پریشان حالی کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

لیجیے ان دونوں خیالی ماخذوں کا ہیولا بھی ہوا ہو گیا۔ اب ایک اور لطف ملاحظہ فرمایا جائے۔ لکھنے کو تو یہ حضرات ان موضوعات کو لکھ گئے۔ مگر صحیحین مسلم اور بخاری کی عبارتوں پر کسی صاحب کی نظر نہ پڑی۔ حالانکہ شیخین کی ہر دو صحاح میں متفق اللفظ یہ عبارت مرقوم ہے۔ فوجدت فاطمۃ و ھجرت ابوبکر ولم تکلمہ حتی توفیت۔ فاطمہ واپس آئیں اور آپ نے ابوبکر سے ... کی اور ان سے ناراض یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں ... صاحب ...

سے اپنی حرکت وشقاوت کے جواز اور بیعتِ ابوبکر کی صحت کے ثبوت میں۔ بقولِ علامہ بلاذری۔ یہ فرمانا نعم وذٰلک اقویٰ فیما جاء بہٖ ابوک۔ ہاں۔ یہ حجت تمہارے باپ کی اُن حجتوں سے بھی زیادہ قوی ہے جن کو وہ لیکر آئے تھے۔ کہاں تشریف لے گئے خلیفہ صاحب سے اب کوئی صاحب نہیں پوچھتے کہ آپ یہ کیا خفیف الحرکاتی فرما رہے ہیں اور اپنے آپ کو ناکردہ گنہگار بنا رہے ہیں۔ آپ نے تو جو کچھ کیا وہ بالکل عملِ رسولؐ کے مطابق تھا۔ ضبطِ فدک۔ نفی میراث۔ استردادِ شہادت۔ سب تو آپ نے خدا اور رسولؐ کے ارشاد کے موافق کیا ہے۔ پھر یہ عذرخواہی۔ یہ معذرت کیوں فرما رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ عمر صاحب بھی بڑے خلیفہ صاحب کو دروازے سے ہاتھ پکڑ کر اُٹھا نہ لے گئے اور نہ یہ سمجھا گئے کہ ذٰلک اقویٰ فیما جاء بہٖ رسول اللہ۔ آپ کیوں اتنے مضطر و بیقرار ہو رہے اور خلافتِ راشدہ کی آبرو کھو رہے ہیں۔

یہ جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کی حقیقت ہے اور اُنکے من اللہ مطالبات کی اصلیت کہ اُس کے حق ہونے نے آپ کے قلم اور آپ ہی کے ہاتھوں سے اس کو لکھوا دیا اور اُن تمام مظالم وشدائد کا اقرار بھی کرا دیا۔ واللہ یفعل ما یشاء واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

بہرحال۔ ابھی تک تو تمہید تھی۔ اب اس رضامندی اور خوشنودی والی روایتوں کی تنقید وتردید بھی پیش خدمت کی جاتی ہے۔ اس موضوع کی انتہا امام اوزاعی اور شعبی کی روایتوں پر ہوتی ہے۔ اور امام اوزاعی کی اصل عبارت ہم ابھی ابھی اوپر نقل کر آئے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ قد بلغنی۔ ہم کو یہ خبر ملی ہے۔ کس سے پہنچی۔ وہ کون ہے۔ کیسا ہے۔ ثقہ ہے۔ غیر ثقہ ہے۔ معتمد ہے یا غیر معتمد ہے کچھ نہیں۔ اب کون عقل کا اندھا ہوگا جو ایسی بے اصل اور بے سر و پا داستانوں اور افسانوں پر اعتبار کریگا۔

اب رہی شعبی صاحب کی نقل۔ اسکی نسبت علامہ ابنِ حجر شرح صحیح بخاری میں غضبِ فاطمہؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فان ثبت حدیث الشعبی ازال الاشکال۔ اگر شعبی والی حدیث ثابت ہو جائے تو البتہ یہ مشکلیں رفع ہو جائیں۔ لیجیے شعبی کی یہ حدیث ابنِ حجر کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ تو پھر استنباط واستدلال غلط ع خود غلط املا غلط انشا غلط۔ ابنِ حجر اس میں اِن کا حرفِ شرط لگاتے ہیں۔ علامہ ابنِ حجر بھی کون ہیں؟ فنِ حدیث کے بڑے نقاد اور اُستاد۔ اگر ان کے نزدیک۔ مانا کہ شعبی والی روایت ثابت بھی نہیں تھی تو اوزاعی کی روایت کا ذکر کرتے اور اسکی تصدیق وترجیح فرماتے۔ یا بذاتِ خود تحقیق وتلاش فرما کر اس مضمون کی کوئی دوسری حدیث ڈھونڈ نکالتے۔ آخر محقق تھے محدث تھے۔ اپنی یا افتادہ غضبِ فاطمہؑ والی مشکل کا رفع فرمانا تھا۔ خلیفہ صاحب کو اتنے بڑے تہلکہ اور مظلمہ سے بچانا تھا۔ اور اُن کا انجام بخیر دکھلانا تھا۔ مگر علامہ صاحب نے سوائے اُسی شعبی والی مقدوح ومجروح روایت کے اور کسی نقل وحکایت کا اس مقام پہ ذکر ہی نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کوئی اور دوسری حدیث اُنکی نظر سے گزری ہی نہیں۔ نہیں تو اُنکے جیسے علمِ حدیث کا ناظر۔ ماہر۔ فاضل اور کامل شخص خصوصاً خلیفہ صاحب کے رفع الزام کی خاص ضرورت کے وقت کبھی چوکنے والا نہیں تھا۔ وہ لکھتے اور خوب نون مرچ لگا کر لکھتے۔ مگر یہاں مجبوری تو یہ تھی۔ تمام صحاح ومسانید کے خزانے خالی تھے۔ اور اب سوائے دستِ مالی اور پریشان حالی کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

لیجیے ان دونوں خیالی ماخذوں کا ہیولا بھی ہوا ہو گیا۔ اب ایک اور لطف ملاحظہ فرمایا جائے۔ لکھنے کو تو یہ حضرات ان موضوعات کو لکھ گئے۔ مگر صحیحین مسلم اور بخاری کی عبارتوں پر کسی صاحب کی نظر نہ پڑی۔ حالانکہ شیخین کی ہر دو صحاح میں متفق اللفظ یہ عبارت مرقوم ہے۔ فوجدت فاطمة وھجرت ابابکر ولم تکلمہ حتی توفیت۔ فاطمہؑ [illegible] آنجناب اور آپ نے ابوبکر سے بیزاری اختیار کی اور اُن سے [illegible] نہیں یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں [illegible] صاحب

ستانے۔ چھپانے اور گھٹانے میں کی گئی تھیں۔ الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار ہوگئیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے طے پا جانے کے بھی اپنے مختار اور اپنی رائے پر اطمینان نہیں۔ قرار نہیں تسکین نہیں تشفی نہیں۔ تمام قوم و ملت کے نظام کا یہ اصول ثابت ہو چکا ہے کہ جب اجماعی طور سے کسی امر پر اتفاق کر لیا تو پھر اُس اصول اور اتفاق پر اضطرار اور اضطراب کیسا۔ یہ کیا بات ہے کہ متفقہ امور کے صحیح ہونے پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ ہر شخص کو اُس کی تلاش ہے۔ تفتیش ہے۔ استفسار ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔

مسئلۂ زیر بحث میں جناب سیدہ کی ابوبکر سے رضامندی کو دیکھیے۔ کہنے کو تو سب کچھ کہہ گئے۔ اور لکھنے کو سارا دفتر لکھ کر دلیلیں بھی قائم ہوگئیں۔ تاویلیں بھی فراہم کر دی گئیں۔ متعدد اور متفرق کتابوں میں بڑے زوروں سے واقعات بھی دیے گئے۔ مگر تاہم اپنے کہنے اور لکھنے لکھانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سب سے تلاش ہے۔ ہر ایک سے استفسار۔ فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں امام ابوبکر جوہری کی کتاب السقیفہ سے نقل کرتے ہیں۔

حدثنی الموقل بن جعفر قال حدثنی محمد ابن میمون عن داؤد ابن مبارک قال اتینا عبد اللہ ابن موسیٰ بن عبد اللہ ابن الحسن ونحن راجعون من الحج فی جماعۃ تسالناہ عن مسائل وکنت انا احد سالہ فسالتہ عن ابی بکر و عمر فقال سئل جدی عبد اللہ الحسن عن ہذہ المسئلۃ فقال کانت امی صدیقۃ بنت نبی مرسل وماتت وہی غضبی علی انسان فنحن غضاب لغضبہا۔

موقل ابن جعفر کا بیان ہے کہ اُن سے محمد ابن میمون نے داؤد ابن مبارک کی زبانی نقل کی ہے کہ داؤد کا بیان ہے کہ ہم لوگ عبد اللہ ابن موسیٰ ابن عبد اللہ ابن حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم لوگ حج سے واپس آ رہے تھے۔ اور اسی جماعت حجاج نے اُن کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کیا اور میں بھی اُنہی پوچھنے والوں میں سے ایک فرد خاص تھا۔ پس اُن لوگوں نے ابوبکر و عمر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اُن کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میری والدہ معظمہ صدیقہ تھیں اور ایک نبی مرسلؐ کی صاحبزادی۔ وہ چند آدمیوں سے آزردہ خاطر ہوگئیں۔ ہم بھی اُنہی کی تاسی میں اُن لوگوں سے آزردہ خاطر ہیں۔

پانچ پشتیں گزر گئیں۔ دو یا تین صدیاں ختم ہوگئیں۔ مگر آپ کا اعتقاد۔ آپ کا مختار ویسا کا ویسا ہی بنا رہا۔ آپ کے دل میں وہی شکوک اور خطرے خطور کرتے رہے۔ اور آپ اس کے صحیح اور سچے اور برحق ہونے میں ویسے کے ویسے ہی مضطرب الحال اور بیقرار بنے رہے۔ اتنی مدت بعید اور عرصہ بعید کے بعد بھی۔ ابھی تک نہ آپ حضرات کو تسکین ہے نہ اطمینان۔ یہ سب ناحق پرستی۔ تعصب اور نفسانیت کی بدمستی کا نتیجہ ہے۔ عام اس سے کہ آپ اپنی حالتوں کا اظہار و اقرار کریں یا نہ کریں ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(عرفی ۱۲)

اگرچہ مرقومۂ بالا واقعات نے مسئلۂ زیر بحث کے تمام جزوی اور کلی حالات پر کافی روشنی ڈالدی ہے اور اس تفصیل و تشریح سے کل باتوں کو ظاہر کر دیا ہے کہ اب کسی بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تاہم ہم اپنے وعدے کے موافق ان واقعات کے متعلق کتب شیعہ سے علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی اسناد متصلہ سے صرف ایک روایت ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں۔ ملا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب حق الیقین میں احراق بیت فاطمہؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:۔

عمر با ابوبکر گفت چرا نمی فرستی کہ علیؑ و آں چند نفر را برائے بیعت بیاورند ہمہ بیعت کردند بغیر اینہا۔ ابوبکر گفت کرا بفرستم عمر گفت قنفذ را می فرستم کہ او مرد غلیظ و بے شرمے است۔ واز قبیلۂ بنی عدی است پس او را با جمعے از اعوان فرستاد چوں رفتند حضرت امیرؑ رخصت ندادکہ داخل شوند صحاب قنفذ

ستانے۔ چھپانے اور گھٹانے میں کی گئی تھیں۔ الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار ہوگئیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے طے پا جانے کے بھی اپنے مختار اور اپنی رائے پر اطمینان نہیں۔ قرار نہیں تسکین نہیں تشفی نہیں۔ تمام قوم و ملت کے نظام کا یہ اصول ثابت ہوچکا ہے کہ جب اجماعی طور سے کسی امر پر اتفاق کر لیا تو پھر اُس اصول اور اتفاق پر اضطرار اور اضطراب کیسا۔ یہ کیا بات ہے کہ متفقہ امور کے صحیح ہونے پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ ہر شخص سے اُس کی تلاش ہے تفتیش ہے۔ استفسار ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔

مسئلۂ زیر بحث میں جناب سیّدہ کی ابوبکر سے رضامندی کو دیکھیے۔ کہنے کو تو سب کچھ کہہ گئے۔ اور لکھنے کو سارا دفتر لکھ گئے دلیلیں بھی قائم ہوگئیں۔ تاویلیں بھی فراہم کر دی گئیں۔ متعدد اور متفرق کتابوں میں بڑے زوروں سے واقعات بھی دیے گئے۔ مگر تاہم اپنے کہنے اور لکھنے لکھانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سب سے تلاش ہے۔ ہر ایک سے استفسار۔ فاضل معتزلی علّامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں امام ابوبکر جوہری کی کتاب السقیفہ سے نقل کرتے ہیں۔

حدّثنی الموقّل بن جعفر قال حدثنی محمد ابن میمون عن داؤد ابن مبارک قال اتینا عبد اللّٰہ ابن موسیٰ بن عبد اللّٰہ ابن الحسن ونحن راجعون من الحج فی جماعۃ تسألناہ عن مسائل وکنت انا احد سألہ فسألتہ عن ابی بکر و عمر فقال سئل جدی عبد اللّٰہ الحسن عن ھٰذہ المسئلۃ فقال کانت امی صدیقۃ بنت نبی مرسل وماتت وھی غضبی علی انسان فنحن غضاب لغضبھا۔

موقل ابن جعفر کا بیان ہے کہ اُن سے محمد ابن میمون نے داؤد ابن مبارک کی زبانی نقل کی ہے کہ داؤد کا بیان ہے کہ ہم لوگ عبد اللہ ابن موسئے ابن عبد اللہ ابن حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم لوگ حج سے واپس آرہے تھے۔ اور اسی جماعتِ حجّاج نے اُن کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کیا اور میں بھی اُنھی پوچھنے والوں میں سے ایک فرد خاص تھا۔ پس اُن لوگوں نے ابوبکر و عمر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اُن کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میری والدۂ معظمہ صدیقہ تھیں اور ایک نبی مرسلؐ کی صاحبزادی۔ وہ چند آدمیوں سے آزردہ خاطر ہوگئیں۔ ہم بھی اُنھی کی تاسی میں اُن لوگوں سے آزردہ خاطر ہیں۔

پانچ پشتیں گزر گئیں۔ دو یا تین صدیاں ختم ہوگئیں۔ مگر آپ کا اعتقاد۔ آپ کا مختار دیسا کا ویسا ہی بنا رہا۔ آپ کے دل میں وہی شکوک اور خطرے خطور کرتے رہے۔ اور آپ اس کے صحیح اور سچے اور برحق ہونے میں ویسے کے ویسے ہی مضطرب الحال اور بیقرار بنے رہے۔ اتنی مدّتِ بعید اور عرصۂ بعید کے بعد بھی۔ ابھی تک نہ آپ حضرات کو تسکین ہے نہ اطمینان۔ یہ سب ناحق پرستی۔ تعصب اور نفسانیت کی بدمستی کا نتیجہ ہے۔ عام اس سے کہ آپ اپنی حالتوں کا اظہار و اقرار کریں یا نہ کریں ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(عرفی ۱۲)

اگرچہ مرقومۂ بالا واقعات نے مسئلۂ زیر بحث کے تمام جزوی اور کُلّی حالات پر کافی روشنی ڈالدی ہے اور اس تفصیل و تشریح سے کُل باتوں کو ظاہر کر دیا ہے کہ اب کسی بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تاہم۔ ہم اپنے وعدے کے موافق ان واقعات کے متعلق کتبِ شیعہ سے علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی اسناد متصلہ سے صرف ایک روایت ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں۔ مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب حق الیقین میں احراقِ بیتِ فاطمہؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:۔

عمر با بوبکر گفت چرا نمی فرستی کہ علیؑ و آں چند نفر را برائے بیعت بیاورند ہمہ بیعت کردند بغیر اینہا۔ ابوبکر گفت کرا بفرستم عمر گفت قنفذ را می فرستم کہ او مرد غلیظ و بے شرمے است۔ و از قبیلۂ بنی عدی است ملہس او را با جمعے از اعوان فرستاد چوں رفتند حضرت امیرؑ رخصت نداد کہ داخل شوند صحاب قنفذ

اہلبیت ثابت ہوتی ہے جو اصل خلافت اور اسکے تمام نظام
کی علامات اور تفتیش تھی۔ اس لیے اس واقعہ کے
چھپانے اور گھٹانے میں حد درجہ کی کوشش تمام کر دی گئی۔
اس پر بھی وہ اس قدر متواتر تھا اور اتنی کتابوں میں
ثبت ہو چکا تھا کہ کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا۔ اگرچہ اس
اختصار اور تلخیص پر ظاہری اور نمائشی لفاظیوں کے
خوب خوب غلاف چڑھائے گئے جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان
ہو چکا ہے۔ اس لیے اس رسالت وغیرہ کے طویل بیان کو
مناسب سمجھا گیا اور بالکل مرفوع القلم کر دیا گیا۔ مگر علامہ
بلاذری نے اس کا اشارہ کر ہی دیا۔ ملاحظہ ہو اُن کی عبارت
عن المدائنی عن مسلمہ ابن محارب عن سلیمان
التیمی عن ابن عون ان ابابکر ارسل الی علی یرید
علی البیعۃ فلم یبایع۔
مدائنی نے مسلمہ سے۔ اُس نے سلیمان تیمی سے۔ اُس نے
ابن عون سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے علیؑ کے پاس کچھ
لوگ بھیجے اور اُنہوں نے بیعت نہیں کی۔ اسماعیل ابوالفدا
اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ انّ ابابکر بعث عمر ابن الخطاب
الی علیؑ و من معہ لیخرجھم من بیت فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ عنہا۔ یعنی ابوبکر نے عمر کو مع اُن کے ہمراہیوں
کے علیؑ کے پاس بھیجا اس لیے کہ اُن کو اُن کے ہمراہیوں
کے ساتھ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان سے نکالدیں۔
امام ابن عبد ربہ کتاب العقد میں لکھتے ہیں:۔ الذین
اختلفوا عن بیعت ابی بکر علیؓ و العباس و الزبیر
و سعد بن عبادۃ فاما علی و العباس فقعدا فی
بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجھما
من بیت فاطمۃ۔
جن لوگوں نے بیعت ابوبکر سے انکار کیا وہ علی۔ عباس۔
زبیر اور سعد ابن عبادہ تھے۔ علی اور عباس فاطمہ کے گھر
میں بیٹھے تھے کہ ابوبکر نے عمر ابن خطاب کو بھیجا کہ اُن کو
فاطمہ کے گھر سے نکالدیں۔ امام قتیبہ ملقب بہ حافظ دینوری
اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

انّ ابابکر اخبر بقوم تخلفوا عن بیعتہ عند علی
فبعث الیھم عمر ابن الخطاب۔
ابوبکر کو جب منکرین بیعت اور علیؑ کے پاس اُن کے جمع ہونے
کی خبر ملی تو اُنہوں نے عمر ابن خطاب کو اُن کے پاس بھیجا۔
مرقومہ بالا اسناد سے ثابت ہو گیا کہ امام بلاذری، ابوالفدا،
امام ابن عبد ربہ اور امام ابن قتیبہ۔ اتنے محققین، علماء
اور مورخین اہلسنت نے اس رسالت کو قبول کر لیا۔
جس سے ثابت ہو گیا کہ اصل واقعہ سے پہلے [illegible]
بلکہ صحیح چند اشخاص ملکر بطور رسالت اخذ بیعت کے لیے
حضرت علیؑ مرتضےٰ کی خدمت گرامی میں بھیجے گئے تھے۔
جیسا کہ شیعہ روایت سے ظاہر ہو چکا ہے۔ بلاذری اور
دیگر مندرجۂ بالا علماء و محدثین اہلسنت بھی تو آخر اُسی سواد اعظم
کے ایک رکن تھے۔ وہ شیعوں کی طرح اس رسالت کو پوری
تفصیل و تشریح سے لکھکر اپنے سونے کے بنائے ہوئے
گھر کو خاک کر ڈالیں اور اپنے اور اپنے بال بچوں کی جانوں
کو ہلاک کریں۔
اب رہا خلیفہ عمر صاحب کا آگ لکڑی وغیرہ خود اپنی ہمراہی جماعت
کے ساتھ لیجانا۔ تو اہلسنت کی مرویات میں بھی بالکل ویسا ہی
ہے جیسا شیعہ روایت میں۔ اور جیسے ہم متعدد اور متواتر سُنّی
ماخذ ہائے معتبر و مستند سے اوپر علیحدہ علیحدہ بیان کر آئے ہیں
میرا جہاں تک خیال کام کرتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ
میں سُنّی علماء نے شیعوں سے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔
شیعوں نے اپنی روایت میں آگ اور لکڑی لیجانیوالوں
کے نام نہیں لکھے ہیں۔ مگر سُنّی علماء نے اُن کی تخصیص کر کے
اُن کے نام لکھدیے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خزابہ کی سند
سے جو روایت اوپر لکھی گئی ہے اُس میں راوی حدیث کا
خود اقرار اس عبارت کے ساتھ درج ہے:۔ قال زید
ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی باب فاطمۃ۔
زید ابن اسلم کا بیان ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے تھا
جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہ (علیہا السلام) کے دروازے
پر گئے تھے۔

اہلسنت سے ثابت ہوتی ہے جو اصل خلافت اور اسکے تمام نظام پر مشتمل ہے اور نقیض تھی۔ اس لیے اس واقعہ کے چھپانے اور نہ بتانے کی ہر درجہ کی کوشش تمام کر دی گئی۔ اسے چھپایا گیا مگر یہ واقعہ اس قدر متواتر تھا اور اتنی کتابوں میں تفصیلاً موجود تھا جو کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا۔ اگرچہ اس اختصار اور تلخیص پر ظاہری اور نمائشی لفاظیوں کے خوب خوب غلاف چڑھائے گئے جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے اس رسالت وغیرہ کے طویل بیان کو مناسب سمجھا گیا اور بالکل مرفوع القلم کر دیا گیا۔ مگر علامہ بلاذری نے اس کا اشارہ کر ہی دیا۔ ملاحظہ ہو اُن کی عبارت

عن المدائنی عن مسلمۃ ابن محارب عن سلیمان التیمی عن ابن عون ان ابا بکر ارسل الی علی یریدہ علی البیعۃ فلم یبایع۔

مدائنی نے مسلمہ سے۔ اس نے سلیمان تیمی سے۔ اس نے ابن عون سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے علیؑ کے پاس کچھ لوگ بھیجے اور انہوں نے بیعت نہیں کی۔ اسماعیل ابوالفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ انّ ابا بکر بعث عمر ابن الخطاب الی علیؑ ومن معہ لیخرجھم من بیت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔ یعنی ابوبکر نے عمر کو مع اُن کے ہمراہیوں کے علیؑ کے پاس بھیجا اس لیے کہ اُن کو اُن کے ہمراہیوں کے ساتھ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان سے نکالدیں۔

امام ابن عبد ربہ کتاب العقد میں لکھتے ہیں:۔ الذین اختلفوا عن بیعۃ ابی بکر علیؓ والعباس والزبیر وسعد بن عبادۃ فاما علی والعباس فقعدا فی بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجھما من بیت فاطمۃ۔

جن لوگوں نے بیعت ابوبکر سے انکار کیا وہ علی۔ عباس۔ زبیر اور سعد ابن عبادہ تھے۔ علی اور عباس فاطمہ کے گھر میں بیٹھے تھے کہ ابوبکر نے عمر ابن خطاب کو بھیجا کہ اُن کو فاطمہ کے گھر سے نکالدیں۔ امام قتیبہ ملقب بہ حافظ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

انّ ابا بکر اخبر بقوم تخلفوا عن بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطاب۔

ابوبکر کو جب منکرین بیعت اور علیؑ کے پاس اُن کے جمع ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے عمر ابن خطاب کو اُن کے پاس بھیجا۔ مرقومہ بالا اسناد سے ثابت ہو گیا کہ امام بلاذری، ابوالفدا، امام ابن عبد ربہ اور امام ابن قتیبہ۔ اتنے محققین، علماء اور مورخین اہلسنت نے اس رسالت کو قبول کر لیا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ اصل واقعہ سے پہلے شخص واحد بلکہ صحیح چند اشخاص ملکر بطور رسالت اخذ بیعت کے لیے حضرت علیؑ مرتضٰے کی خدمتِ گرامی میں بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ شیعہ روایت سے ظاہر ہو چکا ہے۔ بلاذری اور دیگر مندرجہ بالا علماء و محدثین اہلسنت بھی تو آخر اسی سواد اعظم کے ایک رکن تھے۔ وہ شیعوں کی طرح اس رسالت کو پوری تفصیل و تشریح سے لکھکر اپنے سونے کے بنائے ہوئے گھر کو خاک کر ڈالیں اور اپنے اور اپنے بال بچوں کی جانوں کو ہلاک کریں۔

اب رہا خلیفہ عمر صاحب کا آگ لکڑی وغیرہ خود اپنی ہمراہی جماعت کے ساتھ لیجانا۔ تو اہلسنت کی مرویات میں بھی بالکل ویسا ہی ہے جیسا شیعہ روایت میں۔ اور جیسے ہم متعدد اور منتہا اثر سُنّی ماخذہائے معتبر و مستند سے اوپر علیحدہ علیحدہ بیان کر آئے ہیں میرا جہاں تک خیال کام کرتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں سُنّی علماء نے شیعوں سے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ شیعوں نے اپنی روایت میں آگ اور لکڑی لیجانے والوں کے نام نہیں لکھے ہیں۔ مگر سُنّی علماء نے اُن کی تخصیص کر کے اُن کے نام لکھدیے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزابہ کی سند سے جو روایت اوپر لکھی گئی ہے اُس میں راوی حدیث کا خود اقرار اس عبارت کے ساتھ درج ہے:۔ قال زید ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی باب فاطمۃ۔

زید ابن اسلم کا بیان ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے تھا جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہ (علیہا السلام) کے دروازے پر گئے تھے۔

ان حضرات سے صحیح واقعات کے لکھنے اور بیان کرنے کی امید رکھنا بالکل بیکار۔ چہ جائیکہ وہ واقعات جو سراسر انکے مدعا کے مخالف اور نقیض ہیں۔ مگر بایں ہمہ۔ ہمارا یقین ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے کہ حق کوئی حالت ہو اور کوئی صورت۔ جب تک وظہر الحق واکثر ھم للحق کارھون (حق ظاہر ہو گیا اور بہت لوگ اُس سے کراہت کرتے ہی رہے) کا ارشاد ربانی نص قرآنی کی صورت میں باقی ہے کبھی چھپ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح۔ دروغ کو چاہے جتنا فروغ ہو جائے جب تک وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی ہے) کے احکام یزدانی موجود و محفوظ ہیں۔ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اور یہ بینات لا سنۃ اللہ تبدیلا میں داخل ہیں۔ صرف مذہبی دلائل اور عقائد ہی اسکی تصدیق و توثیق نہیں کرتے۔ بلکہ اخلاقی مسائل بھی بالاتفاق اسی اصول اور کلیہ کی تائید کرتے ہیں۔ دیکھیے طوعًا اور عمدًا یہ تمام واقعات چھپائے اور مٹائے گئے۔ مگر پھر بھی ع شخصے از خانہ بروں آید و کارے بکند۔

علامہ ابوجعفر اسکانی معتزلی الملقب بہ نقیب بغدادی نے باوجود عالم اہلسنت اور اتنے بڑے سلطنت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بھی بالآخر کہہ ہی دیا۔ جیساکہ فارسی شرح نہج البلاغۃ میں فاضل معتزلی ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں:۔

نقیب (ابوجعفر) گفت ہرگاہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خون ہبار را مباح کرد از برائے ترسانیدن زینب و سقط شدن فرزند او ظاہر حال آنست کہ اگر در حیات بودے مباح می کرد خون کسے راکہ فاطمہ را ترسانید و فرزند او را ہلاک کرد۔

اب غور فرمائیے۔ نقیب صاحب نے تو چھپے ڈھکے وہ سب کچھ لکھ دیا جو شیعہ دعوے کرتے ہیں۔ ہاں انہوں نے تصریح نہیں کی کہ کس نے مارا اور کیونکر مارا۔ مگر آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جناب سیدہ کا بچہ کیسے ہلاک ہوا۔ اور پھر بھی عمومًا ہر شخص جانتا ہے کہ محسن ہے جس معصوم بچہ کی طرف اشارہ ہے وہ بچہ اُس وقت کس حالت میں تھا۔ اور جس حالت میں وہ تھا وہ کیسے ہلاک ہو سکتا تھا۔ جس طرح سے زینب کا بچہ ہبار ابن اسود کی تہدید و تخویف سے اُن کے بطن میں سقط ہو گیا اُسی طرح فاطمہ بنت رسولؐ کا بچہ بھی۔ عمر کی ضرب و تشدید سے شکم مطہر میں جاں بحق ہو گیا۔ اسی وجہ سے تو نقیب صاحب نے دونوں واقعات میں مساوات قائم کی ہے۔ اب اس سُنّی عالم کی تحریری اقرار کو شیعوں کے مختار سے ملائیے تو سر مو فرق نہیں پائیگا ہاں اس نے کسی مجرم کا نام نہیں لکھا اور واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں کی ہے۔ مگر دنیا اُس کی مجبوریوں کو خوب جانتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ان واقعات کو پوری تفصیل و تشریح سے کیسے لکھ سکتا تھا۔ ہزاروں مصیبتیں اس کے پیچھے لگی تھیں۔ سیکڑوں بلائیں اُس کا دامن پکڑے تھیں مذہب ملت کی تاکید و تقلید الگ تھی۔ سلطنت و حکومت کی تہدید و تشدید الگ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اس معتزلی عالم نے اس واقعہ کو اپنے مختار و عقائد کے اظہار و اعلان کی غرض سے نہیں بیان کیا ہے بلکہ محض اتفاقی طور پر بسبیل ذکر مساوات واقعات اور اس واقعہ کے حق اور سچے ہونے کے جذبات نے بیساختہ اُس کی زبان پر جاری کرا دیا تھا۔ کیونکہ اس میں اگر ذرا بھی حقیقت اور معرفت بالقلب کا جزو ہوتا تو وہ اپنے شاگرد ابن ابی الحدید کو جیسا وہ تحریر کرتے ہیں اس کی نقل و ذکر سے منع نہ فرماتے اور اس کی تصدیق و توثیق میں تامل و توقف کا اظہار نہ کرتے۔ اس توقف اور تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی اظہار ہے نہ قلبی اقرار۔ ایک محض عارضی اور فوری احساس تھا۔ جو تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر غائب۔ ہم اتنا بھی ان حضرات سے بجد غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سچے دعووں کی کامل صداقت۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ شیعہ روایت میں استغاثہ جناب فاطمہؑ کی حالت و کیفیت لکھی ہے۔ اب اس کی مطابقت بھی سُنّی مرویات سے ضروری ہے۔ امام جوہری نے اپنی کتاب السقیفہ میں اسکے متعلق روایتیں

ان حضرات سے صحیح واقعات کے لکھنے اور بیان کرنیکی امید رکھنا بالکل بیکار۔ چہ جائیکہ وہ واقعات جو سراسر انکے مدعا کے مخالف اور نقیض ہیں۔ مگر باایں ہمہ۔ ہمارا یقین ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے کہ حق کوئی حالت ہو اور کوئی صورت۔ جب تک وظہر الحق واکثرھم للحق کارھون (حق ظاہر ہوگیا اور بہت لوگ اُس سے کراہت کرتے ہی رہے) کا ارشاد ربانی نصِ قرآنی کی صورت میں باقی ہے کبھی چھپ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح۔ دروغ کو چاہے جتنا فروغ ہوجائے۔ جب تک وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی ہے) کے احکام یزدانی موجود و محفوظ ہیں۔ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اور یہ بیّنات لا سنۃ اللہ تبدیلا میں داخل ہیں۔ صرف مذہبی دلائل اور عقائد ہی اسکی تصدیق و توثیق نہیں کرتے۔ بلکہ اخلاقی مسائل بھی بالاتفاق اسی اصول اور کلیہ کی تائید کرتے ہیں۔ دیکھیے طوعاً اور عمداً یہ تمام واقعات چھپائے اور مٹائے گئے۔ مگر پھر بھی ع شخصے از فانہ بر دل آید و کارے بکند۔

علامہ ابوجعفر اسکافی معتزلی الملقب بہ نقیب بغدادی نے باوجود عالم اہلسنت اور اتنے بڑے سلطنت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بھی بالآخر کہہ ہی دیا۔ جیسا کہ فارسی شرح نہج البلاغۃ میں فاضلِ معتزلی ابنِ ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں:۔

نقیب (ابوجعفر) گفت ہرگاہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خون ہبار را مباح کرد از برائے ترسانیدنِ زینب و سقط شدنِ فرزندِ او ظاہر حال آنست کہ اگر در حیات بودے مباح می کرد خون کسے راکہ فاطمہ را ترسانید و فرزندِ اورا ہلاک کرد۔

اب غور فرمائیے۔ نقیب صاحب نے تو چھپے ڈھکے وہ سب کچھ لکھ دیا جو شیعہ دعوے کرتے ہیں۔ ہاں انہوں نے تصریح نہیں کی کہ کس نے مارا اور کیونکر مارا۔ مگر آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جنابِ سیدہ کا بچہ کیسے ہلاک ہوا۔ اور پھر بھی عموماً ہر شخص جانتا ہے کہ معصوم بچہ کی طرف اشارہ ہے وہ بچہ اُس وقت کس حالت میں تھا۔ اور جس حالت میں وہ تھا وہ کیسے ہلاک ہوسکتا تھا۔ جس طرح سے زینب کا بچہ ہبار ابن اسود کی تہدید و تخویف سے اُن کے بطن میں سقط ہوگیا اُسی طرح فاطمہ بنتِ رسولؐ کا بچہ بھی۔ عمر کی ضرب و تشدید سے شکمِ مطہر میں جاں بحق ہوگیا۔ اسی وجہ سے تو نقیب صاحب نے دونوں واقعات میں مساوات قائم کی ہے۔ اب اس سُنّی عالم کی تحریری اقرار کو شیعوں کے مختار سے ملائیے تو سرِ مو فرق نہیں پائیگا ہاں اس نے کسی مجرم کا نام نہیں لکھا اور واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں کی ہے۔ مگر دنیا اُس کی مجبوریوں کو خوب جانتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ان واقعات کو پوری تفصیل و تشریح سے کیسے لکھ سکتا تھا۔ ہزاروں مصیبتیں اُس کے پیچھے لگی تھیں۔ سیکڑوں بلائیں اُس کا دامن پکڑے تھیں۔ مذہب ملت کی تاکید و تقلید الگ تھی۔ سلطنت و حکومت کی تہدید و تشدید الگ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اس معتزلی عالم نے اس واقعہ کو اپنے مختار و عقائد کے اظہار و اعلان کی غرض سے نہیں بیان کیا ہے بلکہ محض اتفاقی طور پر بسبیلِ ذکر مساوات واقعات اور اس واقعہ کے حق اور سچے ہونے کے جذبات نے بیساختہ اُس کی زبان پر جاری کرا دیا تھا۔ کیونکہ اس میں اگر ذرا بھی حقیقت اور معرفت بالقلب کا جزو ہوتا تو وہ اپنے شاگرد ابن ابی الحدید کو جیسا وہ تحریر کرتے ہیں اس کی نقل و ذکر سے منع نہ فرماتے اور اس کی تصدیق و توثیق میں تامّل و توقف کا اظہار نہ کرتے۔ اس توقف اور تامّل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی اظہار ہے نہ قلبی اقرار۔ ایک محض عارضی اور فوری احساس تھا۔ جو تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر غائب۔ ہم اتنا بھی ان حضرات سے بیحد غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سچے دعووں کی کامل صداقت۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ شیعہ روایت میں استغاثۂ جناب فاطمہؑ کی حالت و کیفیت لکھی ہے۔ اب اس کی مطابقت بھی سُنّی مرویات سے ضروری ہے۔ امام جوہری نے اپنی کتاب السقیفہ میں اسکے متعلق دو ایک

کھڑے ہو۔ علیؑ نے کھڑے ہونے سے انکار کیا۔ تب عمر پر اُنہوں نے حملہ کیا۔ اور عمر نے اُس کو ویسا ہی دفع کیا جیسا زبیر کو۔ اور پھر علیؑ کو باہر نکال لائے۔ اور فاطمہؑ نے جو کچھ ان دونوں شخصوں کے ساتھ کیا گیا تھا سب دیکھا۔

مرقومۂ بالا عبارت امام ابوبکر احمد ابن عبد العزیز جوہری کی کتاب السقیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور ہم نے علامہ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کی ہے۔ اسی ایک روایت سے مشاجرت بین الصحابہ واہل البیت۔ اہانتِ جنابِ سیدہؑ و حضرت علی مرتضٰی علیہ التحیۃ والثنا اور اُن پر خلیفہ صاحب کے مظالم وتشدد اور پورے طور سے معلوم ہو گئے۔ اس کو پڑھکر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ انتہا درجہ کی اہانت۔ تہدید۔ تخویف اور تشدید نہیں کی۔ اُن کو مارا بھی اور قید بھی کیا۔ سب کچھ کر گئے۔ مگر تاہم مشاجرت ثابت نہیں ہوتی۔ اب اس صریح جہالت کا کیا علاج ہے۔ اپنے قلم سے آپ حضرات وہی حالات لکھ جائیں تو کچھ نہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص اُنہی حالات کو لکھدے تو قیامت ہو جائے۔

اب رہا یہ امر کہ جس تفصیل سے شیعہ لکھتے ہیں اُس تفصیل سے اس عبارت میں ذکر نہیں کیا گیا ہے تو یہ زبردستی کی فرمائش ہے۔ ہم اس کا سبب اوپر لکھ آئے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ سُنّی علماء کیسے لکھ سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ مُنہ پر کفِ لسان اور قلوب پر تو استخفافِ حق کی مہریں لگی ہوئی ہیں مگر تاہم خود۔ ایک بار نہیں بار بار۔ بالاخلاص ہو یا بالاتفاق۔ اشارات میں ہو یا کنایات میں۔ ان واقعات کو لکھ چکے اور اقرار کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی مرقومۂ بالا بحث مطابقت میں دکھلا آئے ہیں۔ اب اسی مشاجرت کو دیکھیے۔ اس معاملۂ مشاجرت کو باہمی موافقت بنانے کے لیے کیسی کیسی کوششیں کی گئیں۔ صفحے کے صفحے۔ دفتر کے دفتر لکھڈالے گئے اور حتی الامکان اُس کو خوب چھپایا گیا۔ مٹایا گیا اور گھٹایا گیا۔ مگر پھر بھی۔ چونکہ حقیقت تھی اور اصلیت اس لیے اتنی کوشش اور مدّت کے بعد بھی اُنہی کی کتابوں میں یہ واقعات ابھی تک زندہ اور موجود چلے آتے ہیں۔

شیعوں نے لکھا ہے کہ ابوبکر صاحب نے خالد ابن ولید کو علیؑ کے قتل کا حکم دیا۔ سُنّی علما اس سے قطعی انکار کرتے ہیں کتابیں دیکھیے تو معلوم ہو جائے کہ اکیلے شیعہ لوگ نہیں کہتے۔ بلکہ آپ حضرات بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ دیکھیے اس بحث میں ہم ابو الفدا کی عبارت نقل کر آئے ہیں۔ اُس میں حضرت ابوبکر کا حکم صاف صاف ان لفظوں میں لکھا ہوا ہے ان ابوا علیک فقاتلھم۔ اگر وہ تم سے انکار کریں تو تم اُنہیں قتل کر دو۔ چلیے علیؑ پر کیا منحصر ہے۔ صورتِ واقعہ سے جو جو حضرات اُس وقت خانۂ فاطمہؑ میں موجود تھے اُن سب کے لیے یہ حکم عام ہے۔ اب فرمایئے شیعوں پر اس کی تخصیص کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ خالد کا نام لیتے ہیں اور اس روایت میں تو عمر کا نام دکھائی دیتا ہے تو یہ کوئی بحث نہیں ہے کیونکہ اصلی اجرائے حکم سے مدعا ہے۔ نہ کسی شخص خاص کے نام سے۔ اور اگر اسی پر اصرار ہے کہ اُن کا نام نہیں تو پھر ابو الفدا کو چھوڑ کر امام جوہری کی سقیفہ والی کتاب اُٹھایئے اور اُس میں اُسی عبارت اور واقعہ کو ملاحظہ فرمایئے جو ابھی ابھی ہم دو صفحے اوپر اس کے لکھ چکے ہیں۔ تو آپ کو انکی مداخلت کی پوری کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کے مزید اطمینان کے لیے ہم پھر اُتنی عبارت کو دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

سال ابوبکر فقال ابن الزبیر قیل عند علی وقد تقلّد سیفہ فقال قم یا عمر قم یا خالد ابن الولید انطلقا حتی تاتیانی بھما فانطلقا فدخل عمر وقام خالد علی باب البیت من خارج۔

ابوبکر نے پوچھا زبیر کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا علیؑ کے پاس ہیں۔ اور تلوار باندھے ہیں۔ ابوبکر نے کہا اے عمر اُٹھو اور اے خالد ابن ولید اُٹھو۔ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ بس یہ دونوں آدمی اُٹھے۔ عمر تو گھر میں داخل ہو گئے۔ اور خالد باہری دروازے پر کھڑے رہے۔

بپھر فرمایئے۔ اس عبارت سے تو ابوبکر خالد کو نام لیکر بھیجنا ثابت

کھڑے ہو۔ علیؓ نے کھڑے ہونے سے انکار کیا۔ تب عمر پر اُنہوں نے حملہ کیا۔ اور عمر نے اُس کو ویسا ہی دفع کیا جیسا زبیر کو۔ اور پھر علیؓ کو باہر نکال لائے۔ اور فاطمہؑ نے جو کچھ ان دونوں شخصوں کے ساتھ کیا گیا تھا سب دیکھا۔

مرقومۂ بالا عبارت امام ابوبکر احمد ابن عبد العزیز جوہری کی کتاب السقیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور ہم نے علامہ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کی ہے۔ اسی ایک روایت سے مشاجرت بین الصحابہ واہل البیت۔ اہانت جناب سیدہؑ و حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا اور اُن پر خلیفہ صاحب کے مظالم و شدائد پورے طور سے معلوم ہو گئے۔ اس کو پڑھکر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ انتہا درجہ کی اہانت۔ تہدید۔ تخویف اور تشدید نہیں کی۔ اُن کو مارا بھی اور قید بھی کیا۔ سب کچھ کر گئے۔ مگر تاہم مشاجرت۔ ثابت نہیں ہوتی۔ اب اس صریح جہالت کا کیا علاج ہے۔ اپنے قلم سے آپ حضرات وہی حالات لکھ جائیں تو کچھ نہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص انہی حالات کو لکھدے تو قیامت ہو جائے۔

اب رہا یہ امر کہ جس تفصیل سے شیعہ لکھتے ہیں اُس تفصیل سے اس عبارت میں ذکر نہیں کیا گیا ہے تو یہ زبردستی کی فرمائش ہے۔ ہم اس کا سبب اوپر لکھ آئے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ سُنی علماء کیسے لکھ سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ مُنہ پر کف لسان اور قلوب پر تو استخفاف حق کی مہریں لگی ہوئی ہیں مگر تاہم خود۔ ایک بار نہیں بار بار۔ بالاخلاص ہو یا بالاتفاق۔ اشارات میں ہو یا کنایات میں۔ ان واقعات کو لکھ چکے اور اقرار کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی مرقومۂ بالا بحث مطابقت میں دکھلا آئے ہیں۔ اب اسی مشاجرت کو دیکھیے۔ اس معاملۂ مشاجرت کو باہمی موافقت بنانے کے لیے کیسی کیسی کوششیں کی گئیں۔ صفحے کے صفحے۔ دفتر کے دفتر لکھڈالے گئے اور حتے الامکان اُس کو خوب چھپایا گیا۔ مٹایا گیا اور گھٹایا گیا۔ مگر پھر بھی۔ چونکہ حقیقت تھی اور اصلیت اس لیے اتنی کوشش اور مدت کی بعد بھی اُنہی کی کتابوں میں یہ واقعات ابھی تک زندہ اور موجود چلے آتے ہیں۔

شیعوں نے لکھا ہے کہ ابوبکر صاحب نے خالد ابن ولید کو علیؑ کی قتل کا حکم دیا۔ سُنی علماء اس سے قطعی انکار کرتے ہیں کتابیں دیکھیے تو معلوم ہو جائے کہ اکیلے شیعہ ہی نہیں کہتے۔ بلکہ آپ حضرات بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ دیکھیے اس بحث میں ہم ابو الفدا کی عبارت نقل کر آئے ہیں۔ اُس میں حضرت ابوبکر کا حکم صاف صاف ان لفظوں میں لکھا ہوا ہے ان ابوا علیک فقاتلھم۔ اگر وہ تم سے انکار کریں تو تم اُنہیں قتل کر دو۔ چلیے علیؑ پر کیا منحصر ہے۔ صورت واقعہ سے جو جو حضرات اُس وقت خانۂ فاطمہؑ میں موجود تھے اُن سب کے لیے یہ حکم عام ہے۔ اب فرمائیے شیعوں پر اس کی تخصیص کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ خالد کا نام لیتے ہیں اور اس روایت میں تو عمر کا نام دکھائی دیتا ہے تو یہ کوئی بحث نہیں ہے کیونکہ اصلی اجرائے حکم سے مدعا ہے۔ نہ کسی شخص خاص کے نام سے۔ اور اگر اسی پر اصرار ہے کہ اُن کا نام نہیں تو پھر ابو الفدا کو چھوڑکر امام جوہری کی سقیفہ والی کتاب اُٹھائیے اور اُس میں اُسی عبارت اور واقعہ کو ملاحظہ فرمائیے جو ابھی ابھی ہم دو صفحے اوپر اس کے لکھ چکے ہیں۔ تو آپ کو انکی مداخلت کی پوری کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کے مزید اطمینان کے لیے ہم پھر اُتنی عبارت کو دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

سال ابوبکر فقال ابن الزبیر قیل عند علی وقد تقلد سیفہ فقال قم یا عمر قم یا خالد ابن الولید انطلقا حتی تاتیانی بھما فانطلقا فدخل عمر وقام خالد علی باب البیت من خارج۔

ابوبکر نے پوچھا زبیر کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا علیؑ کے پاس ہیں۔ اور تلوار باندھے ہیں۔ ابوبکر نے کہا اے عمر اُٹھو اور اے خالد ابن ولید اُٹھو۔ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ پس یہ دونوں آدمی اُٹھے۔ عمر تو گھر میں داخل ہو گئے۔ اور خالد باہری دروازے پر کھڑے رہے۔

فرمائیے۔ اس عبارت سے تو ابوبکر خالد کو نام لیکر بھیجنا ثابت

ے آپ کا یہ خطبہ نقل کرتے ہیں :-

خطبة فاطمة فانها من محاسن الخطب وبدايعها عليها
مسحة من نور النبوة وفيها عبقة من ارج الرسالة
وقد اورد الموالف والمخالف ونقلتها من كتاب
السقيفة عن عمر ابن شبة تاليف ابي بكر احمد ابن
عبد العزيز الجوهري من نسخة قديمة مقروءة
على موتفها المذكور قرئت عليه في ربيع الاخر سنة
اثنين وعشرين وثلثمائة روى عن رجاله من عدة
طرق - ان فاطمة ع لما بلغها اجماع ابي بكر على منعها
فدك لاثت خمارها واقبلت في لمة من حفدتها و
نساء قومها تجر ذراعها وفطاء ذيولها ماتخرم مشيتها
من مشية رسول الله صلعم حتى دخلت على ابي بكر
وقد حشد المهاجرين والانصار فضرب بينهم
بريطة بيضاء وقيل قبطية فانت انة اجهش لها
القوم بالبكاء ثم امهلت طويلا حتى سكنوا من
فورتهم ثم قالت ابتدی بحمد من هو اولى بالحمد
والطول والمجد .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على ما انعم وله الشكر على ما الهم والثناء
بما قدم من عموم نعم ابتداها وسبوغ الاء اسداها
واحسان منن اولاها جم عن الاحصاء عددها و
نای عن المجازاة ابدها وتفاوت عن الادراك امدها
واستتب الشكر بفضائلها واستخذ الخلق بانزالها و
استحمد الخلائق باجزالها وامر بالندب الى امثالها و
اشهد ان لا اله الا الله كلمة جعل الاخلاص تاويلها
وضمن القلوب موصولها وبان في الفكر معقولها الممتنع
من الابصار رويته ومن الالسن صفته ومن الاوهام
الاحاطة به ابدع الاشياء لا من شئ كان قبلها وانشاها
بلا احتذاء امثلة وسمها بغير فائدة مازادته
الا اظهار لقدرته وتعبيد البرية واعزاز لاهل
دعوته ثم جعل الثواب لاهل طاعته ووضع العقاب

على اهل معصيته زيادة لعبادة عن نقمته وحياشة
لهم الى جنته واشهد ان ابي محمدا عبده ورسوله
اختاره ان يجتباه واصطفاه قبل ان ابتعثه و
سماه قبل ان استجبه اذ الخلائق بالغيب مكنونة
وبستر الاهاويل مصونة وبنهاية العدم مقرونة
علما منه بمائل الامور واحاطة بحوادث الدهور
ومعرفة منه بمواقع المقدور ابتعثه اتماما لامره
وعزيمة على امضاء حكمه وانفاذا لمقادير حتمه
فراى الامم فرقا في اديانها عكفا على نيرانها منكرة
لله مع عرفانها فانار الله بابي ظلمها وفرج عن القلوب
بهمها وجلا عن الابصار غممها ثم قبضه الله اليه قبض
رافة واختيار رغبة بمحمد عن تعب هذه الدار
موضوعا عنه اعباء الاوزار محفوفا بالملائكة الابرار
ورضوان رب الغفار وجوار الملك الجبار فصلى الله
على امينه على الوحي وخيرته من الخلق ورضيه
ورحمة الله وبركاته - ثم قالت وانتم عباد الله
نصب امره ونهيه وحملة كتاب الله ووحيه وامناء
الله على انفسكم وبلغائه الى الامم حق لكم الله فيكم
عهد قدمه اليكم وبقيه استخلفها عليكم كتاب بينة
بصائره منكشفة سرائره وبرهان فينا متجلية
ظواهره مديما للبرية استماعه قائد الى الرضوان
اتباعه ومؤديا الى النجاة اشياعه فيه تبيان حجج الله
المنيرة ومواعظه المذكورة ومحارمه المحذورة و
احكامه الكافية وبيناته الجالية وجملة الكافية
وشرائعه المكتوبة ورخصه الموهوبة ففرض الله الايمان
تطهيرا لكم من الشرك والصلوة تنزيها لكم من
الكبر والزكوة تزئيدا في الرزق والصيام تثبيتا
للاخلاص والحج تشئيدا للدين والعدل تنسيقا
للقلوب وطاعتنا نظاما للملة وامامتنا امانا من
الفرقة وحبنا عزا للاسلام والصبر معونة على [illegible]
والامر بالمعروف مصلحة للعامة والبر [illegible]

من السخط وصلة الارحام منساة فی العمر منماة للعدد
القصاص حقنا بالدماء والوفاء بالنذر تعریضا
للمغفرة وتوفیة الموازین والمکاییل تغییر اللبخسة
واجتناب قذف المحصنات حجابا من اللعنة والانتهاء
من شرب الخمور تنزیها من الرجس ومجانبة السرقة
ایجابا للعفة والتنزه عن اکل اموال الایتام و
الاستیثار بفیئهم اجارة من الظلم والعدل فی
الاحکام ایناسا للرعیة والتبری بالشرك اخلاصا
للربوبیة واتقوا الله حق تقاته واطیعوا فیما امرکم
به فانما یخشی الله من عباده العلماء ثم قالت
ایها الناس اعلموا انی فاطمة وابی محمد اقول عودا
علی بدء اقول ذلك سرفا ولا شططا ثم قالت
لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم
حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم فان تعزوه
تجدوه ابی دون نسائکم واخا ابن عمی دون
رجالکم فبلغ النذارة صادعا بالرسالة ناکبا عن
سنن مدرجة المشرکین ضاربا ثبجهم اخذا
باکظامهم داعیا الی سبیل ربه بالحکمة الموعظة
الحسنة یجذ الاصنام وینکت الهام حتی انهزم الجمع و
ولوا الدبر حتی تفری اللیل عن صبحه واسفر الحق عن محضه
ونطق زعیم الدین وخرست شقاشق الشیاطین وفهتم
بکلمة الاخلاص مع النفر البیض الخماص الذین اذهب
الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا وکنتم علی شفا حفرة
من النار فانقذکم منها نهزة الطامع و
قبسة العجلان موطاء الاقدام تشربون الطرق وتقتاتون
القد اذلة خاسئین تخافون ان یتخطفکم الناس من حولکم
فانقذکم الله سبحانه بعد اللتیا والتی وبعد ان
منی علیهم الرجال وذؤبان العرب کلما حشوا نارا
للحرب اطفاها الله او نجم قرن الضلالة وفغرت
فاغرة من المشرکین قذفت اخاه فی لهواتها فلا
ینکفی حتی یطأ صماخها باخمصه ویخمد لهبها

بسیفه وکدودا فی ذات الله مجتهدا فی امر الله
قریبا من رسول الله سید اولیاء الله مشمرا ناصحا
مجدا کادحا وانتم فی رفاهیة وادعون امنین
تتوکفون الاخبار وتنکصون عند النزال فلما اختار
الله لنبیه دار انبیائه واتم علیه ما وعده ظهرت
حسیکة النفاق وسمل جلباب الاسلام فنطق کاظم
ونبغ خامل وهدر فنیق الکفر یخطر فی عرصاتکم
فاطلع الشیطان راسه من مغرزه هاتفا بکم فوجد
لدعائه مستجیبین وللعزة ملاحظین واستنهضکم
فوجدکم خفافا واحمشکم فالفاکم غضابا هذا والعهد
قریب والکلم رحیب والجرح لما یندمل فوسمتم غیر
ابلکم واوردتموها شربا لیس لکم والرسول لما
یقبر بدارا زعمتم خوف الفتنة الا فی الفتنة
سقطوا وان جهنم لمحیطة بالکافرین فهیهات منکم
وکیف بکم وانی تؤفکون وکتاب الله جل وعز بین
اظهرکم قائمة فرائضه واضحة دلائله نیرة
شرائعه زواجره واضحة واوامره لائحة ارغبة عنه
بئس للظالمین بدلا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا
فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین هذا
ثم لم ترجوا ریثا وقال بعضهم هذا ولم تربثوا
اختها الاریث ان تسکن نفرتها ویسلس قیادها
ثم اخذتم تسرون حسوا فی ارتغاء ونصبر منکم علی
مثل حز المدی ثم انتم تزعمون ان لا ارث الیه
افعلی عمد ترکتم کتاب الله ونبذتموه وراء ظهورکم
بقول الله عز وجل ثناؤه وورث سلیمان داود ومما
اقتص من خبر یحیی بن زکریا اذ قال رب هب لی من
لدنك ولیا یرثنی ویرث ال یعقوب واجعله رب
رضیا وقال تبارك وتعالی یوصیکم الله فی اولادکم
للذکر مثل حظ الانثیین فزعمتم ان لا حظ لی ولا
ارث لی من ابی افحکم الله بایة اخرج ابی منها ام
تقولون اهل ملتین لا یتوارثان ام انتم اعلم

من السخط وصلة الارحام منساة فی العمر منماة للعدد
القصاص حقنا بالدماء والوفاء بالنذر تعریضا
للمغفرة وتوفیه الموازین والمکاییل تغییر البخسة
واجتنا بقذف المحصنات حجابا من اللعنة الا نہا
من شرب الخمور تنزیہا من الرجس ومجانبة السرقة
ایجابا للعفة والتنزہ عن اکل اموال الایتام و
الاستیثار بفیئہم اجارة من الظلم والعدل فی
الاحکام ایناسا للرعیة والتبری بالشرك اخلاصا
للربوبیة واتقوا الله حق تقاته واطیعوا فیما امرکم
به فانما یخشی الله من عبادہ العلماء ثم قالت
ایہا الناس اعلموا انی فاطمة وابی محمد اقول عودا
علی بدء اقول ذلك سرفا ولا شططا ثم قالت
لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم
حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم فان تعزوه
تجدوہ ابی دون نسائکم واخا ابن عمی دون
رجالکم فبلغ النذارة صادعا بالرسالة ناکبا عن
سنن مدرجة المشرکین ضاربا ثبجهم آخذا
باکظامهم داعیا الی سبیل ربه بالحکمة والموعظة
الحسنة یجذ الاصنام وینکت الهام حتی انهزم الجمع و
ولوا الدبر حتی تفرّ اللیل عن صبحه واسفر الحق عن محضه
ونطق زعیم الدین وخرست شقاشق الشیاطین وفهتم
بکلمة الاخلاص مع النفر البیض الخماص الذین اذهب
الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا وکنتم علی شفا حفرة
من النار فانقذکم منها نهزة الطامع و
قبسة العجلان وموطاء الاقدام تشربون الطرق وتقتاتون
القد اذلة خاسئین یتخطفکم الناس من حولکم
فانقذکم الله بنبیه بعد اللتیا والتی وبعد ان
منی علیهم الرجال وذؤبان العرب کلما حشوا نارا
للحرب اطفاها الله او نجم قرن الضلالة او فغرت
فاغرة من المشرکین قذف اخاه فی لهواتها فلا
ینکفی حتی یطاء صماخها باخمصه ویخمد لهبها

بسیفه وکدودا فی ذات الله مجتهدا فی امر الله
قریبا من رسول الله سید اولیاء الله مشمرا ناصحا
مجدا کادحا وانتم فی رفاهیة وادعون آمنین
تتوکفون الاخبار وتنکصون عند النزال فلما اختار
الله لنبیه دار انبیائه واتم علیه ما وعدہ ظهرت
حسیکة النفاق وسمل جلباب الاسلام فنطق کاظم
ونبغ خامل وهدر فنیق الکفر یخطر فی عرصاتکم
فاطلع الشیطان راسه من مغرزها هاتفا بکم فوجدکم
لدعائه مستجیبین وللعزة ملاحظین واستنهضکم
فوجدکم خفافا واحمشکم فالفاکم غضابا هذا والعهد
قریب والکلم رحیب والجرح لما یندمل فوسمتم غیر
ابلکم واوردتموها شربا لیس لکم والرسول لما
یقبر مبادرا زعمتم خوف الفتنة الا فی الفتنة
سقطوا وان جهنم لمحیطة بالکافرین فهیهات منکم
وکیف بکم وانی تؤفکون وکتاب الله جل وعز بین
اظهرکم قائمة فرائضه واضحة دلائله نیرة
شرائعه زواجرہ واضحة واوامرہ لائحة ارغبة عنه
بئس للظالمین بدلا ومن یتبع غیر الاسلام دینا
فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین هذا
ثم لم تریثوا وقال بعضهم هذا ولم تریثوا
اختها الاریث ان تسکن نفرتها ویسلس قیادها
ثم اخذتم تسرون حسوا فی ارتغاء ونصبر منکم علی
مثل حز المدی ثم انتم تزعمون ان لا ارث الیه
افعلی عمد ترکتم کتاب الله ونبذتموہ وراء ظهورکم
بقول الله عز وجل ثناؤہ وورث سلیمان داود معا
اقتص من خبر یحیی بن زکریا اذ قال رب هب لی من
لدنك ولیا یرثنی ویرث آل یعقوب واجعله رب
رضیا وقال تبارك وتعالی یوصیکم الله فی اولادکم
للذکر مثل حظ الانثیین فزعمتم ان لا حظ لی ولا
ارث لی من ابی افحکم الله بآیة اخرج ابی منها ام
تقولون اهل ملتین لا یتوارثان ام انتم اعلم

اس کو ایک قدیم نسخہ سے نقل کیا تھا۔ اور نقل کرنے کے بعد
اس کو بالتمامہ مؤلف (عمر ابن شیبہ) کو پڑھکر سُنا دیا تھا۔
اور یہ اُنہوں نے ربیع الآخر ۳۲۲ھ ہجری میں پڑھکر سُنایا تھا۔
اور اس کو اپنے رجال کی اسناد سے متعدد طریقوں میں بیان
کیا ہے۔ کہ جب جناب فاطمہؑ کو ابوبکر کے منع میراث کی خبر ملی
تو آپ نے چادر کا آنچل ڈالا اور سر سے پاؤں تک جسمِ مطہر
کو چھپایا۔ اور اپنے عزیز۔ رفیق اور لونڈیوں کی جماعت کے
ساتھ مسجد کی طرف رُخ کیا۔ ردائے مبارک لٹکتی جاتی تھی اور
پائے مبارک لغزش کرتے جاتے تھے۔ اُس وقت آپ کی
رفتار اور رسولِ خدا صلعم کی رفتار میں سر مو فرق نہیں تھا۔
یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس پہنچیں۔ وہ مہاجر و انصار کے
ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ کے اور حاضرین کے درمیان چادر کا
پردہ تان دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قبطی تھا۔ سیدہؑ نے ٹھنڈی
سانس بھری۔ اُس مجمع میں سب رونے لگے۔ آپ خموش
رہیں۔ یہاں تک کہ سب چُپ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اُس خدا کی تعریف کے ساتھ ابتدا کرتی ہوں جو ہر تعریف
کے شایاں ہے بخشش و بزرگی جس کی شان ہے۔ ان گوناگوں
نعمتوں کے لیے وہی لائق ستائش ہے جس نے اُن کو عطا
فرمایا ہے۔ اور تمام بھلائیوں کے لیے وہی سزاوارِ شکر ہے۔
جس نے ہمارے دلوں میں بھلائیوں کو ڈالا ہے۔ اُس کی
تعریف ہے اُن تمام نعمتوں کے لیے جس نے اُن کو ہمیشہ نت نیا
بنا رکھا ہے۔ اور نیز اُن اچھے احسانوں کے لیے قابلِ مدح و
ثنا ہے جنہیں اُس نے ہم پر مبذول فرمایا ہے اور اُن کو
حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اُس کے احسانوں کی گنتی گنتی
میں نہیں آسکتی۔ اور کسی شے کی زیادتی اُسکی کثرت اور زیادتی
کو نہیں پاسکتی۔ اُس کی انتہا امکان سے باہر ہے۔ اُس کے
ادائے حقوق سے ندامت اور مجبوری ہے۔ جس کے نازل
ہونے کے لیے خدا سے ساری خدائی گڑگڑاتی ہے اور علیحدہ
علیحدہ احسانات کا برابر سہرا لگاتی چلی آئی ہے۔ خدا نے ان
احسانات و انعامات کا مشتاق رہنے اور امیدوار رکھنے کا بھی
حکم فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ویسی ہی ان احسانات کو بھی سب
پر مقدم فرمایا ہے۔ اور میں تم لوگوں سے سچ کہتی ہوں کہ
کوئی خدا نہیں ہے مگر وہی خدا جو یکتا ہے اور جو اپنا شریک
نہیں رکھتا۔ جس نے کلمۂ وحدت کو اپنی معرفت بتلایا ہے
اور عطائے جزا و سزائے قلوب کے لیے اپنی ذات کو ضامن
ٹھیرایا ہے۔ اُس کی دلیلوں کو روشن فرمایا ہے۔ وہی خدا ہے
جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ جس کے بیان اوصاف پر کوئی
زبان قادر نہیں۔ خیال و گمان اُسکا احاطہ نہیں کرسکتا۔ خدا
نے تمام چیزیں بنائی ہیں اور اپنی خاص ایجاد سے خلق فرمائیں
نہ ایسے کہ اپنے قدیم سے اُسکو سیکھا ہو یا اُس میں کسی کی نقل و
تقلید کی ہو۔ اُس نے اُن کو اپنے نفع یا فائدہ کے لیے نہیں بنایا
سوائے اس کے کہ انکی ایجاد سے اظہارِ قدرت منظور تھا کہ اُنکو
دیکھکر بندے فرمانبردار رہوں۔ اور بندوں کی عزت بڑھ جائے
اس کے بعد خدا نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے ثواب بنایا اور
نافرمانبرداروں کے لیے عذاب۔ اور یہ فرمانبرداروں کو عذاب
سے بچانے اور بہشت میں لیجانے کی غرض سے۔ ایہا الناس!
میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدرِ عالی مقدار محمد
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے بندے اور اُسکے پیغمبر ہیں۔
خدا نے روزِ اوّل سے اُن کو پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا تھا
اور پیغمبری دینے سے پہلے اُن کو بہترینِ عالم قرار دیا تھا۔ اور
ایجادِ نبوت سے پیشتر اُن کو منصب نبوّت کے لیے نامزد فرمایا
تھا اور یہ امور اُس کی مشیت و ارادے میں پہلے ہی تکمیل
پاچکے تھے۔ جب تمام خدائی غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی تھی
اور نہایت دشوار گزار راستوں میں اٹکی ہوئی نیستی کی حد و
تک پہنچی ہوئی تھی۔ خدا نے نظامِ دنیا کو خوب جانکر اور اُسکی
ضرورتوں کو پہچانکر اپنا حکمِ ناطق جاری فرمانے کی غرض سے
میرے پدرِ بزرگوار کو اپنا پیغمبر اور اپنا نبی بنایا اور اپنی لاانتہا
حکمت اور اعلائے حق کی غرض سے اُن کو خلعتِ رسالت
پہنایا۔ اُنہوں نے عبرتگاہِ دنیا میں آکر تمام لوگوں اور انبیائے قدیم
کی اُمتوں کو بیجان بتوں کی پوجا اور پرستش سے لولگائے ہوئے
اور آگ کے الاؤ کے گرد دھونی رمائے ہوئے اور خدا سے گیا

کی طرف سے مُنہ پھرائے ہوئے۔ مشاہدہ فرمایا۔ تو اُس خدائے تعالیٰ
نے اس بزرگوار کی وجہ سے اندھیریوں کو اُجالا بنایا۔ اور اہلِ امت
کے تاریک دلوں سے وہم و شک وغیرہ کے پردوں کو ہٹایا۔ اور
ان کی آنکھوں سے حجاب کو دور کیا۔ پھر جب میرے پدر بزرگوار
کا دل تماشہ گاہِ دنیا کی طرف سے گھبرا گیا تو اُنھی کی رضا و
خوشنودی کے مطابق اُن کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور فرشتگانِ رحمت
کے حلقہ میں بٹھلا لیا۔ اور اپنی رضا و خوشنودی سے سرفراز
کیا۔ اور اپنے سایہ میں بسایا۔ خدا کی رحمت ہو وحیِ خدا کے امانتدار
اور تمام زمانہ کے سردار پر۔ اے خدا کے بندو تم ہی اوامر و نواہی
کے علم بلند کرنیوالے۔ اُس وحی کے قبول کرنیوالے۔ اُس کے حکم کو
تمام قوموں پر پہنچانے والے ہو۔ تم ہی لوگوں نے خدا سے عہد کیا
ہے جو اُس نے تم لوگوں سے لیا ہے۔ تمہارے ہی درمیان اُس کی
باقیماندہ یادگار ہے جسے اُس نے عقب چھوڑا ہے۔ خدا کی وہی
کتاب ہے جس کی بصیرتیں نمایاں ہیں۔ اور جس کی آیتوں کے راز
عیاں ہیں۔ جو ہم لوگوں (اہلبیت) کے پاس روشن دلیل اور
برہان ہیں۔ جس کے مضمون بہت صاف ہیں۔ اُس کے ظاہر
حکم نہایت صاف و شفاف ہیں جس کی موعظت ہمیشہ ہمیشہ
جاری ہے۔ اور جو بہشت بریں تک پہنچانیوالی ہے۔ اُسکی قبولیت
اور ایجاب نجات کے راستوں تک لیجانے والی ہے۔ اُس سے
خدا کی ہر روشن دلیل نمودار ہے نصیحتوں سے بھرپور ہے۔
اُس کی ممانعات سے خوف ہوتا ہے۔ اُس کا ہر حکم کافی ہے اور
شافی۔ اُس کے ان احکام کی ضیا زنگ قلوب کے زنگ کو جلا دیتی
ہے۔ جس کے کلام کی برکت ہر بیمار اور صاحب آزار کو شفا
دیتی ہے جس کی شرح مقررہ نصاب ہے جس کی اجازتیں خدا
کی مقررہ اور مجوّزہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے ایمان کو واجب کیا غرور
و سرکشی سے بچنے کے لیے زکوٰۃ کو واجب کیا تمہاری روزی کشادہ
کرنے کے لیے۔ حج کو واجب کیا خدا سے ڈرنے اور راہِ دین پر
لگانے کے لیے۔ پھر ہماری (اہلبیت کی) اطاعت و فرمانبرداری
کو واجب کیا نظامِ امت قائم کرنے کے لیے۔ ہماری پیشوائی
اور رہنمائی کو تمہارے اختلاف مٹانے اور عزتِ اسلام بڑھانے
کے لیے واجب کیا۔ صبر کا تم کو حکم دیا کہ اجابتِ دعا میں تمہیں

مدد پہنچائے۔ خیر و برکت کا تمہیں حکم دیا کہ تمہیں سب کی بھلائی
منانے کی عادت ہو۔ والدین کی نسبت نیکی کرنے کا حکم دیا کہ خدا
کے غضب سے ڈرو۔ کُنبہ پروری کا حکم دیا کہ تمہاری عمر اور تمہارا
قوم و قبیلہ کی ترقی اور زیادتی کا باعث ہو۔ اور قصاص قتل نفس
سے جو کمی واقع ہو وہ پوری ہو جائے۔ ایفائے نذر اس لیے
واجب ٹھیرائی کہ تمہاری بخشش کے قدم ایثار اور رحمت کی راہ
پر آگے بڑھیں۔ پوری تول اور ناپ کا حکم اس لیے دیا کہ کھوٹ
اور دھنگا بازی دنیا کے کاروبار سے مٹ جائے۔ ناموس اور پردہ داری
کا حکم اس لیے دیا کہ وہ تہمت اور بدکاری کے الزام سے محفوظ
رہیں۔ چوری کی امتناع ایمانداری قائم کرنے کے لیے کی گئی۔ مالِ
یتیم اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ستم رسیدہ مظلوم ظلم سے محفوظ رہیں۔
رعایا سے محبت بڑھانے کے لیے عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔
شرک سے بچنے کی تاکید خدا کو واحد جاننے کی عقیدت بڑھانے کے
لیے فرمائی گئی۔ تو اے مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اُس کے احکام
کے پابند رہو۔ اور جو بندے خدا کی معرفت سے واقف ہیں اُنکے
لیے سوائے اسکے اور کیا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے رہیں یا ایہا
الناس! میں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی۔
پھر از سرِ نو تمہیں سمجھاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میں کوئی فضول
اور بیکار بات نہیں کرتی ہوں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ تم ہی
لوگوں میں سے تمہارے پاس ایک ایسا پیغمبر جس کو تمہاری ضلالت
ناگوار اور ہدایت مطلوب تھی۔ مبعوث فرمایا گیا۔ وہ ایمانداروں
پر از حد مہربان اور رحیم تھا۔ اگر تم اُس کی نسبت اور قرابت
پر خیال کرو تو وہ میرا باپ تھا۔ نہ تمہارا۔ اور میں اُس کی لڑکی
ثابت ہوتی ہوں۔ نہ کہ تمہاری بیٹیاں۔ اُس کا بھائی میرا ابن عم
ہے۔ نہ تمہارے مرد۔ کیا خیر و برکت کے وہ بزرگوار تھے جن کے
ساتھ میری اتنی قرابتیں زندہ اور قائم ہیں۔ رسولِ خدا صلعم
نے خدا کی رسالت کو تم تک پہنچایا۔ اور اپنی نبوت کو تم پر ظاہر
فرمایا اور مشرکوں کے ساتھ معارضہ کیا۔ اُن کے قبیلوں پر تلواریں
چلائیں۔ اُن کے بتوں اور بتخانوں کو مسمار کیا۔ اُنکے سرکشوں کے
سر تلواروں سے اُڑائے اور حجج و براہینِ الٰہی اُنپر کشادہ فرمائے۔
پند و موعظت کے ذریعہ سے اُن کی تسکینِ قلوب فرمائی۔ اُن کی

کی طرف سے مُنہ پھرائے ہوئے۔ مشاہدہ فرمایا۔ تو اُس خدائے متعال نے اس بزرگوار کی وجہ سے اندھیریوں کو اُجالا بنایا۔ اور اہلِ زمانہ کے تاریک دلوں سے وہم و شک وغیرہ کے پردوں کو ہٹایا۔ اور ان کی آنکھوں سے حجاب کو دور کیا۔ پھر جب میرے پدرِ بزرگوار کا دل تماشہ گاہِ دنیا کی طرف سے گھبرا گیا تو اُنہی کی رضا و خوشنودی کے مطابق اُن کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور فرشتگانِ رحمت کے حلقہ میں بٹھلا لیا۔ اور اپنی رضا و خوشنودی سے سرفراز کیا۔ اور اپنے سایہ میں بسایا۔ خدا کی رحمت ہو وحیِ خدا کے امانتدار اور تمام زمانہ کے سردار پر۔ اے خدا کے بندو تم ہی اوامر و نواہی کے علم بلند کرنیوالے۔ اُس وحی کے قبول کرنیوالے۔ اُس کے حکم کو تمام قوموں پر پہنچانے والے ہو۔ تم ہی لوگوں نے خدا سے عہد کیا ہے جو اُس نے تم لوگوں سے لیا ہے۔ تمہارے ہی درمیان اُس کی باقیماندہ یادگار ہے جسے اُس نے عقب چھوڑا ہے۔ خدا کی وہی کتاب ہے جس کی بصیرتیں نمایاں ہیں۔ اور جس کی آیتوں کے راز عیاں ہیں۔ جو ہم لوگوں (اہلبیت) کے پاس روشن دلیل اور برہان ہیں۔ جس کے مضمون بہت صاف ہیں۔ اُس کے ظاہر حکم نہایت صاف و شفاف ہیں جس کی موعظت ہمیشہ ہمیشہ جاری ہے۔ اور جو بہشتِ بریں تک پہنچانیوالی ہے۔ اُسکی قبولیت اور ایجاب نجات کے راستوں تک لیجانے والی ہے۔ اُس سے خدا کی ہر روشن دلیل نمودار ہے۔ نصیحتوں سے بھرپور ہے۔ اُس کی منہیات سے خوف ہوتا ہے۔ اُس کا ہر حکم کافی ہے اور شافی۔ اُس کے ان احکام کی ضیا قلوب کے زنگ کو جلا دیتی ہے۔ جس کے کلام کی برکت ہر بیمار اور صاحبِ آزار کو شفا دیتی ہے۔ جس کی شرح مقررہ نصاب ہے۔ جس کی اجازتیں خدا کی مقررہ اور مجوزہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے ایمان کو واجب کیا شرک و سرکشی سے بچنے کے لیے زکوٰۃ کو واجب کیا تمہاری روزی کشادہ کرنے کے لیے۔ حج کو واجب کیا خدا سے ڈرنے اور راہِ دین پر لگانے کے لیے۔ پھر ہماری (اہلبیت کی) اطاعت و فرمانبرداری کو واجب کیا نظامِ امت قائم کرنے کے لیے۔ ہماری پیشوائی اور رہنمائی کو تمہارے اختلاف مٹانے اور عزتِ اسلام بڑھانے کے لیے واجب کیا۔ صبر کا تم کو حکم دیا کہ اجابتِ دعا میں تمہیں مدد پہنچائے۔ خیر و برکت کا تمہیں حکم دیا کہ تمہیں سب کی بھلائی منانے کی عادت ہو۔ والدین کی نسبت نیکی کرنے کا حکم دیا تاکہ خدا کے غضب سے ڈرو۔ کُنبہ پروری کا حکم دیا کہ تمہاری عمر اور [illegible] قوم و قبیلہ کی ترقی اور زیادتی کا باعث ہو۔ اور قصاص [illegible] سے جو کمی واقع ہو وہ پوری ہو جائے۔ ایفائے نذر اس لیے واجب ٹھیرائی کہ تمہاری بخشش کے قدم ایثار اور رحمت کی راہ پر آگے بڑھیں۔ پوری تول اور ناپ کا حکم اس لیے دیا کہ کھوٹ اور مہنگا پن دنیا کے کاروبار سے مٹ جائے۔ ناموس اور پردہ داری کا حکم اس لیے دیا کہ وہ تہمت اور بدکاری کے الزام سے محفوظ رہیں۔ چوری کی امتناع ایمانداری قائم کرنے کے لیے کی گئی مالِ یتیم اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ستم رسیدہ مظلوم ظلم سے محفوظ رہیں۔ رعایا سے محبت بڑھانے کے لیے عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔ شرک سے بچنے کی تاکید خدا کو واحد جاننے کی عقیدت بڑھانے کے لیے فرمائی گئی۔ تو اے مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اُس کے احکام کے پابند رہو۔ اور جو بندے خدا کی معرفت سے واقف ہیں اُنکے لیے سوائے اسکے اور کیا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے رہیں یا ایہا الناس! میں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی۔ پھر از سرِ نو تمہیں سمجھاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میں کوئی فضول اور بیکار بات نہیں کرتی ہوں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ تم ہی لوگوں میں سے تمہارے پاس ایک ایسا پیغمبر جس کو تمہاری ضلالت ناگوار اور ہدایت مطلوب تھی۔ مبعوث فرمایا گیا۔ وہ ایمانداروں پر از حد مہربان اور رحیم تھا۔ اگر تم اُس کی نسبت اور قرابت پر خیال کرو تو وہ میرا باپ تھا۔ نہ کہ تمہارا۔ اور میں اُس کی لڑکی ثابت ہوتی ہوں۔ نہ کہ تمہاری بیٹیاں۔ اُس کا بھائی میرا ابن عم ہے۔ نہ تمہارے مرد۔ کیا خیر و برکت کے وہ بزرگوار تھے جن کے ساتھ میری اتنی قرابتیں زندہ اور قائم ہیں۔ رسولِ خدا صلعم نے خدا کی رسالت کو تم تک پہنچایا۔ اور اپنی نبوت کو تم پر ظاہر فرمایا اور مشرکوں کے ساتھ معارضہ کیا۔ اُن کے قبیلوں پر تلواریں چلائیں۔ اُن کے بتوں اور بتخانوں کو مسمار کیا۔ اُنکے سرکشوں کے سر تلواروں سے اُڑائے اور حجج و براہینِ الٰہی اُنپر کشادہ فرمائے۔ پند و موعظت کے ذریعہ سے اُن کی تسکینِ قلوب فرمائی۔ اُن کی

لوگوں کا حق اپنے قبضہ میں دبا لیا تھا۔ حالانکہ ابھی تک اپنے
اُس عہد سے جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ساتھ وابستہ کیا تھا باہر نہیں آچکے تھے۔ اُن کی وفات کی
مصیبتیں اور اُس کی جراحتیں ہمارے دلوں سے مندمل بھی
نہیں ہونے پائی تھیں۔ تم نے اُن کی لاش مطہر کو سپرد زمین بھی
نہیں کیا۔ اور بہانہ کیا تو یہ کیا کہ ہم لوگ فتنہ سے ڈرے حالانکہ
تم تو اُسی فساد میں کود پڑے۔ اور کافروں کے لیے جہنم
محیط ہے۔ افسوس تم سے امور امت کی تدبیر کا کرنا کس قدر
بعید ہے۔ اور مذہبی امور تم سے کیسے درست ہو سکتے ہیں افسوس!
شیطان تمہیں کس راستے پر لیے جاتا ہے حالانکہ کتاب خدا تمہارے
درمیان موجود ہے۔ اور اُس کے امور ظاہر ہیں اور احکام واضح۔
اُس کے نشان ہویدا ہیں اور اُس کے تمام اوامر و مناہی ہویدا۔
تم نے ان تمام امور کو اپنے پس پشت رکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ تمہیں قرآن سے اب کوئی رغبت نہیں ہے۔ اور سوائے
اُس کے اب تم کوئی دوسرا حاکم چاہتے ہو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اُن
ظالموں کے لیے جو حکم قرآن کے مخالف حکم چاہتے ہیں بہت
بُرا بدلہ ہے۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے جو کوئی سوائے اسلام
کے کسی اور دین کو چاہتا ہے اُس کو خدا تعالیٰ قبول نہیں
کریگا۔ وہ آخرت کے روز گھاٹا اُٹھانے والا ہوگا۔ تم صرف
اتنی ہی دیر تک خاموش رہے کہ تم نے اپنی خلافت باطلہ کو مستحکم
کر لیا اور اس کے بعد تم نے فوراً ہی آتش فساد کو بھڑکانا اور
بدعتوں کا پیدا کرنا آغاز کر دیا۔ اور جو شیطان گمراہ کنندہ
نے تم کو آواز دی تم نے اُسے قبول کر لیا۔ اور دین روشن کی
روشنی کو بجھا دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت
کو مٹا دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی۔ اب مکر و حیلہ کے ساتھ
یہ چاہتے ہو کہ دین الٰہی کے تمام آثار و اقتدار کو مٹا دو اور یہ
خواہش کرتے ہو کہ آہستہ آہستہ شریعت اسلامی کے آثار
اپنی ظاہری دینداری کے لباس میں چھپا لو۔ اور ایام بدعت کی
تمام بدعتوں کو بار دیگر شائع کر دو۔ اور جو کینہ دیرینہ کہ تم
رسول صلعم اور اُن کے اہلبیت کے ساتھ قدیم سے رکھتے ہو
اُس کا اب تدارک کرو۔ پس ہم لوگ (اہلبیت) تمہاری

ضربتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مگر اُسی طرح جس طرح کسی کا جگر
اور برچھی سے پارہ پارہ کیا جائے اور اُس کے پاس سوائے صبر
کے کوئی چارہ نہ ہو۔ اُنہی مظالم کی ذیل میں یہ بھی خیال
کرتے ہو کہ میرے والد بزرگوار کی میراث میں میرا کوئی حق
نہیں ہے۔ پھر معصومہ نے یہ آیت پڑھی جس کا مطلب [illegible]
یہ ہے۔ کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ جاہلیت کے طریق جاری کرو اور
خدا سے بہتر حکم کرنیوالا کون ہو سکتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیے
جو صاحب یقین ہیں۔ کیا تم لوگ میرے استحقاق و قرابت
کو نہیں جانتے۔ بلکہ تم جانتے ہو اور جان کر چھپاتے ہو۔ میرا
استحقاق تم لوگوں پر مثل آفتاب روشن کے روشن ہے۔ اے
گروہ مہاجرین! کیا تمہیں یہی لازم ہے کہ لوگ اپنے پدر
باپ کی وراثت حاصل کرنے کی کوششوں میں غلبہ کریں اور
تم مجھ کو چھوڑ کر اُن کی استمداد و اعانت کرو۔ اے ابو قحافہ کے
بیٹے! خدا کی کتاب میں تو یہ لکھا ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث
پاؤ۔ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ لقد جئت شیئا
فریا۔ تم نے خدا پر عجیب فریب باندھا ہے۔ کیا عمداً تم لوگ
کتاب خدا کی پیروی کو ترک کرتے ہو۔ اور اُس پر عمل کرنے کو
پس پشت ڈالتے ہو۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
وورث سلیمان داؤد۔ سلیمان نے داؤد سے میراث پائی۔
اور یحییٰ ابن زکریا کے واقعہ میں بیان فرماتا ہے رب ھب
لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔
اے پروردگار! مجھے ایک ولی عنایت فرما جو مجھ سے اور
آل یعقوب سے میراث پائے۔ پھر فرماتا ہے واولوالارحام
بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ بعض قریبی رشتہ والے
بہتر ہیں بعضوں سے۔ کتاب خدا میں۔ بیگانوں سے۔ اتنا فرما کر
اُس صدیقۂ کبریٰ نے آیۂ توریث یوصیکم اللہ فی اولادکم
للذکر مثل حظ الانثیین تلاوت فرمائی۔ پھر اپنے سلسلہ کلام
میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے قول کی رُو سے میرے پدر عالی مقدار
کی میراث میں کوئی حق و حصہ نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے
تم ہی لوگوں کو آیۂ میراث سے مخصوص کر دیا ہے اور مجھ کو اور
میرے باپ کو اُس سے خارج کر دیا ہے۔ یا تمہارا ایک مذہب ہے

لوگوں کا حق اپنے قبضہ میں لے لیا۔ حالانکہ ابھی تک اپنے
اُس عہد سے جو تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ساتھ وابستہ کیا تھا باہر نہیں آچکے تھے۔ اُن کی وفات کی
مصیبتیں اور اُس کی جراحتیں ہمارے دلوں سے مندمل بھی
نہیں ہونے پائی تھیں۔ تم نے اُن کی لاش مطہر کو سپرد زمین بھی
نہیں کیا۔ اور بہانہ کیا تو یہ کیا کہ تم لوگ فتنہ سے ڈرے حالانکہ
تم تو اُسی فساد میں کود پڑے۔ اور کافروں کے لیے جہنم
محیط ہے۔ افسوس تم سے امر امت کی تدبیر کا کرنا کس قدر
بعید ہے۔ اور مذہبی امور تم سے کیسے درست ہو سکتے ہیں افسوس!
شیطان تمہیں کس راستے پر لیے جاتا ہے حالانکہ کتابِ خدا تمہارے
درمیان موجود ہے۔ اور اُس کے امور ظاہر ہیں اور احکام واضح
اُس کے نشان ہویدا ہیں اور اُس کے تمام اوامر و مناہی ہویدا۔
تم نے ان تمام امور کو اپنے پس پشت رکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ تمہیں قرآن سے اب کوئی رغبت نہیں ہے۔ اور سوائے
اُس کے اب تم کوئی دوسرا حاکم چاہتے ہو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اُن
ظالموں کے لیے جو حکم قرآن کے مخالف حکم چاہتے ہیں بہت
بُرا بدلہ ہے۔ اور حق تعالے نے فرمایا ہے جو کوئی سوائے اسلام
کے کسی اور دین کو چاہتا ہے اُس کو خدا تعالے قبول نہیں
کریگا۔ وہ آخرت کے روز گھاٹا اُٹھانے والا ہوگا۔ تم صرف
اتنی ہی دیر تک خموش رہے کہ تم نے اپنی خلافتِ باطلہ کو مستحکم
کر لیا اور اس کے بعد تم نے فوراً ہی آتش فساد کو بھڑکانا اور
بدعتوں کا پیدا کرنا آغاز کر دیا۔ اور جو شیطان گمراہ کنندہ
نے تم کو آواز دی تم نے اُسے قبول کر لیا۔ اور دینِ روشن کی
روشنی کو بجھا دیا۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت
کو مٹا دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی۔ اب مکر و حیلہ کے ساتھ
یہ چاہتے ہو کہ دینِ الٰہی کے تمام آثار و اقتدار کو مٹا دو اور یہ
خواہش کرتے ہو کہ آہستہ آہستہ شریعت اسلامی کے آثار
اپنی ظاہری دینداری کے لباس میں چھپا لو۔ اور ایام بدعت کی
تمام بدعتوں کو بارِ دیگر شائع کر دو۔ اور جو کینۂ دیرینہ کہ تم
رسول صلعم اور اُن کے اہلبیت کے ساتھ قدیم سے رکھتے ہو
اُس کا اب تدارک کرو۔ پس ہم لوگ (اہلبیتؑ) تمہاری
ضربتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مگر اُسی طرح جس طرح کہ کسی کو چھری
اور برچھی سے پارہ پارہ کیا جائے اور اُس کے پاس سوائے صبر
کے کوئی چارہ نہو۔ اُنہی مظالم کی ذیل میں یہ خیال
کرتے ہو کہ میرے والد بزرگوار کی میراث میں میرا کوئی حق
نہیں ہے۔ پھر معصومہ نے یہ آیت پڑھی جس کا مطلب
یہ ہے۔ کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ جاہلیت کے حکم جاری کرو اور
خدا سے بہتر حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیے
جو صاحبِ یقین ہیں۔ کیا تم لوگ میرے استحقاق و قرابت
کو نہیں جانتے۔ بلکہ تم جانتے ہو اور جان کر چھپاتے ہو۔ میرا
استحقاق تم لوگوں پر مثل آفتاب روشن کے روشن ہے۔ اے
گروہ مہاجرین! کیا تمہیں یہی لازم ہے کہ لوگ مجھ پر میرے
باپ کی وراثت حاصل کرنے کی کوششوں میں غلبہ کریں اور
تم مجھ کو چھوڑ کر اُن کی استمداد و اعانت کرو۔ اے ابو قحافہ کے
بیٹے! خدا کی کتاب میں تو یہ لکھا ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث
پاؤ۔ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ لقد جئت شیئاً
فریّا۔ تم نے خدا پر عجیب فریب باندھا ہے۔ کیا عمداً تم لوگ
کتابِ خدا کی پیروی کو ترک کرتے ہو۔ اور اُس پر عمل کرنے کو
پس پشت ڈالتے ہو۔ خدائے سبحانہ وتعالے نے فرمایا ہے
و ورث سلیمان داؤد۔ سلیمانؑ نے داؤدؑ سے میراث پائی۔
اور یحییٰؑ ابن زکریاؑ کے واقعہ میں بیان فرماتا ہے رب ھب
لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔
اے پروردگار! مجھے ایک ولی عنایت فرما جو مجھ سے اور
آلِ یعقوبؑ سے میراث پائے۔ پھر فرماتا ہے واولوالارحام
بعضہم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ بعض قریبی رشتہ والے
بہتر ہیں بعضوں سے۔ کتابِ خدا میں۔ یہاں تک کہ اتنا فرما
اُس صدیقۂ کبریٰ نے آیۂ توریث یوصیکم اللہ فی اولادکم
للذکر مثل حظ الانثیین تلاوت فرمائی۔ پھر اپنے سلسلہ تقریر
میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے قول کی رو سے کیا مجھے اپنے پدرِ عالی مقدار
کی میراث میں کوئی حق و حصہ نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے
تم ہی لوگوں کو آیۂ میراث سے مخصوص کر دیا ہے اور مجھکو اور
میرے باپ کو اُس سے خارج کر دیا ہے۔ یا تمہارا عقیدہ ہے

یہاں تک پہنچکر جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا کہ حاضرین کی جماعت میں میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم لوگ عیش و راحت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور جو لوگ کہ اس امر خلافت و امارت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اُن کو تم نے دور کر دیا ہے۔ اور ایمان و یقین کی طرف سے جو کچھ تمہارے دل میں جاگزیں ہوا تھا اُس کو تم نے اپنے مُنہ سے باہر نکال پھینکا۔ پس اگر تم لوگ کیا ساری دنیا کے لوگ کافر ہو جائیں تاہم خدائے تعالےٰ دنیا والوں سے بے نیاز اور بے پروا رہیگا۔ مجھے اس امر کا علم تھا اور یقین کہ تم مجھ سے غدر کروگے اور مکر۔ اور میری نصرت و مددگاری نہ کروگے۔ لیکن میرے دل میں درد و الم جمع ہوگئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے اتنی اظہار پر مجبور کر دیا۔ اور میں نے اس اظہار سے یہ چاہا کہ میں اپنی حجت کو تم پر تمام کر دوں کہ پھر قیامت کے دن تم لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ پس تم لوگ خواری۔ ذلت اور ابدی عقوبت الٰہی کے ساتھ میرے حقوق تو لیلو اور لیجاؤ۔ مگر دیکھو گے کہ اس کے بدلے میں خدائے سبحانہ و تعالےٰ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور بہت جلد تم لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ جن لوگوں نے مجھ پر یہ ظلم و ستم ڈھایا اُن کی بازگشت کہاں ہونے والی ہے۔ میں تو اُس بزرگوار کی صاحبزادی ہوں جو ہمیشہ تم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا کرتا تھا۔ پس جو تم لوگوں کے دل میں آئے وہ کرتے جاؤ۔ مگر ہم لوگ تو وہی کرینگے جس کو ہم لوگ حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو اور ہم لوگ بھی اُسی روز کے منتظر رہتے ہیں جس روز خدائے سبحانہ و تعالےٰ حق و باطل کا فیصلہ فرمائے گا۔

جنابِ سیدۂ طاہرہ۔ خیر النساء العالمین۔ بضعۃ سید المرسلین حوراء الانسیہ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ بتول عذرا سلام اللہ علیہا کا وہی فصیح و بلیغ اور مشہور و معروف خطبہ ہے۔ عدیم النظیر۔ بے مثال اور لاجواب۔ جس کو علاوہ علامہ ابن ابی الحدید۔ امام جوہری اور عمر ابن شیبہ کے اور دیگر علمائے اہلسنت نے اگرچہ پوری تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر اپنی مستند تالیفات میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ چنانچہ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الائمہ میں۔ امام زمخشری نے فائق اللغات میں لفظ لُمّہ کے لغت میں اور علامہ ابن اثیر جزری نے نہایۃ الاصول میں اس کا ذکر برابر مندرج کیا ہے۔

فمن شاء فلیرجع الیہم۔

اپنے اس معجز نما کلام اور تقریر میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے تمام مطالب و مقاصد اور اُن تمام مظالم و شدائد کو ایک ایک کرکے بیان کر دیا ہے جو آپ سے متعلق تھے۔ اور جن مطالب کی خواستگاری کے لیے آپ کے ساتھ یہ دل آزاری کی گئی۔

ہم اس خطبہ کی نسبت ابھی کچھ نہیں لکھینگے۔ ہمارا بیان ابھی اُنہی واقعاتِ زیر بحث سے وابستہ ہے جن سے پہلے تو صریح انکار۔ پھر تھوڑی سی ترمیم کے بعد اقرار۔ اور پھر اُن دلائل اقرار کردہ پر منکرانہ اصرار کیا جاتا ہے۔ اصل واقعات کو اوّل تو سرے سے بیان ہی نہیں کیا جاتا۔ اگر کہیں بیان بھی کر دیا گیا اور فوری جذبات اور اتفاقات سے لکھ بھی دیا گیا تو وہ بھی تفصیل و تشریح سے نہیں بلکہ ایسے اختصارات کے ساتھ جو حقیقت میں محض اشارات و کنایات سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن سے اصل واقعات پر کسی طرح کافی روشنی نہیں پڑتی۔ اس طرح کہ کہیں کسی واقعہ کی ابتدا صرف لکھدی گئی اور اصل خبر چھپا دی گئی۔ اور کہیں صرف خبر کا اشارہ کرکے ابتدا غائب کر دی گئی۔ غرضکہ اس واقعہ نے سوادِ اعظم کی تالیفی اور تصنیفی عالم میں ایک فسادِ عظیم پھیلا رکھا ہے اور تبعین خلافت اور مدا کین حکومت نے اس کے اخفا اور استیصال کی کوششوں میں وہ قلمکاریاں کی ہیں کہ بایدوشاید۔ اجرکم اللہ علیٰ ما استحق۔

ہمارے سابق مندرجہ بیانات ان تمام واقعات اور حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ دوران تمام امور کو اُنہی کی اسناد و اشہاد سے صحیح و معتبر ثابت کرنے کے علاوہ اُنکا خاص اقرار اور مختار ظاہر کرتے ہیں۔ اب اس خطبۂ مقدسہ کی نسبت ہم کو نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے:۔

یہاں تک پہنچکر جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا کہ حاضرین کی جماعت میں میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم لوگ عیش و راحت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور جو لوگ کہ اس امر خلافت و امارت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اُن کو تم نے دور کردیا ہے۔ اور ایمان و یقین کی طرف سے جو کچھ تمہارے دل میں جاگزیں ہوا تھا اُس کو تم نے اپنے مُنہ سے باہر نکال پھینکا۔ پس اگر تم لوگ کیا ساری دنیا کے لوگ کافر ہو جائیں تاہم خدائے تعالےٰ دنیا والوں سے بے نیاز اور بے پروا رہیگا۔ مجھے اس امر کا علم تھا اور یقین کہ تم مجھ سے غدر کروگے اور مکر۔ اور میری نصرت و مددگاری نہ کروگے۔ لیکن میرے دل میں درد و الم جمع ہوگئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے اتنی اظہار پر مجبور کردیا۔ اور میں نے اس اظہار سے یہ چاہا کہ میں اپنی حجت کو تم پر تمام کردوں کہ پھر قیامت کے دن تم لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ پس تم لوگ خواری۔ ذلت اور ابدی عقوبت الٰہی کے ساتھ میرے حقوق تو لیلو اور لیجاؤ۔ مگر دیکھو گے کہ اس کے بدلے میں خدائے سبحانہ وتعالےٰ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور بہت جلد تم لوگوں کو معلوم ہوجائیگا کہ جن لوگوں نے مجھ پر یہ ظلم و ستم ڈھایا اُن کی بازگشت کہاں ہونے والی ہے۔ میں تو اُس بزرگوار کی صاحبزادی ہوں جو ہمیشہ تم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا کرتا تھا۔ پس جو تم لوگوں کے دل میں آئے وہ کرتے جاؤ۔ مگر ہم لوگ تو وہی کرینگے جس کو ہم لوگ حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو اور ہم لوگ بھی اُسی روز کے منتظر رہتے ہیں جس روز خدائے سبحانہ وتعالےٰ حق و باطل کا فیصلہ فرمائے گا۔

جناب سیدۂ طاہرہ۔ خیر النساء العالمین۔ بضعۃ سید المرسلین حوراء الانسیہ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ بتول عذرا سلام اللہ علیہا کا وہی فصیح و بلیغ اور مشہور و معروف خطبہ ہے۔ عدیم النظیر۔ بے مثال اور لاجواب۔ جس کو علاوہ علامہ ابن ابی الحدید۔ امام جوہری اور عمر ابن شیبہ کے اور دیگر علمائے اہلسنت نے اگرچہ پوری تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر اپنی مستندہ تالیفات میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ چنانچہ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الائمہ میں۔ امام زمخشری نے فائق اللغات میں لفظ لُمّہ کے لغت میں اور علامہ ابن اثیر جزری نے نہایۃ الاصول میں اس کا ذکر برابر مندرج کیا ہے۔

فمن شاء فلیرجع الیہم۔

اپنے اس معجز نما کلام اور تقریر میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے تمام مطالب و مقاصد اور اُن تمام مظالم و شدائد کو ایک ایک کرکے بیان کردیا ہے جو آپ سے متعلق تھے۔ اور جن مطالب کی خواستگاری کے لیے آپ کے ساتھ یہ دل آزاری کی گئی۔

ہم اس خطبہ کی نسبت ابھی کچھ نہیں لکھینگے۔ ہمارا بیان ابھی اُنہی واقعات زیر بحث سے وابستہ ہے جن سے پہلے تو صریح انکار۔ پھر تھوڑی سی ترمیم کے بعد اقرار۔ اور پھر اُن دلائل اقرار کردہ پر منکرانہ اصرار کیا جاتا ہے۔ اصل واقعات کو اوّل تو سرے سے بیان ہی نہیں کیا جاتا۔ اگر کہیں بیان بھی کردیا گیا اور فوری جذبات اور اتفاقات سے لکھ بھی دیا گیا تو وہ بھی تفصیل و تشریح سے نہیں بلکہ ایسے اختصارات کے ساتھ جو حقیقت میں محض اشارات و کنایات سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن سے اصل واقعات پر کسی طرح کافی روشنی نہیں پڑتی۔ اس طرح کہ کہیں کسی واقعہ کی ابتدا صرف لکھدی گئی اور اصل خبر چھپادی گئی۔ اور کہیں صرف خبر کا اشارہ کرکے ابتدا غائب کردی گئی۔ غرضکہ اس واقعہ نے سواد اعظم کی تالیفی اور تصنیفی عالم میں ایک فساد عظیم پھیلا رکھا ہے اور متبعین خلافت اور اراکین حکومت نے اس کے اخفا اور استیصال کی کوششوں میں وہ قلمکاریاں کی ہیں کہ بایدوشاید۔ اجرکم اللہ علیٰ ما استحق۔

ہمارے سابق مندرجہ بیانات ان تمام واقعات اور حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ دوران تمام امور کو اُنہی کی اسناد و استشہاد سے صحیح و معتبر ثابت کرنے کے علاوہ اُنکا خاص اقرار اور مختار ظاہر کرتے ہیں۔ اب اس خطبۂ مقدسہ کی نسبت ہم کو نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے:۔

کی زبان جو سی ہے ۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

جناب سیدہ کی وفات اور تجہیز و تکفین و تدفین کے پورے حالات

بہر حال ۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے تمام مصائب و شدائد کو اتنی طویل تفصیل سے بیان کرکے اب ہم آپ کے کل ڈھائی مہینوں کی باقیماندہ زندگی کے تلخ اور ناگوار ایام کے حالات اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کرتے ہیں ۔

حقیقت میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ادھر آنکھیں بند ہوئیں ادھر غریب و یتیم فاطمہ پر چاروں طرف سے مصیبتوں کے دروازے کھل گئے ۔ جناب سرور کائنات صلعم جیسا مہربان ۔ سرپرست اور شفیق باپ سر سے اٹھ گیا ۔ زمانہ والے تسکین و دلجوئی کی جگہ بے مروتی اور بیدردی سے پیش آئے ۔ املاک ضبط ہو گئی ۔ میراث چھن گئی ۔ استدعا ۔ التجا اور استغاثہ مسترد کر دیا گیا ۔ مطیع حکومت نہ ہونے کی وجہ سے غدر و بغاوت کا جرم لگایا گیا ۔ گرفتاری اور غارت مکان کے لیے دروازے پر دوڑیں بھیجی گئیں ۔ گھر جلا دینے کے پورے سامان کیے گئے ۔ تہدید تشدید ذلت اور اہانت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا ۔ امتناعی اور دفاعی کوششوں میں غریب معصومہ کا شانہ اور پہلو مجروح کر دیا گیا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ سب اندوہ و مصیبت غم و الم اور قلق و صدمات کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چھ مہینہ کا حمل اسقاط ہو گیا ۔ اور پھر بستر علالت پر کچھ ایسی گریں کہ پھر جانبر نہ ہو سکیں ۔ اور نہ اٹھیں نہ اٹھیں ۔ اور انہی صدمات و قلق کے باعث تین مہینے کے اندر گھل گھل کر دنیا سے رحلت کر گئیں ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

یہ تو آپ کے ایام علالت اور وفات کی اجمالی کیفیت تھی جو اوپر لکھی گئی ۔ اب اس کے تفصیلی حالات ذیل میں مرقوم ہیں ۔ سید علی ہمدانی کتاب مودۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

عن ابن عباس لما جاء فاطمۃ الاجل لم تحم و لم تصدع و لکن اخذت بیدھا الحسن و الحسین فذھبت بھما الی قبر رسول اللہ فصلت بین القبر والمنبر رکعتین ثم ضمتھما الی صدرھا والزمتھما وقالت یا اولادی اجلسا عند ابیکما ساعۃ و امیر المؤمنین یصلی فی المسجد ثم رجعت ومن عندھما نحو المنزل فحملت حلاط النبی فاغتسلت ولبست فضل ثوبہ ثم نادت یا اسماء امراۃ جعفر طیار فقالت لبیک بنت رسول اللہ فقالت یا فاطمۃ لا تفارقینی فانی فی ھذا البیت واضع جنبی ساعۃ فاذا مضت ساعۃ ولم اخرج فنادینی ثلثا فان اجبتک فادخلی والا فاعلمی انی لحقت برسول اللہ صلعم ثم قامت مقام رسول اللہ وصلت رکعتین ثم طالت ونادت وجھھا بطرف ردائھا وقیل ماتت فی سجودھا فلما مضت ساعۃ اقبلت اسماء بفاطمۃ الزھراء ونادت ثلثا یا ام الحسن والحسین یا بنت رسول اللہ فلم تجب فدخلت البیت فاذا ھی ثم شقت اسماء جیبھا وقالت کیف اخبر رسول اللہ بوفاتک ثم خرجت فلقیھا الحسن و الحسین فقالا این امنا فسکتت فدخلا البیت فاذا امتدت فحرکھا الحسین فاذا ھی میتۃ فقال یا اخاہ اجرک اللہ فی موت امنا ثم اخبر علیا وھو فی المسجد فغشی علیہ حتی رش علیہ الماء فجاء علی حتی دخل بیت فاطمۃ وعند راسھا تبکی اسماء وابنا محمد ما کنا نشعر بفاطمۃ موت جدکما لمن نستفر بعدک فکشف امیر المؤمنین من وجھھا فاذا برقعۃ عند راسھا فنظر فیھا مکتوب ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ھذہ وصیۃ فاطمۃ بنت رسول اللہ وھی تشھد ان لا الہ الا اللہ محمدا رسول اللہ و ان الجنۃ حق والنار حق وان الساعۃ اتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ تعالی یبعث من فی القبور یا علی انا فاطمۃ بنت رسول اللہ زوجنی اللہ منک لاکون لک فی الدنیا والآخرۃ وانت اولی بی من غیرک غسلنی

کی زبان چوسی ہے۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جناب سیدہؑ کی وفات اور تجہیز و تدفین کے پورے حالات

بہر حال۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے تمام مصائب و شدائد کو اتنی طویل تفصیل سے بیان کرکے اب ہم آپ کے کل ڈھائی مہینوں کی باقیماندہ زندگی کے تلخ اور ناگوار ایام کے حالات اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

حقیقت میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادھر آنکھیں بند ہوئیں اُدھر غریب و یتیم فاطمہؑ پر چاروں طرف سے مصیبتوں کے دروازے کھل گئے۔ جناب سرور کائنات صلعم جیسا مہربان۔ سرپرست اور شفیق باپ سر سے اُٹھ گیا۔ زمانے والے تسکین و دلجوئی کی جگہ بیوفائی اور بیدردی سے پیش آئے املاک ضبط ہوگئی۔ میراث چھین لی گئی۔ استدعا۔ التجا اور استغاثہ مسترد کردیا گیا۔ مطیع حکومت نہ ہونے کی وجہ سے غدر و بغاوت کا جرم لگایا گیا۔ گرفتاری اور غارت مکان کے لیے دروازے پر دوڑیں بھیجی گئیں۔ گھر جلا دینے کے لیے سامان کیے گئے۔ تہدید تشنیع ذلت اور اہانت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ اثنائی اور دفاعی کوششوں میں غریب معصومہ کا شانہ اور پہلو مجروح کردیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اندوہ و مصیبت غم و الم اور قلق و صدمات کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چھ مہینہ کا حمل اسقاط ہوگیا۔ اور پھر بستر علالت پر کچھ ایسی گریں کہ پھر جانبر نہ ہوسکیں۔ اور نہ اُٹھیں۔ نہ اُٹھیں۔ اور انہی صدمات و قلق کے باعث تین مہینے کے اندر گھل گھل کر دنیا سے رحلت کرگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ تو آپ کے ایام علالت اور وفات کی اجمالی کیفیت تھی جو اوپر لکھی گئی۔ اب اس کے تفصیلی حالات ذیل میں مرقوم ہیں۔ سید علی ہمدانی کتاب مودۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں

عن ابن عباس لما جاءت فاطمۃ الاجل لم تحم ولم تصدع ولکن اخذت بیدیہا الحسن والحسین فذہبت بہما الی قبر رسول اللہ فصلت بین القبر والمنبر رکعتین ثم ضمتہما الی صدرہا والزمتہما وقالت یا ولدی اجلسا عند ابیکما ساعۃ و امیر المؤمنین یصلی فی المسجد ثم رجعت ومن عندہما نحو المنزل فحملت ماء طہ النبی فاغتسلت ولبست فضل ثوبہ ثم نادت یا اسماء امرأۃ جعفر طیار فقالت لبیک بنت رسول اللہ فقالت یا فاطمۃ لا تفاقدینی فانی فی ہذا البیت واضعۃ جنبی ساعۃ فاذا مضت ساعۃ ولم اخرج فنادینی ثلثا فان اجبتک فادخلی والا فاعلمی انی الحقت برسول اللہ صلعم ثم قامت مقام رسول اللہؐ وصلت رکعتین ثم طالت ونادت وجہہا بطرف ردائہا وقیل ماتت فی سجودہا فلما مضت ساعۃ اقبلت اسماء بفاطمۃ الزہراء و نادت ثلثا یا ام الحسن والحسین یا ابنت رسول اللہ فلم تجب فدخلت البیت فاذا ہی ثم شقت اسماء جیبہا وقالت کیف اخبرنی رسول اللہ بوفاتک ثم خرجت فلقیہا الحسن و الحسین فقالا این امنا فسکتت فدخلا البیت فاذا امہما ممتدۃ فحرکہا الحسین فاذا ہی میتۃ فقال یا اخا اجرک اللہ فی موت امنا ثم اخبر علیا وہو فی المسجد فغشی علیہ حتی رش علیہ الماء فجاء علی حتی دخل بیت فاطمۃ وعند راسہا تبکی اسماء وابنا محمدؐ ہا کنا نستعر بفاطمۃ موت جدکما فمن نستعر بعدک فکشف امیر المؤمنین من وجہہا فاذا برقعۃ عند راسہا فنظر فیہا مکتوب۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذہ وصیۃ فاطمۃ بنت رسول اللہؐ وہی تشہد ان لا الہ الا اللہ محمدا رسول اللہؐ وان الجنۃ حق والنار حق وان الساعۃ اتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ تعالیٰ یبعث من فی القبور یا علی انا فاطمۃ بنت رسول اللہؐ زوجنی اللہ منک لا کون لک فی الدنیا والآخرۃ وانت اولیٰ بی من غیرک فغسلنی

وصیت ہے اور وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ خدا کا رسولؐ ہے اور شہادت دیتی ہے کہ بہشت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ اور قیامت ضرور آنیوالی ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تمام مُردوں کو قبروں سے زندہ کرکے اُٹھائیگا۔ اے علیؑ! میں فاطمہؑ دختر رسول خدا صلعم ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے تم سے میرا نکاح کیا تاکہ دنیا و آخرت میں میں تمہاری بیوی ہوں اور تم غیر کی نسبت میرے لیے زیادہ اولےٰ ہو۔ پس تم ہی مجھے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن کرنا اور دفن کرنا۔ رات کے وقت مجھ کو دفن کرنا اور کسی کو خبر نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ اور اپنی اولاد کو جو قیامت تک ہوگی سلام کرتی ہوں۔ جب رات ہوئی تو جناب امیر علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا۔ اور تختہ پر رکھا۔ پھر امام حسن علیہ السلام سے فرمایا۔ جانماز میرے لیے منگاؤ۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔ پس زمین میل میل تک روشن ہوگئی جب ان حضرات نے اُن معصومہ کو دفن کرنا چاہا تو بقیع کے ایک مقام سے آواز آئی۔ میری طرف لاؤ۔ پھر اُس جگہ کی خاک اوپر کی طرف اُٹھی۔ اور ایک قبر کھدی کھدائی نظر آئی آخر کا تابوت کو اُس طرف لے گئے۔ اور اُس معصومہ کو اُسی قبر میں مدفون کر دیا۔ پھر جناب امیر المومنین قبر کے کنارے بیٹھے۔ اور زمین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اے زمین میں اپنی امانت کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دختر رسول خدا صلعم ہے۔ تب اُس زمین سے آواز آئی۔ اے علیؑ! میں تمہاری نسبت اس پر زیادہ تر مہربان ہوں۔ پس تم جاؤ اور غم مت کرو۔ پھر حضرت نے قبر کو بند کر دیا۔ اور وہاں کی زمین برابر کردی پس کسی کو آپکی قبر معلوم نہوئی اور نہ قیامت تک معلوم ہوگی۔

مندرجۂ بالا واقعات وفات ایک سُنّی عالم کی کتاب سے ماخوذ کیے گئے ہیں شیعوں کی کتابوں میں بھی قریب قریب یہی حالات قلمبند پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جلاء العیون ملا مجلسی علیہ الرحمہ میں بھی قریب قریب یہی واقعات مرقوم ہیں۔ امام شبلنجی مصری اپنی کتاب نور الابصار میں لکھتے ہیں:-

لم تضحک فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد وفات ابیہا قط وعن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سارت الی قبر ابیہا بعد موتہ و وقفت علیہ وبکت ثم اخذت قبضہ من تراب القبر فجعلتہا علی عینیہا و وجہہا ثم انشاءت یقول ؎ ماذا علی من شم تربۃ احمد ؛ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

اُس شخص کو کیا لازم ہے جو احمدؐ کی خاک قبر کو سونگھے اُس کو یہی لازم ہے کہ پھر تمام عمر کسی خوشبو کو نہ سونگھے۔ صبت علیّ مصائب لو انہا ؛ صبت علی الایام صرن لیالیا۔ میرے اوپر تو ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہوجاتے۔ لبثت فاطمۃ علیہا السلام بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ستۃ اشھر فلما ماتت وفرغ علی علیہ السلام من جہازہا ودفنہا رجع الی البیت فاستوحش فیہ وجزع علیہا جزعا شدیدا ثم انشاء یقول ؎ اری علل الدنیا علی کثیرۃ ؛ وصاحبہا حتی الممات علیل ؛ لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ ؛ وکل الذی دون الفراق قلیل۔ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام بعد وفات رسولؐ چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب انتقال فرماگئیں اور حضرت علیؑ اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ گھر لوٹ آئے۔ اور آپ کو سخت وحشت ہوئی۔ اور اُن کی مفارقت میں سخت اضطراب ہوا اُس وقت آپ نے یہ اشعار موزوں فرماکر پڑھے ؎ دنیا کے رنج میں اپنے اوپر بکثرت دیکھتا ہوں۔ اور جس کو یہ رنج ہیں وہ گویا تا دمِ مرگ علیل ہے۔ تمام دو دوستوں کے مجمع کیلیے جُدائی ضروری ہے۔ اور تمام رنج جُدائی کے غم سے کم ہوتے ہیں۔ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:-

قال الکرمانی غسلہا علیؓ وصلی علیہا ودفنہا لیلا بوصیتہا۔ امام کرمانی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اُنکو غسل دیا اُن پر نماز پڑھی اور دفن فرمایا۔ رات کے وقت اُن کی وصیت کے مطابق۔

وصیت یہ ہے اور وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ خدا کا رسول ہے اور شہادت دیتی ہے کہ بہشت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ اور قیامت ضرور آنیوالی ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تمام مُردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیگا۔ اے علیؑ! میں فاطمہؑ دختر رسول خدا صلعم ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے تم سے میرا نکاح کیا تاکہ دنیا و آخرت میں میں تمہاری بیوی ہوں اور تم غیر کی نسبت میرے لیے زیادہ اولےٰ ہو۔ پس تم ہی مجھے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن کرنا اور دفن کرنا۔ رات کے وقت مجھ کو دفن کرنا اور کسی کو خبر نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی اولاد کو جو قیامت تک ہوگی سلام کرتی ہوں۔ جب رات ہوئی تو جناب امیر علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا۔ اور تختہ پر رکھا۔ پھر امام حسن علیہ السلام سے فرمایا۔ جانماز میرے لیے منگاؤ۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔ پس زمین میل میل تک روشن ہوگئی جب ان حضرات نے اُن معصومہ کو دفن کرنا چاہا تو بقیع کے ایک مقام سے آواز آئی۔ میری طرف لاؤ۔ پھر اُس جگہ کی خاک اوپر کی طرف اٹھی۔ اور ایک قبر کھُدی کھُدائی نظر آئی آخر کار تابوت کو اُس طرف لے گئے۔ اور اُس معصومہ کو اُسی قبر میں مدفون کر دیا۔ پھر جناب امیر المؤمنین قبر کے کنارے بیٹھے۔ اور زمین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے زمین میں اپنی امانت کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دختر رسول خدا صلعم ہے۔ تب اُس زمین سے آواز آئی۔ اے علیؑ! میں تمہاری نسبت اس پر زیادہ تر مہربان ہوں۔ پس تم جاؤ اور غم مت کرو۔ پھر حضرت نے قبر کو بند کر دیا۔ اور وہاں کی زمین برابر کر دی پس کسی کو آپکی قبر معلوم نہوئی اور نہ قیامت تک معلوم ہوگی۔

مندرجہ بالا واقعات وفات ایک سُنی عالم کی کتاب سے ماخوذ کیے گئے ہیں بشیعوں کی کتابوں میں بھی قریب قریب یہی حالات قلمبند پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جلاء العیون ملا مجلسی علیہ الرحمہ میں بھی قریب قریب یہی واقعات مرقوم ہیں۔ امام شبلنجی مصری اپنی کتاب نور الابصار میں لکھتے ہیں:۔

لم تضحك فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها بعد وفات ابیها قط وعن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال ان فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم سارت الی قبر ابیها بعد موته و وقفت علیه وبکت ثم اخذت قبضه من تراب القبر فجعلتها علی عینیها و وجهها ثم انشاءت یقول ؎ ماذا علی من شم تربة احمد ؛ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

اُس شخص کو کیا لازم ہے جو احمدؐ کی خاک تربت کو سونگھے اُس کو یہی لازم ہے کہ پھر تمام عمر کسی خوشبو کو نہ سونگھے۔ صبت علیّ مصائب لو انها ؛ صبت علی الایام صرن لیالیا۔ میرے اوپر تو ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ لبثت فاطمة علیها السلام بعد وفات النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم ستة اشهر فلما ماتت وفرغ علی علیه السلام من جهازها ودفنها رجع الی البیت فاستوحش فیه وجزع علیها جزعا شدیدا ثم انشاء یقول ؎ اری علل الدنیا علی کثیرة ؛ وصاحبها حتی الممات علیل ؛ لکل اجتماع من خلیلین فرقة ؛ وکل الذی دون الفراق قلیل۔ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام بعد وفات رسول چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب انتقال فرما گئیں اور حضرت علیؑ اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ گھر لوٹ آئے۔ اور آپ کو سخت وحشت ہوئی۔ اور اُن کی مفارقت میں سخت اضطراب ہوا اُس وقت آپ نے یہ اشعار موزوں فرما کر پڑھے ؎ دنیا کے رنج میں اپنے اوپر بکثرت دیکھتا ہوں۔ اور جس کو یہ رنج ہیں وہ گویا تا دم مرگ علیل ہے۔ تمام دو دوستوں کے مجمع کیلیے جُدائی ضروری ہے۔ اور تمام رنج جُدائی کے غم سے کم ہوتے ہیں۔ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:۔

قال الکرمانی غسلها علیؑ وصلی علیها ودفنها لیلا بوصیتها۔ امام کرمانی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اُنکو غسل دیا۔ اُن پر نماز پڑھی اور دفن فرمایا۔ رات کے وقت اُن کی وصیت کے مطابق۔

بنا انتہی۔ ولم یوذن ابوبکر (بخاری) اسکی خبر۔ اس ترکیب کا حاصل یہ ہے کہ یتیم معصومہ کی آزردگی۔ ناراضی اور بیزاری ان حضرات کے ساتھ مرتے دم تک ایسی ہی بنی رہی اور یہ خاصکر اس باعث سے تھی کہ ان لوگوں کے تمام مظالم و شدائد ہر خاص وعام پر کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکار ہو جائیں اور ان کے مظالم کے دفتر جریدۂ عالم میں ابد الآباد تک قائم اور یادگار رہ جائیں۔

جناب سیدہؑ کے ان تمام حالات و واقعات پر جو مضمون شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتاب رویائے صادقہ میں تحریر کیا ہے اور اُس میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے ہمکو بظاہر اُس کے ساتھ بقاعدۂ میراث و استحقاق تو نہیں مگر اصولِ اخلاق کی رو سے ضرور اتفاق ہے۔ اور یہ وہی مضمون ہے جس کو ہم بحثِ فدک کی ابتدا میں بقدرِ ضرورت لکھ بھی چکے ہیں۔ ہم بارِ دیگر اس کو مناسبتِ مقام کی وجہ سے ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں:۔

وفاتِ رسول صلعم سے جو شخص سب سے زیادہ متاذّی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے باپ، دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر پر سے اُٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغِ فدک کا دعوےٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچے ہوتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط اُن ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے انکو رنج دیے تھے نہ بولیں۔ اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی منا ہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہوتا ہم انکو باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے۔ برائے نام خلافت دیدی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کوئی ... تھا۔ مگر باغِ فدک کے دیدینے میں کون ایسی قباحت ... مافی الباب۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکناہ صدقۃ کے خلاف بھی ہوتو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتی۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ... ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ آداب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اُس ناقابلِ برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس واقعہ کا خیال کر کے وہ یہود کا قول فھم تضاؤن انبیاء اللہ ان دینھم مؤمنین۔ یاد آجاتا ہے۔ کیا بات کا بتنگڑ بن گیا۔ کہیے کہتے نہیں بن پڑتی۔ عیسائی بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردہ کی قید لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دیکر عورتوں کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بیبیاں بہو بیٹیاں لونڈیوں سے بدتر ہوئیں۔ ایسی ہوئیں یا نہ ہوئیں۔ برابر ہیں۔ کہ اُن عورتوں ہی کی وجہ سے مسلمان سنّی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا مخالف۔

سوال۔ اچھا آپ سنّی ہیں یا شیعہ؟

جواب۔ نرا مسلمان۔ نہ سنّی نہ شیعہ۔ سنّی شیعہ بننے کا اب وقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں دکھا دیتا کہ میں سنّی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں۔ مگر فرض کیجیے کہ آپ اُس زمانہ میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے؟

جواب۔ جو شخص واقعات کو مذہب میں نہ آنے دے وہ مفروضات کو مذہب میں کیوں داخل کرنے لگا۔

سوال۔ یہ تو ٹالنے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹالتا تو نہیں۔ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میا

بتا انتہی۔ ولم یوذن ابوبکر (بخاری) اسکی خبر۔ اس ترکیب کا
حاصل یہ ہے کہ یتیم معصومہ کی آزردگی۔ ناراضی اور بیزاری
ان حضرات کے ساتھ مرتے دم تک ایسی ہی بنی رہی اور یہ خاص کر
اس باعث سے تھی کہ ان لوگوں کے تمام مظالم و شدائد ہر خاص
وعام پر کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکار ہو جائیں اور
ان کے مظالم کے دفتر جریدۂ عالم میں ابدالآباد تک قائم اور
یادگار رہ جائیں۔

جناب سیدہؑ کے ان تمام حالات و واقعات پر جو مضمون شمس العلماء
حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتاب رؤیائے صادقہ
میں تحریر کیا ہے اور اس میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے ہمکو
بظاہر اس کے ساتھ بقاعدۂ میراث و استحقاق تو نہیں مگر
اصول اخلاق کی رو سے ضرور اتفاق ہے۔ اور یہ وہی مضمون
ہے جس کو ہم بحث فدک کی ابتدا میں بقدر ضرورت لکھ بھی چکے
ہیں۔ ہم بار دیگر اس کو مناسبت مقام کی وجہ سے ذیل میں
قلمبند کیے دیتے ہیں:۔

وفات رسول صلعم سے جو شخص سب سے زیادہ متاذی ہوا
وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب
ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ
بھی کیسے باپ، دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ
کا سایہ سر پر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علی کا خلافت سے
محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوے
کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات
پہنچے ہوتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط
اُن ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی
مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ
رہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے انکو رنج دیے تھے نہ بولیں۔
اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی
مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ وانا
الیہ راجعون۔ مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہو تاہم اگر
باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش
کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے۔ برائے نام خلافت
دیدی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کوئی بڑی [illegible]
تھا۔ مگر باغ فدک کے دیدینے میں کون ایسی قباحت [illegible]
مانع الباب۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث
ما ترکناہ صدقۃ کے خلاف بھی ہو تو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہ
کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتی سخت افسوس کی بات
ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی تو
ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ آداب اور
لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ
منجر ہوا اُس ناقابل برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جس کی
نظیر تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت
مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ
دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس واقعہ کا خیال کر کے
وہ یہود کا قول فلم تقتلون انبیاء اللہ ان کنتم
مؤمنین۔ یاد آجاتا ہے۔ کیا بات کا بتنگڑ بن گیا۔ یہ
کہتے نہیں بن پڑتی۔ عیسائی بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام
پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردہ کی قید
لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دیکر عورتوں
کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بیبیاں
بہو بیٹیاں لونڈیوں سے بدتر ہو گئیں۔ ایسی ہو گئیں یا نہ
ہوئیں۔ برابر ہیں۔ کہ اُن عورتوں ہی کی وجہ سے مسلمان
سُنی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے مخالف۔

سوال۔ اچھا آپ سُنی ہیں یا شیعہ؟

جواب۔ نرا مسلمان۔ نہ سُنی نہ شیعہ۔ سُنی شیعہ بننے کا اب
وقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے
سے لڑتے تھے تو میں دکھا دیتا کہ میں سُنی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں۔ مگر فرض کیجیے کہ آپ
اُس زمانہ میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے؟

جواب۔ جو شخص واقعات کو مذہب میں نہ آنے دے وہ
مفروضات کو مذہب میں کیوں داخل کرنے لگا۔

سوال۔ یہ تو ٹالنے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹالتا تو نہیں۔ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا

فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کوئی معمولی عورت تو تھیں ہی نہیں جن کے آداب و اخلاق معمولی اور عامیانہ پیمانہ پر خیال کر لیے جائیں۔ اور لکھدیے جائیں۔ اس کے برعکس اور اسکے خلاف آپ کی ذاتِ مقدسہ فضائل و مناقب مخصوصہ کے روحانی جوہروں سے پُر اور مملو تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ آخر آپ صاحب خلقِ عظیم کی صاحبزادی جناب رسولِ کریم کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ جو آغاز ہی سے دامانِ نبوت کی پرورش یافتہ اور آغوشِ نبوّت کی ناز پروردہ۔ فیضانِ قدرت سے آراستہ دامانِ رحمت سے پیراستہ۔ تہذیبِ الٰہی کے زیورات سے مرصع۔ تعلیمات رسالت پناہی کے جواہرات سے معمور۔ انوار ظاہری و باطنی سے بھرپور۔ برگزیدگانِ درگاہِ خداوندی کے [illegible] میں داخل اور پسندیدگانِ ایزدی کے روحانی [illegible] تھیں۔ جس عُلیا مکرمہ کو سیّدۃ نساء العالمین [illegible] مخصوص خطاب۔ اور جس مخدرۂ عظمےٰ کو بضعۃ سیّد [illegible] بیش بہا اور مخصوص القاب ملا۔ اب اُسکے محاسنِ اخلاق۔ مکارمِ آداب اور محامد اوصاف کا [illegible] اُسکے [illegible] اندازہ کرنا اور اظہار تو تحصیل حاصل ہے اور بیکار۔ کیونکہ منتظمانِ قدرت نے آغاز ہی سے ان ذواتِ عالیہ اور حضرات مقدسہ کو ان تمام محاسن، مناقب اور مآثر کا نمونہ بنا کر دنیا اور اہلِ دنیا کی تعلیم و تلقین کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اور معمولی پسند طبیعتوں کو خدا کی قدرتِ کاملہ کا یوں مشاہدہ کرا دیا تھا کہ انسان کی معمولی اور ظاہری ترکیبِ خاکی میں اعلےٰ درجہ کی نورانی اور روحانی تنویر و ترتیب موجود ہے۔ اور جوہر انسانی۔ کمالات کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد جب قربتِ الٰہی کے منتہائی درجہ پر فائز اور مشرف ہوجاتے ہیں تو اُن کے تمام خاکی عنصر نورانی اور روحانی جوہروں سے پُر نور اور معمور ہوجاتے ہیں۔ اور پھر ان میں انسانیت اور روحانیت کی تمیز مشکل ہوجاتی ہے۔ وھٰذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جب یہ تمام اوصاف جناب سیّدہؑ کی ذاتِ بابرکات میں آغاز ہی سے تسلیم کیے جاتے ہیں تو پھر جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ان اوصاف و آداب کی بطور معمول کوئی تفصیل و تشریح ایسی ضروری نہیں ہے مگر مناسبتِ مقام اور اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی مجبوریوں سے ہم اسکے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ چند واقعات ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جناب فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی مرتضےٰ علیہما السّلام کے محاسنِ معاشرت اور آداب مسالک کے متعلق کسی قدر ہم اوپر لکھ بھی چکے ہیں۔ جسکو ہمارے ناظرینِ کتاب نے ملاحظہ بھی فرمایا ہوگا۔ جناب علی مرتضٰے نے اپنی زبانِ مبارک سے جناب سیّدہؑ کے محامد اوصاف بیان فرمائے ہیں یا حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے مکارم اخلاق و اشفاق کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہمارے مدعائے بیان کے

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) دنیا ہے اور دنیا کی دولت۔ وہاں سب کچھ ہے۔ اموال بیت المال خمس۔ زکوٰۃ۔ صدقات۔ یہاں کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ رہے یا نہ رہے برابر۔ اب رہا آپ کا عقیدہ۔ وہ آپکی کمزوری سے خود اس قدر ضعیف ہے کہ آپ جب چاہیں ادھر سے اُدھر کردیں۔ ابھی ابھی حدیث کا نورث کو پس انداز کر دیے جانے کے قابل قرار دے چکے ہیں اسکے تھوڑی دیر تک آپ اپنے اصلی مذہب سے بھی دست بردار ہوگئے مشاجرات کے واقعات پر آپ کو تنہا اقرار ہی نہیں بلکہ اصرار ہے اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان امور کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تو اگر یہ ایسا ہی تھا تو حضرات شیخین نے ان واقعات کے بعد سیدہ علیہا السّلام کی خدمت میں اتنی محنت و مشقت اُٹھا کر معذرت کیوں فرمائی۔ مگر مذہب الٰہی کا دنیا میں یہی مدعا ہے کہ حقداروں کے حقوق پامال کیے جائیں۔ مال و اموال ضبط کیے جائیں۔ آزوقہ چھین لیا جائے۔ گرفتاری کے لیے دوڑیں کھیجی جائیں۔ مستغیث قاضی شرع سے دادرسی چاہے تو جواب ہے کہ اسکو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔ شریعت سے سروکار نہیں تو پھر ایسے مذہب اور ایسے اسلام کو سات سلام ہیچ مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم۔ افسوس مرحوم حافظ صاحب اپنی تمام عمر اسی مذبذب حالت میں مبتلا رہے۔ سرِ وقت قیامت کی کہ امہات الامۃ جیسی ناپاک کتاب لکھی۔ شیعہ تو شیعہ خود سُنّی دنیا میں اُس کی وجہ سے وہ شورش اور سوزش پھیلی کہ آخر حافظ صاحب کو اُس کی تمام جلدیں جلانی پڑیں۔ یہ تھا ناحق پرستی کا نتیجہ۔ فاعتبروا ۱۲ المؤلف اعتراولاد حیدر

فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کوئی معمولی عورت تو تھیں ہی نہیں کہ جن کے آداب و اخلاق معمولی اور عامیانہ پیمانہ پر خیال کر لیے جائیں۔ اور لکھدیے جائیں۔ اس کے برعکس اور اسکے خلاف آپ کی ذات مقدسہ فضائل و مناقب مخصوصہ کے روحانی جوہروں سے پُرا ور مملو تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ آخر آپ صاحب خلقِ عظیم کی صاحبزادی جنابِ رسولِ کریم کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ جو آغاز ہی سے دامانِ نبوت کی پرورش یافتہ اور آغوشِ نبوت کی ناز پروردہ۔ فیضانِ قدرت سے آراستہ۔ دامانِ رحمت سے پیراستہ۔ تہذیبِ الٰہی کے زیورات سے مرصع۔ تعلیمات رسالت پناہی کے جواہرات سے معمور۔ انوار ظاہری و باطنی سے بھر پور۔ برگزیدگانِ درگاہِ خداوندی [illegible] میں داخل اور پسندیدگانِ ایزدی کے روحانی [illegible] تھیں۔ جس عُلیا مُکرّمہ کو سیدۃ نساء العالمین کا [illegible] مخصوص خطاب۔ اور جس مخدرۂ عظمےٰ کو بضعۃ سید [illegible] بیش بہا اور مخصوص القاب ملا۔ اب اُسکے محاسنِ اخلاق۔ مکارم آداب اور محامد اوصاف کا [illegible] اُسکے [illegible] اندازہ کرنا اور اظہار تو تحصیل حاصل ہے اور بیکار۔ کیونکہ منتظمانِ قدرت نے آغاز ہی سے ان ذواتِ عالیہ اور حضرات مقدسہ کو ان تمام محاسن، مناقب اور مآثر کا نمونہ بناکر دنیا اور اہلِ دنیا کی تعلیم و تلقین کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اور معمول پسند طبیعتوں کو خدا کی قدرتِ کاملہ کا یوں مشاہدہ کرا دیا تھا کہ انسان کی معمولی اور ظاہری ترکیبِ خاکی میں اعلےٰ درجہ کی نورانی اور روحانی تنویر و ترتیب موجود ہے۔ اور جوہر انسانی کمالات کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد جب قربتِ الٰہی کے منتہائی درجہ پر فائز اور مشرف ہوجاتے ہیں تو اُن کے تمام خاکی عنصر نورانی اور روحانی جوہروں سے پُر نور اور معمور ہو جاتے ہیں۔ اور درمیان ان کے انسانیت اور روحانیت کی تمیز مشکل ہوجاتی ہے۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یّشاء۔

جب یہ تمام اوصاف جنابِ سیدہؑ کی ذاتِ بابرکات میں آغاز ہی سے تسلیم کیے جاتے ہیں تو پھر جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ان اوصاف و آداب کی بطورِ معمول کوئی تفصیل و تشریح ایسی ضروری نہیں ہے مگر مناسبتِ مقام اور اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی مجبوریوں سے ہم انکے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ چند واقعات ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جناب فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی مرتضےٰ علیہما السلام کے محاسنِ معاشرت اور آداب مسالک کے متعلق کسی قدر ہم اوپر لکھ بھی چکے ہیں۔ جسکو ہمارے ناظرینِ کتاب نے ملاحظہ بھی فرمایا ہوگا۔ جناب علی مرتضےٰ نے اپنی زبانِ مبارک سے جنابِ سیدہؑ کے محامد اوصاف بیان فرمائے ہیں یا حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے مکارم اخلاق و اشفاق کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہمارے مدعائے بیان کے

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) دنیا ہے اور دنیا کی دولت۔ وہاں سب کچھ ہے۔ اموال بیت المال خمس۔ زکوٰۃ۔ صدقات۔ یہاں کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ رہے یا نہ رہے برابر۔ اب رہا آپ کا عقیدہ۔ وہ آپکی کمزوری سے خود اس قدر ضعیف ہے کہ آپ جب چاہیں ادھر سے اُدھر کردیں۔ ابھی ابھی حدیث لا نورث کو پس انداز کر دیے جانے کے قابل قرار دے چکے ہیں اس لیے تھوڑی دیر تک آپ اپنے اصلی مذہب سے بھی دست بردار ہوگئے بشاجرہ کے واقعات پر آپ کو تنہا اقرار ہی نہیں بلکہ اصرار ہے اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان امور کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تو اگر یہ ایسا ہی تھا تو حضرات شیخین نے ان واقعات کے بعد سیدہ علیہا السلام کی خدمت میں اتنی محنت و مشقت اُٹھا کر معذرت کیوں فرمائی۔ مگر مذہب الٰہی کا دنیا میں یہی مدعا ہے کہ حقداروں کے حقوق پامال کیے جائیں۔ مال و اموال ضبط کیے جائیں۔ آذوقہ چھین لیا جائے۔ گرفتاری کے لیے دھمکیاں دی جائیں۔ مستغیث قاضی شرع سے دادرسی چاہے تو جواب ہے کہ اسکو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔ شریعت سے سروکار نہیں تو پھر ایسے مذہب اور ایسے اسلام کو سات سلام ہیچ مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم۔ افسوس ہے مرحوم حافظ صاحب اپنی تمام عمر اسی مذبذب حالت میں مبتلا رہے۔ سترھویں وقت قیامت کی کہ امہات الامۃ جیسی ناپاک کتاب لکھی۔ شیعہ تو شیعہ خود سُنّی دنیا میں اُس کی وجہ سے وہ شورش اور سوزش پھیلی کہ آخر حافظ صاحب کو اُس کی تمام جلدیں جلانی پڑیں۔ یہ تھا ناحق پرستی کا نتیجہ۔ فاعتبروا ۱۲ المؤلف اعتراف اولاد حیدر

آپ کے ساتھ جناب معصومہؑ کا حسن معاشرت کیسے تھے؟ آپ بیساختہ آبدیدہ ہوگئے۔ ایک آہ سرد دل پُر درد سے بھری اور ارشاد فرمایا۔ وہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں جس کے مرجھا جانے پر بھی اُسکی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔ اسی طرح ایک بار کسی موقع پر جناب سیدہؑ کے ذکر میں آپنے ارشاد فرمایا کہ جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں مجھے اُن سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔

فی الحقیقت کوئی شکایت۔ کوئی شکوہ ہوتا تو کیسے۔ دونوں اخلاق رسولؐ کی تعلیم سے بہرہ یاب تھے۔ آداب رسالت اور تہذیب نبوت کے فیضان سے سیراب۔ سیدہؑ کا دستور تھا کہ پہلے اپنے شوہر اور بچوں کو کھانا کھلا لیتی تھیں اور اُنکے بعد آپ تناول فرماتی تھیں۔

جناب امام حسن علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار دن بھر کے بعد ہم لوگوں کو شب کے وقت کھانا میسّر آیا۔ ہماری مادر گرامی قدر نے پہلے ہم لوگوں کو کھلایا۔ سب کے بعد اپنے حصہ کی روٹی لیکر کھانے بیٹھیں۔ لقمہ توڑ کر تناول فرمانا چاہتی تھیں کہ دروازے سے ایک سائل کی آواز آئی۔ یا بنت رسول اللہ میں ایک مرد مستحق ہوں۔ محتاج اور دو وقتوں کا بھوکا۔ خدا کے نام پر مجھ کو سیر فرما دیا جائے۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس مستحق کی آواز نے جناب سیدہؑ کے قلب مبارک پر ایسی تاثیر کی کہ آپ بیچین ہوگئیں۔ دست مبارک سے روٹی کا ٹکڑا رکھدیا۔ اور وہ مسلم روٹی مجھے دیکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور اُس مرد محتاج کو دے آؤ۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اس کھانے کا مستحق ہے۔ میں نے عرض کی کہ اُسکی ترجیح استحقاق کا کیا سبب ہے۔ ارشاد ہوا کہ بیٹا! اس لیے کہ تمھاری ماں نے تو صرف ایک ہی وقت سے کھانا نہیں کھایا ہے اور اس پر تو دو وقتوں کا فاقہ گزر گیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ ارشاد سنکر میں خوش ہوگیا۔ فوراً اُٹھا اور حکم کی تعمیل کر دی۔

اس واقعہ سے انتہا درجہ کی کریم النفسی اور ایثار ظاہر ہونے کے علاوہ آپ کے لاجواب اور عدیم النظیر اصول خانہ داری اور آداب معاشرت کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں ممکن تھا کہ معمولی طبیعتوں کے اصول پر دن بھر کے فاقہ میں سب سے پہلے ہی کچھ تناول فرما لیتیں اسکے بعد بال بچوں یا گھر والوں کو دیتیں اور شدت گرسنگی کے باعث اگر آپ کے روزانہ معمول میں تغیر یا اختلاف ایک دن کے لیے واقع بھی ہوجاتا تو کچھ ایسا قابل اعتراض بھی نہیں تھا۔ مگر ماشاء اللہ جن بزرگواروں کو خداوند سبحانہ وتعالےٰ نے ان اوصاف مخصوصہ سے ممتاز فرمایا ہے وہ چاہے کسی حالت اور مصیبت میں کیوں نہوں اپنے اصول کو کبھی ترک نہیں فرماتے۔ اور یہی امور اُن کے اور عوام الناس کے درمیان فرق مابہ الامتیاز ثابت کرتے ہیں۔

ایک بار جناب امیر المؤمنین علیہ السلام گھر میں تشریف لائے حضرت سیدۃ نساء العالمینؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ یہ سُنکر جناب سیدہؑ نے صرف سر جھکا لیا اور مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ مزاج داں شوہر بھی سمجھ گیا کہ آج گھر میں خیریت ہے۔ فوراً اُلٹے گھر سے باہر چلے آئے۔ اور قوت لایموت بہم پہنچانے کے سامان کرنے لگے۔ جب پھر گھر میں گئے تو دیکھا کہ سیدہ کو نہ فاقہ کا خیال ہے۔ نہ عسرت وگرسنگی کا ملال بجز اسکے عبادت میں مصروف رکوع وسجود ہیں۔ وہ ہیں اور ذکر معبود۔ اُسی کی حمد وثنا ہے اور اُسی سے دعا والتجا۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے گھر میں آکر حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ فاطمہؑ نے عرض کی کہ آج تین دن سے گھر میں ایک دانے کا نام تک نہیں ہے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے تعجب ہے کہ گھر کا یہ حال ہے اور آپ نے مجھ کو آج تک اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ معصومہؑ نے سر جھکا کر جواب دیا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے میرے رخصت فرمانے کے وقت تاکید کر دی ہے کہ میں آپ سے کبھی کوئی چیز مانگ کر شرمندہ نہ کیا کروں۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے احتیاط کی اور ضرورت خانہ داری کی آپکو تکلیف نہ دی۔

ایک بار جناب سیدہؑ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ غالباً بخار کی شکایت ہوئی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام عیادت کو آئے

آپ کے ساتھ جناب معصومہؑ کا حسن معاشرت کیسے تھے؟ آپ بیساختہ آبدیدہ ہوگئے۔ ایک آہ سرد دل پُر درد سے بھری اور ارشاد فرمایا۔ وہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں جس کے مرجھا جانے پر بھی اُسکی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔
اسی طرح ایک بار کسی موقع پر جناب سیدہؑ کے ذکر میں آپنے ارشاد فرمایا کہ جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں مجھے اُن سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔
فی الحقیقت کوئی شکایت۔ کوئی شکوہ ہوتا تو کیسے۔ دونوں اخلاق رسولؐ کی تعلیم سے بہرہ یاب تھے۔ آداب رسالت اور تہذیب نبوت کے فیضان سے سیراب۔ سیدہؑ کا دستور تھا کہ پہلے اپنے شوہر اور بچوں کو کھانا کھلا لیتی تھیں اور اُنکے بعد آپ تناول فرماتی تھیں۔
جناب امام حسن علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار دن بھر کے بعد ہم لوگوں کو شب کے وقت کھانا میسّر آیا۔ ہماری مادرِ گرامی قدر نے پہلے ہم لوگوں کو کھلایا۔ سب کے بعد اپنے حصہ کی روٹی لیکر کھانے بیٹھیں۔ لقمہ توڑ کر تناول فرمانا چاہتی تھیں کہ دروازے سے ایک سائل کی آواز آئی۔ یا بنتِ رسول اللہ میں ایک مردِ مستحق ہوں، محتاج اور دو وقتوں کا بھوکا۔ خدا کے نام پر مجھ کو سیر فرما دیا جائے۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس مستحق کی آواز نے جناب سیدہؑ کے قلب مبارک پر ایسی تاثیر کی کہ آپ بےچین ہوگئیں۔ دست مبارک سے روٹی کا ٹکڑا رکھدیا۔ اور وہ مسلّم روٹی مجھے دیکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور اُس مرد محتاج کو دے آؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اس کھانے کا مستحق ہے۔ میں نے عرض کی کہ اُسکی ترجیح استحقاق کا کیا سبب ہے۔ ارشاد ہوا کہ بیٹا! اس لیے کہ تمہاری ماں نے تو صرف ایک ہی وقت سے کھانا نہیں کھایا ہے اور اس پر تو دو وقتوں کا فاقہ گزر گیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ ارشاد سنکر میں خوش ہوگیا۔ فوراً اُٹھا اور حکم کی تعمیل کر دی۔
اس واقعہ سے انتہا درجہ کی کریم النفسی اور ایثار ظاہر ہونے کے علاوہ آپ کے لاجواب اور عدیم النظیر اصول خانہ داری اور آداب معاشرت کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں ممکن تھا کہ معمولی طبیعتوں کے اصول پر دن بھر کے فاقہ میں سب سے پہلے ہی کچھ تناول فرما لیتیں اسکے بعد بال بچوں یا گھر والوں کو دیتیں اور شدت گرسنگی کے باعث اگر آپ کے روزانہ معمول میں تغیر یا اختلاف ایک دن کے لیے واقع بھی ہو جاتا تو کچھ ایسا قابل اعتراض بھی نہیں تھا۔ مگر ماشاء اللہ جن بزرگواروں کو خداوند سبحانہ وتعالےٰ نے ان اوصاف مخصوصہ سے ممتاز فرمایا ہے وہ چاہے کسی حالت اور مصیبت میں کیوں نہ ہوں اپنے اصول کو کبھی ترک نہیں فرماتے۔ اور یہی امور اُن کے اور عوام الناس کے درمیان فرق مابہ الامتیاز ثابت کرتے ہیں۔
ایک بار جناب امیر المؤمنین علیہ السلام گھر میں تشریف لائے۔ حضرت سیدۃ نساء العالمینؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ یہ سُنکر جناب سیدہؑ نے صرف سر جھکا لیا اور مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ مزاج داں شوہر بھی سمجھ گیا کہ آج گھر میں خیریت ہے۔ فوراً اُلٹے گھر سے باہر چلے آئے۔ اور قوت لایموت بہم پہنچانے کے سامان کرنے لگے۔ جب پھر گھر میں گئے تو دیکھا کہ سیدہ کو نہ فاقہ کا خیال ہے۔ نہ عسرت و گرسنگی کا ملال بجز اسکے عبادت میں مصروف رکوع و سجود ہیں۔ وہ ہیں اور ذکر معبود۔ اُسی کی حمد و ثنا ہے اور اُسی سے دعا و التجا۔
اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے گھر میں آکر حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ فاطمہؑ نے عرض کی کہ آج تین دن سے گھر میں ایک دانے کا نام تک نہیں ہے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے تعجب ہے کہ گھر کا یہ حال ہے اور آپ نے مجھ سے آج تک اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ معصومہؑ نے سر جھکا کر جواب دیا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے میرے رخصت فرمانے کے وقت تاکید کر دی ہے کہ میں آپ سے کبھی کوئی چیز مانگ کر شرمندہ نہ کیا کروں۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے احتیاط کی اور ضرورت خانہ داری کی آپکو تکلیف نہ دی۔
ایک بار جناب سیدہؑ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ غالباً بخار کی شکایت ہوئی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام عیادت کو گئے

ایسا واقعہ نظر نہیں پڑا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو کہ جناب
سیدہؑ نے کسی خاتونِ ہاشمیہ کو بلا کر چکی پسوائی ہو، جھاڑو
دلوائی ہو۔ یا روٹی پکوائی ہو۔
یہ امور صرف آپ کی طبیعت کے کمالِ استغنا اور صبر علی المشقت
ہی ظاہر نہیں کرتے۔ بلکہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب سیدہ
طاہرہؑ خانہ داری کے فرائض۔ شوہر کی آرام رسانی کی
خدمات اور بچوں کی پرورش و پرداخت کے کاموں کو
اس اہمیت کے ساتھ سمجھتی ہوئی تھیں کہ بمصداق لا
تشرک فی عبادۃ ربک احدا کسی دوسرے کو ان میں شریک
کرنا پسند نہیں فرماتی تھیں۔
آپ کی اس مشغولیت اور کمالِ انہماک پر خانہ داری میں ہمہ تن مصروفیت
کی نسبت یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اوّل تو گھر میں سوا آپ کے
اور کوئی تھا ہی نہیں جو آپ کا ہاتھ بٹاتا۔ دوسرے آپ کی غیرت
بھی دوسرے کو اپنے کاموں کی انجام دہی کی تکلیف دینے
کی متقاضی نہیں تھی۔ لیکن ہم تو اس کے برعکس حضرت
فضہؑ کے آجانے کے بعد بھی کاروبارِ خانہ داری میں آپ کی
مشغولیت اور مصروفیت کی وہی کیفیت پاتے ہیں۔ چنانچہ
حضرت سلمان فارسی کی زبانی ذیل کا واقعہ میرے بیان پر
کافی روشنی ڈالتا ہے۔
جناب سلمانؓ کسی ضرورت سے خانۂ فاطمہؑ میں آئے۔ دیکھا کہ
سیدہؑ تھوڑے سے جو لیے چکی میں پیس رہی ہیں۔ پیسنے کی
محنت سے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں۔ چکی کی کھونٹی
خون آلود ہو رہی ہے۔ قریب ایک گوشے میں حضرت امام
حسین علیہ السلام بھوک کی شدت سے رو رہے ہیں۔ سلمانؓ
کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں بیقرار ہو گیا۔ اور میں نے سیدہؑ
کی خدمت میں عرض کی کہ فضہ کے ہوتے آپ اتنی مشقت
اپنی جان پر کیوں اٹھاتی ہیں۔ یہ خدمت فضہ سے کیوں
نہیں لیتیں۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ اے سلمان! فضہ کو
دیتے وقت میرے پدرِ بزرگوار نے مجھ پر تاکید فرما دی ہے
کہ ایک دن گھر کے کام کاج میں کیا کروں اور ایک دن فضہ۔
اس حساب سے آج میری باری کا دن ہے فضہ کا نہیں۔
اس لیے میں فضہ کو ناحق تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ سلمانؓ
کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں بے اختیار رونے لگا۔ اور سیدہؑ کی
پھر خدمتِ مبارک میں عرض کی کہ میں آپ کا آزاد کردہ
غلام ہوں۔ مجھے حکم دیجیے کہ میں حسینؑ کو بہلاؤں یا چکی پیسوں۔
ارشاد ہوا کہ حسینؑ تمہارے بہلانے سے نہ بہلیں گے میں انہیں بہلائے
لیتی ہوں۔ تم اتنے جو پیس لو۔ سلمانؓ کہتے ہیں میں نے
حکم کی تعمیل کر دی۔ اتنے میں مسجد سے اقامتِ نماز کی آواز
آئی۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد ساری کیفیت جناب
علی مرتضےٰ علیہ السلام سے کہہ دی۔ آپ مسجد سے گھر آئے اور
گھر سے فوراً ہی ہنستے ہوئے پھر مسجد میں لوٹ آئے۔ میں نے
ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ جب میں گھر میں
داخل ہوا تو دیکھا کہ سیدہؑ تو تھک کر سو گئی ہیں۔ اور حسینؑ
ان کے سینے پر آرام کر رہے ہیں۔ اور چکی بغیر اس کے کہ کسی کا
ہاتھ دکھلائی دے آپ ہی آپ چل رہی ہے۔ یہ تذکرہ اسی
وقت مسجد میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے بھی سن لیا۔ اور حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ!
تمہیں کیا معلوم نہیں ہے کہ خدا کے چند فرشتے ایسے ہیں کہ
زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور تا روزِ قیامت محمدؐ و آلِ محمدؐ
کی خدمت کرتے رہیں گے۔ جلاء العیون صفحہ ۱۰۲۔ اسی
واقعہ کو حضرت ابوذرؓ کی زبانی بھی نقل کیا ہے۔
بُرا ہو اُن بد اندیشوں کا جو ایسے سراپا اخلاقِ الٰہی کے نورانی
پیکروں میں محض تعصب۔ نفسانیت اور خود غرضی اور
اس تعصب کے اشتعالِ طبع کی وجہ سے کہ ان حضرات اور
عوام الناس کے طرزِ معاشرت اور طور و اطوار میں کسی نہ کسی
طرح مساوات قائم ہو۔ باہمی اختلاف۔ نفاق۔ رنجش اور
کشمکش ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق
چند بے سروپا واقعات افسانہ وار بیان کرتے ہیں جن کو
نہ کوئی شخص جنابِ امیر علیہ السلام کے اخلاق و ادب سے
یقین کر سکتا ہے اور نہ جنابِ فاطمہ زہراؑ کی مرتبہ دانی اور
رتبہ شناسی سے امید کی جا سکتی ہے۔
عام طور سے جو واقعات ان حضرات مقدسین کی بابت [illegible]

اور جنہوں نے اس کے پیدا کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی وہ گروہ صحابہ میں ابو ہریرہ تھے۔ عمر عاص اور مغیرہ ابن شعبہ ثقفی اور تابعین میں مروہ ابن زبیر (اور حضرات کے موضوعات جنکو ہماری موجودہ بحث سے تعلق نہیں ہے۔ فاضل معتزلی خاص اس جعلی اور مصنوعی روایت کی نسبت لکھتے ہیں کہ) ابو ہریرہؓ نے اس مضمون میں ایک حدیث بیان کی ہے جس کے معنی ہیں کہ جب زمانۂ حیات رسول خدا صلعم میں حضرت علیؑ نے دختر ابی جہل کے ساتھ عقد کرنے کا قصد کیا تو آپ کو نہایت گراں گزرا اور آپنے منبر پر جاکر خطبہ کہا اور ارشاد کیا کہ خدا نے نہیں جائز کیا کہ ولی اللہ کی بیٹی عدو اللہ کی بیٹی کے ساتھ رکھی جائے۔ فاطمہؑ میری بضاعت ہے جس نے اُسے ایذا دی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ اگر علیؑ بنت ابی جہل کی مناکحت کا قصد کرتے ہیں پس اُن کو چاہیے کہ میری بیٹی سے مفارقت اختیار کریں۔ اور پھر جو جی میں آئے وہ کریں۔ ابو ہریرہ کے کلام کے یہی معنی ہیں اور یہ حدیث روایات کرابیسی سے مشہور ہے۔ اور میں (ابن ابی الحدید) کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیحین بخاری اور مسلم میں بھی مسور ابن مخرمہ سے باسناد زہری مرقوم ہے اور سید مرتضے نے اپنی کتاب موسومہ تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ روایت حسین کرابیسی سے منقول ہے اور وہ انحراف اہلبیت علیہم السلام اُن کی عداوت اور ناصبیت کے لیے مشہور ہے۔ اس لیے وہ اسکو قول و نقل کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔

اب جناب سید مرتضے عطر اللہ ضریحہ کے استدلال کی اصلی عبارت بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔

قلنا هذا الخبر باطل موضوع غير معروف ولا ثابت عند اهل النقل وانما ذكر ذلك الكرابيسي طاعنا به على امير المؤمنين معارضا بذكره لبعض ما يذكره شيعته من الاخبار فی اعدائه وهیهات ان يشبه الحق بالباطل ولم يكن الا رواية الكرابيسي له واعتماده عليه وهو من اهل العداوة لاهل البيت والمناصبة لهم والازراء على فضائلهم ومآثرهم على ما هو مشهور على ان هذا الخبر قد تضمن ما يشرف به امير المؤمنين ويقتضي علو منزلته من حيث ادعى فيه ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم ذم هذا الفعل وخطب بانكاره على المنابر ومعلوم ان امير المؤمنين لو كان فعل ذلك على الحقيقة لما كان فاعلا لمحظور في الشريعة لان نكاح الاربع على لسان نبينا والمباح لا ينكره الرسول ولا يصرح بذمه وبانه متاذ منه وقد رفعه الله تعالى عن هذه المنزلة واعلاه عن كل منقصة ومذمة ولو كان نافرا من الجمع بين بنته وبين غيرها بالطباع التي تنفر من الحسن والقبيح لما جاز ان ينكره بلسانه ثم جاز ان يبالغ في الانكار ويعلن به على المنابر وفوق رؤس الاشهاد ولو بلغ من ايلامه لقلبه كل مبلغ فما اختص هو من الحلم والكظم ووصفه الله تعالى بانه من جميل الاخلاق وكريم الاداب ينافي ذلك ويحيله ويمتنع من اضافته اليه وتصديقه عليه واكثر ما يفعل مثله عليه السلام في الامر اذا ثقل على قلبه ان يعاتب عليه سرا ويتكلم في العدول عنه خفيا على وجه جميل۔

یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور سراسر موضوع اور غیر معروف ہے صاحبانِ نقل کے نزدیک۔ اور کرابیسی نے اسکو اُن روایتوں کے جواب میں جو شیعوں نے دشمنانِ علی علیہ السلام کی نسبت لکھی ہیں بطاعن جناب امیر المومنین علیہ السلام میں موضوع کیا ہے۔ افسوس! حق کو باطل سے تشبیہ دی ہے۔ اور کرابیسی سے ایسی روایت کیونکر نہو اور ایسی باتوں پر وہ کیونکر اعتماد نہ کرے کیونکہ وہ تو دشمنانِ اہلبیت میں خاصکر داخل ہے اور اپنی ناصبیت میں مشہور۔ فضائل و مآثر اہلبیت علیہم السلام کے مٹانے اور گھٹانے میں معروف تھا۔ اور یہ تمام باتیں جو کچھ اُس کی نسبت مخصوص ہیں وہ اُسکے جھوٹ بولنے اور افترا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور شاہد کامل ہیں کہ اس دعوئے باطل پر کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فعل کی مذمت کی۔ اور اسکو برا ٹھیرایا۔ اور اسکی مخالفت

کے لیے منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ امر مسلم ہے کہ اگر امیر المومنین علیہ السلام نے بفرض محال یہ فعل کیا جو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو آپ اس کے لیے شریعت سے مجوز تھے کیونکہ نکاح اربعہ کی حلّیت مخبرِ صادق علیہ السلام کی زبان سے معلوم کر چکے تھے اور پھر اُس وقت تک، اس کے امتناع یا اس میں کسی نقص کی کوئی تصریح فرمائی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ آپ اس سے متاذی ہوئے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کی شان منزلت کو اس سے زیادہ رفیع فرمایا ہے اور آپ کی ذاتِ قدسی صفات کو تمام عیوب و منقصت سے پاک و منزہ فرمایا ہے۔ اگر حضرت کو اس امر سے کہ اُن کی صاحبزادی اور غیر کی لڑکی ایک جگہ نہ رکھی جائیں بقاعدۂ معمول دنیا نفرت تھی جو عام طبیعتوں کو حسن و قبح کے مقابلہ و موازنہ میں ہوا کرتی ہے تو پھر آپ اُس امر کی کبھی اجازت نہ دیتے جسکی ممانعت کا اظہار آپ اپنی زبان سے فرماتے تھے۔ پس جب آپ اسکی اجازت دے چکے تھے تب اسکی ممانعت میں یہ مبالغہ اور منبر پر علیٰ رؤس الاشہاد اس کے اعلان و اشتہار کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ کے قلبِ نورانی پر اسکا اثر پہنچا تھا تو آپکے اُن تمام قلبی مآثر میں جن کے لیے آپ کی ذاتِ بابرکات مخصوص فرمائی گئی تھی حلم اور ضبطِ غصہ بھی داخل تھے۔ اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے آپکی ذاتِ مجمع الحسنات کو اخلاقِ کریمہ اور آدابِ جمیلہ سے مزین و آراستہ فرمایا تھا۔ یہ اوصاف اس کے منافی تھے کہ اس سے حیلہ کیا جائے یا اسکی امتناع کیجائے۔ اور اسکی تصدیق میں آپ کے اکثر ایسے اخلاق و آداب کے افعال نقل کیے جاتے ہیں کہ آپ ان امور کے وقوع کے موقعوں پر جو آپ کی خاطرِ قدسی مآثر پر گراں گزرتے تھے۔ اُن پر خلوت میں اظہارِ عتاب فرماتے تھے۔ اور اُسکی ممانعت کے احکام بھی مخفی طور پر صادر فرمائے جاتے تھے۔ اور یہ آپ کے اخلاقِ جمیلہ کے تقاضے تھے۔

ناظرینِ کتاب پر ان دونوں روایاتِ موضوعہ کی حقیقت کما حقہٗ ثابت ہوگئی۔ غرضکہ کرامیسی ہوں شعبی ہوں نیسلم ہوں یا جو صاحب ہوں۔ اُن کی نظر مہربانی عام طور سے ہمارے نبی کی عیوب جوئی کی نگراں ہوگی۔ ایسے سراپا غلط اور دور از قیاس موضوعات۔ چونکہ صحیحین نے لکھا ہے اس لیے وحی متلو سمجھنا ہوگا۔ اچھا۔ آپ کی صحیحین میں ہے۔ آپ اسے صحیح مانیں خدا مبارک کرے۔ مگر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آپ کے امام الحدیث فاضلِ معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید اور اُن کے اُستاد نقیب ابو جعفر اسکافی دونوں حضرات اس کو اور اس جیسی اور روایتوں کو موضوعات میں داخل کر چکے ہیں۔ مگر باینہمہ آپ ایسی مہمل اور موضوع منقولات کو استدلال کے طور پر شیعوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جس پر اُن کے تمام علماء ابتدا ہی سے لاحول پڑھتے ہیں۔

حضرات ناظرین! ان موضوعات کے دو جملۂ معترضہ محض اتفاقی طور پر میرے سلسلۂ بیان میں حائل ہوگئے تھے۔ جن کی تنقید و تردید بھی میرے لیے ازحد ضروری تھی۔ اس لیے مجھ کو اپنے سلسلۂ بیان سے کسی قدر ہٹ جانا پڑا۔ اب مندرجۂ بالا واقعات موضوعہ پر تنقیدانہ استدلال کرنے کے بعد ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے واقعہ پر اپنے مضمون زیر بحث کو تمام و کمال ختم کرتے ہیں جس سے جناب علی مرتضےٰ اور حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے باہمی اخلاص و اتحاد۔ محبت والفت اور حسنِ معاشرت کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ افلاس۔ ناداری۔ غربت اور عسرت خانۂ اہلبیت میں ہمیشہ مہمان رہا کرتی تھی۔ جنابِ شیرِ خدا کی مالی قوت ہمیشہ کمزور رہی۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو کہیں اجرت پر کام نہ ملا۔ اس مجبوری سے اُس دن کا آذوقہ بھی دستیاب نہوا۔ اور گھر بھر پر چوبیس پہر کا فاقہ گزر گیا۔ شام کے وقت مدینہ میں کوئی تاجر آیا اور بہت سا تجارت کا اسباب اپنے ساتھ لایا۔ اسباب اُتروانے کے لیے اُسے ایک مزدور کی ضرورت ہوئی۔ جنابِ علی مرتضےٰ نے اجرت پر اُس کا سب مال اُتار دینا قبول کرلیا۔ اور اُس کا سب مال و اسباب اُتار دیا۔ تاجر نے ایک درہم مزدوری میں دیا۔ آپ نے اُسکو بڑی خوشی سے لے لیا۔ رات زیادہ گئی تھی۔ شہر کی قریب قریب تمام دوکانیں بند ہوچکی تھیں

کے لیے منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اگر امیر المومنین
علیہ السلام نے بفرضِ محال یہ فعل کیا جو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا
ہے تو آپ اس کے لیے شریعت سے مجوّز تھے کیونکہ نکاحِ اربعہ
کی حلّیت مخبرِ صادق علیہ السلام کی زبان سے معلوم کر چکے تھے
اور پھر اُس وقت تک، اس کے امتناع یا اس میں کسی نقص
کی کوئی تصریح فرمائی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ آپ اس سے متاذّی
ہوئے تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کی شانِ
منزلت کو اس سے زیادہ رفیع فرمایا ہے اور آپ کی ذاتِ
قدسی صفات کو تمام عیوب و منقصت سے پاک و منزّہ فرمایا
ہے۔ اگر حضرت کو اس امر سے کہ اُن کی صاحبزادی اور غیر کی
لڑکی ایک جگہ نہ رکھی جائیں بقاعدۂ معمول دنیا اذیت تھی
جو تمام طبیعتوں کو حسن و قبح کے مقابلہ و موازنہ میں ہوا کرتی
ہے تو پھر آپ اُس امر کی کبھی اجازت نہ دیتے جسکی ممانعت
کا اظہار آپ اپنی زبان سے فرماتے تھے۔ پس جب آپ اسکی
اجازت دے چکے تھے تب اسکی ممانعت میں یہ مبالغہ اور
منبر پر علےٰ رؤس الاشہاد اس کے اعلان و اشتہار کی کیا
ضرورت تھی۔ اگر آپ کے قلبِ نورانی پر اسکا اثر پہنچا تھا تو
آپکے اُن تمام قلبی مآثر میں جن کے لیے آپ کی ذاتِ بابرکات
مخصوص فرمائی گئی تھی حلم اور ضبطِ غصّہ بھی داخل تھے۔ اور
خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے آپکی ذاتِ مجمع الحسنات کو اخلاقِ کریمہ
اور آدابِ جمیلہ سے مزیّن و آراستہ فرمایا تھا۔ یہ اوصاف
اس کے منافی تھے کہ اس سے حیلہ کیا جائے یا اسکی امتناع
کیجائے۔ اور اسکی تصدیق میں آپ کے اکثر ایسے اخلاق و
آداب کے افعال نقل کیے جاتے ہیں کہ آپ ان امور کے
وقوع کے موقعوں پر جو آپ کی خاطرِ قدسی مآثر پر گراں گزرتے
تھے۔ اُن پر خلوت میں اظہارِ عتاب فرماتے تھے۔ اور اُسکی
ممانعت کے احکام بھی مخفی طور پر صادر فرمائے جاتے تھے۔
اور یہ آپ کے اخلاقِ جمیلہ کے تقاضے تھے۔

ناظرینِ کتاب پر ان دونوں روایاتِ موضوعہ کی حقیقت
کماحقہ ثابت ہو گئی۔ غرضکہ کرامیسی ہوں شیعی ہوں مسلم ہوں یا
جو صاحب ہوں۔ اُن کی نظر مہربانی عام طور سے ہمارے پر بھی

عیوب جوئی کی نگراں ہوگی۔ ایسے سراپا غلط اور دور از قیاس
موضوعات۔ چونکہ صحیحین نے لکھا ہے اس لیے وحی متلو سمجھنا
ہوگا۔ اچھا۔ آپ کی صحیحین میں ہے۔ آپ اسے صحیح مانیں خدا
مبارک کرے۔ مگر یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ کے امام الحدیث
فاضلِ معتزلی علامہ ابن ابی الحدید اور اُن کے اُستاد نقیب
ابو جعفر اسکافی دونوں حضرات اس کو اور اس جیسی اور روایتوں
کو موضوعات میں داخل کر چکے ہیں۔ مگر باایں ہمہ آپ ایسی مہمل
اور موضوع منقولات کو استدلال کے طور پر شیعوں کے سامنے
پیش کرتے ہیں۔ جس پر اُن کے تمام علماء ابتدا ہی سے
لاحول پڑھتے ہیں۔

حضرات ناظرین! ان موضوعات کے دو جملۂ معترضہ محض اتفاقی
طور پر میرے سلسلۂ بیان میں حائل ہو گئے تھے۔ جن کی تنقید
و تردید بھی میرے لیے از حد ضروری تھی۔ اس لیے مجھ کو اپنے
سلسلۂ بیان سے کسی قدر ہٹ جانا پڑا۔ اب مندرجہ بالا واقعات
موضوعہ پر تنقیدانہ استدلال کرنے کے بعد ہم پھر اپنے قدیم
سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے واقعہ پر اپنے مضمون
زیر بحث کو تمام و کمال ختم کرتے ہیں جس سے جناب علی مرتضےٰ
اور حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے باہمی اخلاص و
اتحاد۔ محبت و الفت اور حسنِ معاشرت کی پوری حقیقت
معلوم ہوتی ہے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ افلاس۔ ناداری۔ غربت اور عسرت خانۂ اہلبیت
میں ہمیشہ مہمان رہا کرتی تھی۔ جنابِ شیرِ خدا کی مالی قوت ہمیشہ
کمزور رہی۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو کہیں اجرت
پر کام نہ ملا۔ اس مجبوری سے اُس دن کا آذوقہ بھی دستیاب
نہ ہوا۔ اور گھر بھر پر چوبیس پہر کا فاقہ گزر گیا۔ شام کے وقت
مدینہ میں کوئی تاجر آیا اور بہت سا تجارت کا اسباب اپنے ساتھ
لایا۔ اسباب اُتروانے کے لیے اُسے ایک مزدور کی ضرورت
ہوئی۔ جنابِ علی مرتضےٰ نے اجرت پر اُس کا سب مال اُتار دینا
قبول کر لیا۔ اور اُس کا سب مال و اسباب اُتار دیا۔ تاجر نے
ایک درہم مزدوری میں دیا۔ آپ نے اُسکو بڑی خوشی سے لے لیا۔
رات زیادہ گزر گئی تھی۔ شہر کی قریب قریب تمام دوکانیں بند ہو چکی تھیں۔

نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اُسکی حمد و ثنا فرماتے اور درگاہِ مستجیب الدعوات میں بعجز و تواضع دعائیں مانگتے۔ التجائیں کرتے دیکھا کرتا تھا مگر ان تمام طول و طویل دعاؤں میں ایک دعا اور ایک التجا بھی اپنے لیے نہیں ہوتی تھی۔ سب دوسری مؤمنین و مؤمنات کے لیے۔

گھر کے کام دھندوں کے بعد سوائے محرابِ عبادت میں کھڑے رہنے یا قرآن پڑھنے کے کسی دوسرے کام میں نہیں دیکھا جاتا تھا۔ خدا کی عبادت بجا لانے کے وقت خوفِ الٰہی کے سبب جنابِ سیدہؑ کا نورانی چہرہ زعفرانی ہو جاتا تھا تمام جسمِ مطہر میں تھرتھری پڑ جاتی تھی۔ خشوع و خضوع کی باعث دیدۂ حق بیں سحابِ دریابار ہو جایا کرتے تھے۔ اور اشکِ مسلسل کے تار لگاتار مصلّے پر گرا کرتے تھے۔ اور سجادہ آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتا تھا۔ چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے تو سجدے کرتے کرتے پیشانی نورانی پر مہرِ عبادت لگی ہوئی تھی۔

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ کو قربتِ مکان کی وجہ سے برابر گھر بیٹھے بیٹھے سنا کرتی تھیں۔ تفصیلِ بیان میں اگر کہیں عقوبت و عذابِ الٰہی کا ذکر سن لیا تو آپ کے قلبِ نورانی پر خوف کا ایسا عالم طاری ہوتا تھا کہ غش پر غش آنے لگتے تھے۔ دشمنوں کی جان پر بنجاتی تھی۔ خود بھی تلاوتِ قرآن فرماتے وقت اگر وعید عذاب و عقاب پر نگاہ جا پڑی تو تمام جسمِ مطہر کانپ گیا۔ اور مآلِ آخرت کا خیال فرما کر روتے روتے بیہوش ہو گئیں۔

اسلام کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ عذابِ دوزخ کی نسبت چند آیتیں نازل ہوئیں۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا روئے کہ آپ کی بیقراری اور شدّتِ گریہ وزاری دیکھکر تمام حاضرین اور جماعتِ مسلمین پکار پکار کر رونے لگی۔ جب آنحضرت صلعم کا رونا کسی طرح نہ رُکا اور اس شدّتِ گریہ و بُکا کا اصلی سبب بھی دریافت نہ ہو سکا تو سب نے مل کر جنابِ سیدہؑ کو بلا لانے کی تجویز ٹھیرائی کیونکہ یہ معمول تھا کہ جب جنابِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہے کیسے ہی ملول و محزون کیوں نہوں مگر اپنی پارۂ جگر جنابِ سیدہؑ کو دیکھتے ہی شادان و مسرور ہو جاتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق مزاجدان صحابہ دروازۂ جنابِ سیدہؑ پر حاضر ہوئے جنابِ سلمانؓ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہؑ تو چکّی پیس رہی ہیں اور اُسی حالت میں ایک آیتِ قرآن کی برابر تلاوت فرماتی جاتی ہیں۔ سلمانؓ بیٹھ گئے اور ساری روئداد عرض کر دی۔ اپنے پدرِ بزرگوار کی یہ حالت سُنکر آپ بیقرار ہو گئیں فوراً اُٹھیں اور ایک گوشے سے ایک کمّل اُٹھا کر اوڑھ لیا۔ جس میں پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں آپ کی ذاتی شان و عظمت اور اُس بوسیدہ اور کہنہ کمّل کی صورت کو دیکھکر رونے لگا۔ غرضکہ اسی حالت سے جنابِ سیدۂ نساء العالمین حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ جنابِ سیدہ کی صورت کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئے۔ اُٹھے اور اپنی پارۂ جگر کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ جنابِ سیدہؑ نے سارا واقعہ خدمتِ رسالت میں عرض کر دیا۔ اور کہا کہ میں اس وقت چکی پیستی جاتی تھی۔ اور اس آیۂ قرآنی کی تلاوت کرتی جاتی تھی۔ قسم خدا کی میں حضور کو یقین دلاتی ہوں کہ آج پانچ برس سے میرے اور علیؑ کے پاس بکری کی ایک کھال کے سوا کوئی دوسری چیز بچھانے کو نہیں ہے۔ یہ سُنکر جنابِ رسولِ خدا صلعم نے ارشاد فرمایا۔ اے میری لختِ جگر یقین کر لو کہ تمہارے صبر و شکر کا بدلہ خدا کے خزانۂ آخرت میں امانت ہے۔ اس کے بعد جنابِ سیدہؑ نے آپ سے شدّتِ گریہ کا سبب پوچھا تو آپ نے وہ آیتیں پڑھ کر سُنائیں جو عقوبتِ دوزخ کی تفصیل میں نازل ہوئی تھیں۔ آپ کا سُننا تھا کہ سیدہؑ بیقرار ہو کر زمین پر گر پڑیں اور بار بار اُن کو تلاوت فرماتی جاتی تھیں۔ اور بیحد و انتہا روتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اُسی وقت خدائے کریم و رحیم نے آیۂ رحمت نازل فرمائی۔ تب جا کر باپ اور بیٹی (سلام اللہ علیہما) کو قرار و سکون آیا۔

نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اُسکی حمد و ثنا فرماتے اور درگاہ مستجیب الدعوات میں بعجز و تواضع دعائیں مانگتے۔ التجائیں کرتے دیکھا کرتا تھا مگر ان تمام طول و طویل دعاؤں میں سے ایک دعا اور ایک التجا بھی اپنے لیے نہیں ہوتی تھی۔ سب دوسرے مؤمنین و مؤمنات کے لیے۔

گھر کے کام دھندوں کے بعد سوائے محرابِ عبادت میں کھڑے رہنے یا قرآن پڑھنے کے کسی دوسرے کام میں نہیں دیکھا جاتا تھا۔ خدا کی عبادت بجا لانے کے وقت خوفِ الٰہی کے سبب جنابِ سیدہ ؑ کا نورانی چہرہ زعفرانی ہو جاتا تھا تمام جسمِ مطہر میں تھرتھری پڑ جاتی تھی۔ خشوع و خضوع کے باعث دیدۂ حق بیں سحابِ دریا بار ہو جایا کرتے تھے۔ اور اشکِ مسلسل کے تار لگاتار مصلے پر گرا کرتے تھے۔ اور سجادہ آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتا تھا۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے تو سجدے کرتے کرتے پیشانی نورانی پر مہرِ عبادت لگی ہوئی تھی۔

جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ کو قربتِ مکان کی وجہ سے برابر گھر بیٹھے بیٹھے سُنا کرتی تھیں۔ تفصیلِ بیان میں اگر کہیں عقوبت و عذابِ الٰہی کا ذکر سُن لیا تو آپ کے قلبِ نورانی پر خوف کا ایسا عالم طاری ہوتا تھا کہ غش پر غش آنے لگتے تھے۔ دشمنوں کی جان پر بن جاتی تھی۔ خود بھی تلاوتِ قرآن فرماتے وقت اگر وعید عذاب و عقاب پر نگاہ جا پڑی تو تمام جسمِ مطہر کانپ گیا۔ اور مآلِ آخرت کا خیال فرما کر روتے روتے بیہوش ہو گئیں۔

اسلام کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ عذابِ دوزخ کی نسبت چند آیتیں نازل ہوئیں۔ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا روئے کہ آپ کی بیقراری اور شدتِ گریہ و زاری دیکھکر تمام حاضرین اور جماعتِ مسلمین پکار پکار کر رونے لگی۔ جب آنحضرت صلعم کا رونا کسی طرح نہ رُکا اور اس شدتِ گریہ و بُکا کا اصلی سبب بھی دریافت نہ ہو سکا تو سب نے ملکر جنابِ سیدہ ؑ کو بُلا لانے کی تجویز ٹھیرائی کیونکہ یہ معمول تھا کہ جب جنابِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہے کیسے ہی ملول و محزون کیوں نہوں مگر اپنی پارۂ جگر جنابِ سیدہ ؑ کو دیکھتے ہی شادان و مسرور ہو جاتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق مزاجدان صحابہ دروازۂ جنابِ سیدہ ؑ پر حاضر ہوئے جنابِ سلمان رضہ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہ ؑ تو چکی پیس رہی ہیں اور اُسی حالت میں ایک آیتِ قرآن کی برابر تلاوت فرماتی جاتی ہیں۔ سلمان رضہ بیٹھ گئے اور ساری رُوداد عرض کر دی۔ اپنے پدرِ بزرگوار کی یہ حالت سُنکر آپ بیقرار ہو گئیں فوراً اُٹھیں اور ایک گوشے سے ایک کمل اُٹھا کر اوڑھ لیا۔ جس میں پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں آپ کی ذاتی شان و عظمت اور اُس بوسیدہ اور کہنہ کمل کی صورت کو دیکھکر رونے لگا۔ غرضکہ اسی حالت سے جنابِ سیدۃ نساء العالمین حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ جنابِ سیدہ کی صورت کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئے۔ اُٹھے اور اپنی پارۂ جگر کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ جنابِ سیدہ ؑ نے سارا واقعہ خدمتِ رسالت میں عرض کر دیا۔ اور کہا کہ میں اس وقت چکی پیستی جاتی تھی۔ اور اس آیۂ قرآنی کی تلاوت کرتی جاتی تھی۔ قسم خدا کی میں حضور کو یقین دلاتی ہوں کہ آج پانچ برس سے میرے اور علی ؑ کے پاس بکری کی ایک کھال کے سوا کوئی دوسری چیز بچھانے کو نہیں ہے۔ یہ سُنکر جنابِ رسولِ خدا صلعم نے ارشاد فرمایا۔ اے میری لختِ جگر یقین کر لو کہ تمہارے صبر و شکر کا بدلہ خدا کے خزانۂ آخرت میں امانت ہے۔ اس کے بعد جنابِ سیدہ ؑ نے آپ سے شدتِ گریہ کا سبب پوچھا تو آپ نے وہ آیتیں پڑھ کر سُنائیں جو عقوبتِ دوزخ کی تفصیل میں نازل ہوئی تھیں۔ آپ کا سُننا تھا کہ سیدہ ؑ بیقرار ہو کر زمین پر گر پڑیں اور بار بار اُن کو تلاوت فرماتی جاتی تھیں۔ اور بیحد و انتہا روتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اُسی وقت خدائے کریم و رحیم نے آیۂ رحمت نازل فرمائی۔ تب جاکر باپ اور بیٹی (سلام اللہ علیہما) کو قرار و سکون آیا۔

[جامع] ترمذی میں مرقوم ہے :۔

عن عائشۃ قالت ما رأیت احداً اشبہ سمتاً ودلاً وھدیاً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی قیامھا وقعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کانت اذا دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام الیھا وقبلھا واجلسھا فی مجلسہ

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلعم کی نسبت چال میں اور انداز میں اور سیرت میں اور کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہو۔ اور جس وقت فاطمہ زہرا نبی صلعم کے پاس آتی تھیں تو آپؐ انکی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اُن کو اپنے بیٹھنے کے مقام پر بٹھاتے تھے۔

شاہ عبد الحقؒ صاحب محدّثِ دہلوی جذب القلوب میں رقمطراز ہیں :۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت عائشہ کے مکانوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ حضرت رسالتمآب صلعم اکثر اُسی کھڑکی سے برآمد ہوا کرتے تھے۔ اور ہر مرتبہ جنابِ علی مرتضےٰ جنابِ سیدہ اور جنابِ حسنین علیہم السلام کی خیر و عافیت دریافت فرماتے تھے۔ ایک بار اسی کھڑکی کی راہ سے حضرت عائشہ آتی تھیں۔ آتے وقت اُن کے اور جنابِ سیدہؑ کے درمیان کچھ نزاعِ لفظی واقع ہو گئی۔ جنابِ سیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے اُس کھڑکی کو بند کرا دیا۔

(جذب القلوب۔ عمدۃ المطالب)

اس کھڑکی پر کیا موقوف ہے۔ مسجدِ نبوی میں جن جن صاحبوں کے دروازے تھے وہ سب ایک ایک کرکے بند کروا دیئے گئے۔ سوائے جنابِ فاطمہ زہرا و علی مرتضےٰ علیہما السلام کے دروازہ کے۔ اس واقعہ کو بھی جذب القلوب محدّثِ دہلوی کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمایا جائے :۔

آوردہ اند کہ اصحابِ پیغمبر در مسجد نشستہ بودند ناگاہ منادی ندا آورد ایھا الناس سدّوا ابوابکم .... در مردم پیدا آمد لیکن ہیچ کسی برنہ ایستادہ بار دیگر ندا آمد سدّوا ابوابکم قبل ان ینزل العذاب۔ مردم ہمہ برآمدند و بکلّ از آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبادرت کردند علی مرتضےٰ نیز آمد و بر سر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بایستاد۔ آنحضرت صلعم فرمود توچہ ایستادہ برو و بخانۂ خود بنشیں و درِ خانۂ خود را بحالِ خود بگذار۔ و در میانِ مردم از ایں سخن گفتگوئے افتاد و بعضی در دلہا راہ یافت۔ آنحضرت صلعم .... غضب شدہ بمنبر رفت و حمد و ثنائے مولا کرد و گفت حق سبحانہ وتعالےٰ وحی فرستاد موسٰی علیہ السلام را کہ مسجدے بنا کن موصوف بصفتِ طہارت و ساکن نشود در وے جز تو و ہارونؑ و پسرانِ ہارونؑ شبّر و شبّیر۔ و ہمچنیں وحی کرد بمن کہ مسجدے سازم طاہر کہ ساکن نشود در وے جز من و علیؑ و پسرانِ او حسنؑ و حسینؑ۔ بمدینہ آمدم و مسجدے گرفتم۔ و مرا در آمدن مدینہ و مسجد اصلاً اختیارے نبود۔ من نمی کنم مگر آنچہ می کنانند و نمی دانم مگر آنچہ می دانانند۔ پس بر ناقہ خود سوار شدم و بیروں آمدم و قبائلِ انصار پیش آمدند تا بر ایشاں فرود آیم و منزل گیرم۔ و من بگفتۂ ایشاں فرود نیامدم و گفتم بر ناقہ من راہ تنگ مکنید۔ او مامور است۔ ہر جا کہ بنشیند منزلِ من ہماں است۔ واللہ من درہا را نہ بستہ ام و نہ کشادہ ام و علیؑ را من نہ در آوردہ ام۔ او را خدا در آوردہ۔ من چہ کنم۔

الفتِ رسولؐ فاطمہؑ کے دل میں

ابھی ابھی ہم مرقومۂ بالا بیان میں فاطمہؑ کی محبت و الفت جتنی اور جیسی جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر فیض مآثر میں مرکوز و مکنون تھی۔ کافی ثبوت و اسناد کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اُسی طرح جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنابِ سیدہؑ کی مفرط محبت اور بے حد الفت کے چند واقعات و حالات قلمبند کرتے ہیں۔

ہم اس مضمون کی ابتدا میں عرض کر آئے ہیں کہ فطرتِ انسانی اور طبیعتِ بشری کے قدرتی اصول کے مطابق ان تمام حالات و واقعات کا بیان فضول ہے اور بیکار۔ مگر جو مجبوری ہے ....

ترمذی میں مرقوم ہے :-

عن عائشۃ قالت ما رأیت احدا اشبہ سمتا ودلا وہدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی قیامہا وقعودہا من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کانت اذا دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام الیہا وقبلہا واجلسہا فی مجلسہ

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کی نسبت چال میں اور انداز میں اور سیرت میں اور کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہو۔ اور جس وقت فاطمہ زہرا نبی صلعم کے پاس آتی تھیں تو آپ انکی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اُن کو اپنے بیٹھنے کے مقام پر بٹھاتے تھے۔

شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی جذب القلوب میں قمطراز ہیں :- حضرت فاطمہ زہرا علیہا السّلام اور حضرت عائشہ کے مکانوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ حضرت رسالت مآب صلعم اکثر اُسی کھڑکی سے برآمد ہوا کرتے تھے۔ اور ہر مرتبہ جناب علی مرتضےٰ جناب سیدہ اور جناب حسنین علیہم السّلام کی خیر و عافیت دریافت فرماتے تھے۔ ایک بار اسی کھڑکی کی راہ سے حضرت عائشہ آتی تھیں۔ آتے وقت اُن کے اور جناب سیدہؑ کے درمیان کچھ نزاعِ لفظی واقع ہوگئی۔ جناب سیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے اُس کھڑکی کو بند کرادیا۔
(جذب القلوب۔ عمدۃ المطالب)

اس کھڑکی پر کیا موقوف ہے۔ مسجدِ نبوی میں جن جن صاحبوں کے دروازے تھے وہ سب ایک ایک کرکے بند کروا دیے گئے۔ سوائے جنابِ فاطمہ زہرا و علی مرتضےٰ علیہما السّلام کے دروازے کے۔ اس واقعہ کو بھی جذب القلوبِ محدّثِ دہلوی کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمایا جائے گا۔

آوردہ اند کہ اصحابِ پیغمبر در مسجد نشستہ بودند ناگاہ منادی ندا آورد ایہا الناس سدّوا ابوابکم در مردم پیدا آمد لیکن ہیچ کسی برنہ ایستادہ۔ بارِ دیگر ندا آمد سدّوا ابوابکم قبل ان ینزل العذاب۔ مردم ہمہ برآمدند و بکلّ از آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبادرت کردند علی مرتضےٰ نیز آمد و بر سر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بایستاد۔ آنحضرت صلعم فرمود توچہ ایستادۂ برو و بخانۂ خود بنشیں و درِ خانۂ خود را بحالِ خود بگذار۔ و درمیانِ مردم از ایں سخن گفتگوئے افتاد و بغی در دلہا راہ یافت۔ آنحضرت صلعم در غضب شدہ بمنبر رفت و حمد و ثنائے مولا کرد و گفت حق سبحانہ و تعالےٰ وحی فرستاد موسےٰ علیہ السّلام را کہ مسجدے بنا کن موصوف بصفتِ طہارت و ساکن نشود در وے جز تو و ہارونؑ و پسرانِ ہارونؑ شبّر و شبّیر۔ و ہمچنیں وحی کرد بمن کہ مسجدے سازم طاہر کہ ساکن نشود در وے جز من و علیؑ و پسرانِ او حسنؑ و حسینؑ۔ بمدینہ آمدم و مسجدے گرفتم۔ و مرا در آمدن مدینہ و مسجد اصل اختیارے نبود من نمی کنم مگر انچہ می کنانند و نمی دانم مگر انچہ می دانانند۔ پس بر ناقہ خود سوار شدم و بیرون آمدم و قبائلِ انصار پیش آمدند تا بر ایشاں فرود آیم و منزل گیرم۔ و من بگفتۂ ایشاں فرود نیامدم و گفتم بر ناقہ من راہ تنگ مکنید۔ او مامور است۔ ہر جا کہ بنشیند منزلِ من ہماں است۔ واللہ من درہا را نہ بستہ ام و نہ کشادہ ام و علیؑ را من نہ درآوردہ ام۔ او را خدا درآوردہ۔ من چہ کنم۔

الفتِ رسولؐ فاطمہؑ کے دل میں

ابھی ابھی ہم مرقومۂ بالا بیان میں فاطمہؑ کی محبت و الفت جتنی اور جیسی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطرِ فیض مآثر میں مرکوز و مکنون تھی۔ کافی شہادت و اسناد کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اُسی طرح جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنابِ سیدہؑ کی مفرط محبت اور بعید الفت کے چند واقعات و حالات قلمبند کرتے ہیں۔

ہم اس مضمون کی ابتدا میں عرض کر آئے ہیں کہ فطرتِ انسانی اور طبیعتِ بشری کے قدرتی اصول کے مطابق ان تمام حالات و واقعات کا بیان فضول ہے اور بیکار۔ مگر ہم مجبوری پڑتی ہے

...نے سابقہ قلمبند فرمایا ہے

...بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کئی دن کو فاقہ سے تھے۔ بھوک کی غیر متحمل شدت سے بیتاب ہوکر آپ ایک ایک ازواج کے گھر تشریف لے گئے۔ مگر کسی کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہ ملا۔ مایوس ہوکر جناب سیدہؑ کی عصمت سرا میں تشریف لائے۔ اور دریافت فرمایا کہ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ میں سخت بھوکا ہوں۔ یہ ارشاد سُنکر غریب سیدہؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ عرض کرنے لگیں کہ آج متواتر تین روز سے گھر میں فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں۔ کھانا کیا چیز ہے۔ میں اپنی جان تک آپ پر قربان کرنے کے لیے موجود اور تیار ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مایوس ہوکر مسجد میں چلے آئے۔ اتنے میں ایک کنیز دو روٹیاں اور قدرے گوشت آپ کی خدمت میں نذر لائی۔ سیدہؑ نے لے لیا اور اُس کو ایک کاسہ سے چھپا دیا۔ اور اپنے فاقہ زدہ بچوں سے چھپانے کے لیے احتیاطاً اُسپر ایک کپڑا بھی ڈالدیا۔ آپ کا مدعا یہ تھا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پہلے آکر نوش فرمالیں۔ پھر بچے تو بچوں کو دیا جائے ورنہ آج بھی فاقہ سے رہجائیں۔ یہ خیال فرما کر آپ نے جناب امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ مسجد میں جاکر اپنے جدّ بزرگوار کو جلدی سے بُلا لاؤ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مادر گرامی قدر کے حکم کی فوراً تعمیل فرمائی۔ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فوراً تشریف لائے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی کہ آپکے تشریف لیجانے کے بعد خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے اپنی فضل و کرم سے سامانِ رزق مہیا فرمادیا۔ میں نے اُسے بچوں کی نظر وں سے چھپا کر وہ سارا کھانا آپ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ ابھی حاضر کرتی ہوں۔ تناول فرمایا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا لے آؤ۔ جناب سیدہؑ اُس طعام کو لانے گئیں۔ اُس کاسے کو کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو وہ کاسے کا کاسہ روٹیوں اور گوشت سے پُر اور مملو پایا۔ حالانکہ اُس میں دو روٹی اور قدرے گوشت سے زائد کچھ نہیں رکھا گیا تھا۔ الغرض جناب سیدہؑ وہ کاسے کا کا آپکی خدمت میں اُٹھا لائیں اور خدمتِ نبوی میں ساری کیفیت عرض کردی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ! خدا جسے چاہتا ہے بحساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ فرما کر آپ نے حضرات علی مرتضےٰ اور حسنین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور پانچوں بزرگوار وں نے ملکر اُس عطیۂ الٰہی کو تناول فرمایا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّآل محمّد۔

حافظ جمال الدین محدّث لکھتے ہیں۔ ایک بار جناب سیّدہؑ مسجد میں تشریف لائیں۔ اور اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمتِ بابرکت میں روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پیشکش کیا۔ جنابِ سرورِ موجودات نے اپنی پارۂ جگر کے ہاتھ سے روٹی کا وہ ٹکڑا لے تو لیا مگر ایک حسرت آلود نگاہ سے فاطمہؑ کا مُنہ دیکھکر پوچھا کہ بیٹی! یہ کہاں سے مل گیا؟ سیدہؑ نے آبدیدہ ہوکر جواب دیا کہ تھوڑے جو مل گئے تھے اُنہیں پیسا اور دو وقتوں کے فاقہ کے بعد بچوں کے لیے روٹی پکائی۔ اُنہیں کھلانے کو چلی تھی کہ آپ کا خیال آگیا۔ بے اختیار ہوکر اُس روٹی سے یہ چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر حضور کی خدمت میں لے آئی۔ آپ یقین جانیں کہ دو متواتر فاقوں کے بعد میرے بچوں کو اتنی سی روٹی نصیب ہوئی ہے۔ یہ سُنکر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ روٹی کا وہ ننھا سا ٹکڑا آپ تناول فرمانے لگے اور کہنے لگے۔ ای فاطمہؑ! سچ مانو کہ متواتر چار وقتوں کے بعد روٹی کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے گلے سے نیچے اُترتا ہے۔ اللّٰھمّ ارحم وبارک علیٰ محمّد وآل محمّد کما بارکت وترحمت علیٰ ابراھیم وآل ابراھیم انّک حمید مجید۔

استجابتِ دعا

یا

درگاہِ ربّ العزت میں فاطمہؑ کا اقتدار اور عظمت

بارگاہِ رسالت میں جناب سیدہؑ کا جیسا اور جتنا اعزاز و امتیاز تھا وہ مرقومۂ بالا بیانات سے ظاہر ہوچکا ہے۔ اب ذیل کے مندرجہ واقعات میں آپ کی قدر و منزلت اور اقتدار و عظمت

... قلمبند فرمایا ہے

ایک بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دن کے فاقے سے تھے۔ بھوک کی غیر متحمل شدت سے بیتاب ہو کر آپ ایک ایک ازواج کے گھر تشریف لے گئے۔ مگر کسی کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہ ملا۔ مایوس ہو کر جناب سیدہؑ کی عصمت سرا میں تشریف لائے۔ اور دریافت فرمایا کہ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ میں سخت بھوکا ہوں۔ یہ ارشاد سنکر غریب سیدہؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ عرض کرنے لگیں کہ آج متواتر تین روز سے گھر میں فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں۔ کھانا کیا چیز ہے۔ میں اپنی جان تک آپ پر قربان کرنے کے لیے موجود اور تیار ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مایوس ہو کر مسجد میں چلے آئے۔ اتنے میں ایک کنیز دو روٹیاں اور قدرے گوشت آپ کی خدمت میں نذر لائی۔ سیدہؑ نے لے لیا اور اُس کو ایک کاسہ سے چھپا دیا۔ اور اپنے فاقہ زدہ بچوں سے چھپانے کے لیے احتیاطاً اُسپر ایک کپڑا بھی ڈالدیا۔ آپ کا مدعا یہ تھا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آکر نوش فرمالیں۔ پھر بچے تو بچوں کو دیا جائے ورنہ آج بھی فاقہ سے رہجائیں۔ یہ خیال فرما کر آپ نے جناب امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ مسجد میں جاکر اپنے جدّ بزرگوار کو جلدی سے بُلا لاؤ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مادر گرامی قدر کے حکم کی فوراً تعمیل فرمائی۔ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً تشریف لائے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی کہ آپکے تشریف لیجانے کے بعد خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اپنی فضل و کرم سے سامانِ رزق مہیا فرمادیا۔ میں نے اُسے بچوں کی نظروں سے چھپا کر وہ سارا کھانا آپ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ ابھی حاضر کرتی ہوں۔ تناول فرمایا جائے۔ آپنے ارشاد فرمایا لے آؤ۔ جناب سیدہؑ اُس طعام کو لانے گئیں۔ اُس کاسے کو کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو وہ کاسے کا کاسہ روٹیوں اور گوشت سے پُر اور مملو پایا۔ حالانکہ اُس میں دو روٹی اور قدرے گوشت سے زائد کچھ نہیں رکھا گیا تھا۔ الغرض جناب سیدہؑ وہ کاسے کا کاسہ آپکی خدمت میں اُٹھا لائیں اور خدمتِ نبوی میں ساری رُوداد عرض کردی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ! خدا جسے چاہتا ہے بیحساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ فرما کر آپنے حضرات علی مرتضےٰ اور حسنین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور پانچوں بزرگواروں نے ملکر اُس عطیۂ الٰہی کو تناول فرمایا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وّآل محمّد۔

حافظ جمال الدین محدّث لکھتے ہیں۔ ایک بار جناب سیّدہؑ مسجد میں تشریف لائیں۔ اور اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمتِ بابرکت میں روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پیشکش کیا۔ جنابِ سرورِ موجودات نے اپنی پارۂ جگر کے ہاتھ سے روٹی کا وہ ٹکڑا لے تو لیا مگر ایک حسرت آلود نگاہ سے فاطمہؑ کا مُنہ دیکھکر پوچھا کہ بیٹی! یہ کہاں سے مل گیا؟ سیدہؑ نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ تھوڑے جَو مل گئے تھے اُنہیں پیسا اور دو وقتوں کے فاقہ کے بعد بچوّں کے لیے روٹی پکائی۔ اُنہیں کھلانے کو چلی تھی کہ آپ کا خیال آگیا۔ بے اختیار ہو کر اُس روٹی سے یہ چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر حضور کی خدمت میں لے آئی۔ آپ یقین جانیں کہ دو متواتر فاقوں کے بعد میرے بچوّں کو اتنی سی روٹی نصیب ہوئی ہے۔ یہ سُنکر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ روٹی کا وہ ننھا سا ٹکڑا آپ تناول فرمانے لگے اور کہنے لگے۔ اے فاطمہؑ! سچ مانو کہ متواتر چار وقتوں کے بعد روٹی کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے گلے سے نیچے اُترتا ہے۔ اللّٰھمّ ارحم وبارک علیٰ محمّد وآل محمّد کما بارکت وترحمت علیٰ ابراھیم وآل ابراھیم انّک حمید مجید۔

استجابتِ دعا
یا
درگاہِ ربّ العزت میں فاطمہؑ کا اقتدار و عظمت

بارگاہِ رسالت میں جناب سیدہؑ کا جیسا اور جتنا اعزاز و امتیاز تھا وہ مرقومۂ بالا بیانات سے ظاہر ہو چکا ہے۔ اب ذیل کے مندرجہ واقعات میں آپ کی قدر و منزلت اور اقتدار و عظمت

کا جواب شاہان ہفت کشور کے خزانوں میں بھی نہ ہوگا۔ لیکن سب
کو معلوم ہوا کہ یہ خاتونِ گرامی منزلت فاطمہؑ بنت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ غم وحسد سے کانپ اُٹھیں اور
رخوبِ ندامت سے اپنی گردنیں جھکالیں اور اکثر عورتوں نے
گمان کیا کہ معاذ اللہ جناب رسالت مآب صلعم نے سحر کیا ہے۔
بالآخر چند خواتین ممتاز نے سامنے حاضر ہوکر عرض کی کہ اے
دختر مصطفےٰ جن شربتوں اور کھانوں کی تم کو رغبت ہو وہ
ہوا کریں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میرے
والد بزرگوار کا ارشاد ہے اجوع یومین واشبع یومین
دو دن بھوکے رہا کریں اور دو دن سیر۔ پس ہماری صفت
گرسنگی ہے۔ اور اگر میری رضا جوئی مقصود ہے تو اس سے
زیادہ کوئی امر میری مسرت و خوشنودی کا نہیں ہوسکتا کہ ظلمت کدۂ
کفر و ضلالت سے نکل کر فضائے نورانی ایمان و ہدایت میں
آؤ اور خدا اور رسولؐ کے نزدیک عزت پاؤ۔ یہ کلام معجز نظام
سنکر اُس مجمع میں سے اکثر خوش نصیب عورتیں بصدقِ دل
ایمان لائیں اور کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
(عمدۃ المطالب ص ١٩٧)

صاحبِ رسالہ سیرۃ فاطمہ رقمطراز ہیں[1]:۔
ایک دن کا ذکر ہے۔ عید کا مبارک تہوار تھا۔ آپ نمازِ فجر سے
فارغ ہوچکی تھیں۔ چکی پیس رہی تھیں کسبِ حلال اور صدق
مقال آپکو پنکھا جھل رہے تھے۔ ریاضت و مشقت آپ کی
بلائیں لے رہی تھیں۔ نفس کشی آپکے قدم کو بوسہ دیتی تھی۔
آپکے دونوں لعل پیارے اور نانا کے دُلارے حسنؑ و حسینؑ باہر
کھیل رہے تھے۔ اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ آج عید کا دن ہے
تو بے تحاشا دوڑے آئے اور آکر اماں جان سے لپٹ گئے۔
اور کہنے لگے کہ اماں کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آج عید ہے۔ آج وہ
دن ہے کہ امیر فقیر سب کے سب عیش و مسرت منائیں گے۔ آج کا دن ہمارے
نانا کی اُمت کی خوشی کا دن ہے۔ آج عیدگاہ میں ہمارے نانا
کے نام کا خطبہ پڑھا جائیگا اور قریش کے بچے اچھے اچھے کپڑے
پہنیں گے۔ خوشبوئیں لگائیں گے۔ اور اپنے تکلفات پر اترائیں گے۔

[1] انکی عبارت کی طرز بیان کے لیے ہم جوابدہ نہیں ہیں ۱۲ اولاد حیدر

یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہونگے۔ اونٹوں کو بھی سجائیں گے
اور انکو زیور پہنائیں گے۔ کیا ہم اسی حالت میں رہیں گے۔ لاؤ۔
ہمیں بھی اچھے اچھے کپڑے دو۔ تاکہ ہم عیدگاہ کو جائیں۔ جنابِ
سیدہ بچوں کی یہ باتیں سنتی تھیں اور دل میں بیقرار ہوتی تھیں کہ
اب لڑکوں کو کپڑے کہاں سے پہناؤنگی۔ اور کس طرح ان کا
دل بہلاؤں گی۔ گو دل میں پریشان و متفکر تھیں پر زبان
سے برابر تسلی دیتی تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ اچھا ذرا بیٹھو
تاکہ میں آٹا پیس لوں۔ پھر تمہیں نئی پوشاک پہناتی ہوں۔
لیکن بچوں کو یہ توقف بھی ناگوار تھا۔ وہ برابر ضد کرتے
تھے۔ مجبوراً چکی بند کرنی پڑی۔ بچوں سے کہا کہ اچھا جاؤ
اور خوب نہاؤ۔ دیکھو اب درزی آتا ہے اور تمہارے کپڑے
لاتا ہے۔ بچے یہ سنکر خوش ہوگئے اور غسل میں مصروف۔
بچے تو نہانے میں مصروف ہوگئے اور جنابِ فاطمہؑ نے مصلےٰ
بچھایا اور گریہ وزاری شروع کردی۔ آپ روتی تھیں اور
درگاہِ رب العزت میں دعا کرتی تھیں کہ بارالٰہا! میری
عزت و شرم تیرے ہاتھ ہے۔ اب تیرے سوا اور کون ہے
جو نبی کے نواسوں کو تسکین دے اور میرے قول و قرار
کو پورا کرے۔ تیری ذات شہنشاہ ہے۔ تیرے دریائے فیض و
کرم سے بیشمار تشنہ لبوں کی سیرابی ہوتی ہے۔ آج حسنینؑ
مجھ سے نئے کپڑے مانگتے ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ پیوند لگے
بھی میسر نہیں۔ ان معصوموں پر فضل کی نگاہ کر اور غیب کے
خزانہ سے ان کو مطلوبہ یا رجات پہنچا دے کہ آخر یہ تیرے
محبوب کے نواسے ہیں۔ تیری نظرِ کرم کے صدقے۔ ان کا دل
خوش ہوجائیگا۔ تو غنی ہے مسبب الاسباب ہے۔ تو دنیا جہاں
تو اسباب کی کیا کمی ہے۔ یہ معصوم نبیؐ کے نواسے ہیں۔ علیؑ
کی آنکھوں کے تارے اور میرے سہارے ہیں۔ ایسا نہو
کہ ان کا دل ٹوٹ جائے۔ اگر یہ اس منقیم الحالی میں عیدگاہ
گئے تو انکی سبکی ہوگی۔ قریش کے بچے ان پر انگلیاں اٹھائیں گے
اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ میں نے اپنے
ذاتی عیش و راحت کے لیے کبھی یہ سوال نہیں کیا۔ نہ اب
کرتی ہوں۔ صرف حسنینؑ کے لیے دروازہ کھٹکھٹاتی ہوں۔

کا جواب شاہان ہفت کشور کے خزانوں میں بھی نہ ہوگا۔ لیکن سب کو معلوم ہوا کہ یہ خاتون گرامی منزلت فاطمہؑ بنت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ غم و حسد سے کانپ اٹھیں اور رخوف ندامت سے اپنی گردنیں جھکالیں اور اکثر عورتوں نے گمان کیا کہ معاذ اللہ جناب رسالت مآب صلعم نے سحر کیا ہے۔ بالآخر چند خواتین ممتاز نے سامنے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے دختر مصطفےٰ جن شربتوں اور کھانوں کی تم کو رغبت ہو وہ پیدا کریں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میرے والد بزرگوار کا ارشاد ہے اجوع یومین واشبع یومین دو دن بھوکے رہا کریں اور دو دن سیر۔ پس ہماری صفت گرسنگی ہے۔ اور اگر میری رضاجوئی مقصود ہے تو اس سے زیادہ کوئی امر میری مسرت و خوشنودی کا نہیں ہوسکتا کہ ظلمت کدۂ کفر و ضلالت سے نکل کر فضائے نورانی ایمان و ہدایت میں آؤ اور خدا اور رسولؐ کے نزدیک عزت پاؤ۔ یہ کلام معجز نظام سنکر اُس مجمع میں سے اکثر خوش نصیب عورتیں بصدق دل ایمان لائیں اور کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(عمدۃ المطالب ص ۱۹۷)

صاحب رسالہ سیرۃ فاطمہ رقمطراز ہیں[1]:-

ایک دن کا ذکر ہے۔ عید کا مبارک تہوار تھا۔ آپ نماز فجر سے فارغ ہو چکی تھیں۔ چکی پیس رہی تھیں کسب حلال اور صدق مقال آپ کو پنکھا جھل رہے تھے۔ ریاضت و مشقت آپ کی بلائیں لے رہی تھیں۔ نفس کشی آپکے قدم کو بوسہ دیتی تھی۔ آپکے دونوں لعل پیارے اور نانا کے دُلارے حسنؑ و حسینؑ باہر کھیل رہے تھے۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ آج عید کا دن ہے تو بے تحاشا دوڑے آئے اور آکر اماں جان سے لپٹ گئے۔ اور کہنے لگے کہ اماں کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آج عید ہے۔ آج وہ دن ہے کہ امیر فقیر سب کے سب عیش و مسرت منائینگے۔ آج کا دن ہمارے نانا کی اُمت کی خوشی کا دن ہے۔ آج عیدگاہ میں ہمارے نانا کے نام کا خطبہ پڑھا جائیگا اور قریش کے بچے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گے۔ خوشبوئیں لگائینگے۔ اور اپنے تکلفات پر اترائینگے۔

یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہونگے۔ اونٹوں کو بھی سجائیں گے اور انکو زیور پہنائیں گے۔ کیا ہم اسی حالت میں رہیں گے۔ لاؤ۔ ہمیں بھی اچھے اچھے کپڑے دو۔ تاکہ ہم عیدگاہ کو جائیں جناب سیدہ بچوں کی یہ باتیں سنتی تھیں اور دل میں بیقرار ہوتی تھیں کہ اب لڑکوں کو کپڑے کہاں سے پہناؤنگی۔ اور کس طرح ان کا دل بہلاؤں گی۔ گو دل میں پریشان و متفکر تھیں پر زبان سے برابر تسلی دیتی تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ اچھا ذرا بیٹھو تاکہ میں آٹا پیس لوں۔ پھر تمہیں نئی پوشاک پہناتی ہوں۔ لیکن بچوں کو یہ توقف بھی ناگوار تھا۔ وہ برابر ضد کر رہے تھے۔ مجبوراً چکی بند کرنی پڑی۔ بچوں سے کہا کہ اچھا جاؤ اور خوب نہاؤ۔ دیکھو اب درزی آتا ہے اور تمہارے کپڑے لاتا ہے۔ بچے یہ سنکر خوش ہو گئے اور غسل میں مصروف۔ بچے تو نہانے میں مصروف ہو گئے اور جناب فاطمہؑ نے مصلےٰ بچھایا اور گریہ و زاری شروع کر دی۔ آپ روتی تھیں اور درگاہ رب العزت میں دعا کرتی تھیں کہ بار الٰہا! میری عزت و شرم تیرے ہاتھ ہے۔ اب تیرے سوا اور کون ہے جو نبی کے نواسوں کو تسکین دے اور میرے قول و قرار کو پورا کرے۔ تیری ذات شہنشاہ ہے۔ تیرے دریائے فیض و کرم سے بیشمار تشنہ لبوں کی سیرابی ہوتی ہے۔ آج حسنینؑ مجھ سے نئے کپڑے مانگتے ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ پیوند لگے بھی میسّر نہیں۔ ان معصوموں پر فضل کی نگاہ کر اور غیب کے خزانہ سے ان کو مطلوبہ پارچات پہنچا دے کہ آخر یہ تیرے محبوب کے نواسے ہیں۔ تیری نظر کرم کے صدقے۔ ان کا دل خوش ہو جائیگا۔ تو غنی ہے مسبب الاسباب ہے۔ تو دینا چاہے تو اسباب کی کیا کمی ہے۔ یہ معصوم نبیؐ کے نواسے ہیں علیؑ کی آنکھوں کے تارے اور میرے سہارے ہیں۔ ایسا نہو کہ ان کا دل ٹوٹ جائے۔ اگر یہ اس منتقم الحالی میں عیدگاہ گئے تو انکی سبکی ہوگی۔ قریش کے بچے ان پر انگلیاں اٹھائینگے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ میں نے اپنے ذاتی عیش و راحت کے لیے کبھی یہ سوال نہیں کیا۔ نہ اب کرتی ہوں۔ صرف حسنینؑ کے لیے دروازہ کھٹکھٹاتی ہوں۔

---

[1] انکی عبارت کی طرز بیان کے لیے ہم جوابدہ نہیں ہیں ۱۲ اولاد حیدر

واپس کر دی۔ وہ لیکر سیدہؑ کے پاس آئے۔ آپ نے اپنے
ہاتھ سے اُسے پیسا اور روٹی پکائی اور سلمانؓ کو دی سلمانؓ
نے کہا کہ اس میں سے تھوڑی روٹی بچوں کے لیے لے لیجیے۔
فرمایا سلمانؓ! خدا کی راہ پر دے چکے۔ اب بچوں کے لیے
لینا مناسب نہیں۔ سلمانؓ وہ روٹی لیکر سرور کائنات
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بیان کی۔
رسول کریم صلعم نے وہ روٹی اعرابی کو دی۔ اور سیدۃ النساء
کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اُداس دیکھا۔ دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ کھانا کھائے ہوئے تیسرا روز ہے۔
حضرت نے سیدۃ النساء کو اپنے پاس بٹھلایا۔ آسمان کی
طرف دیکھا اور دعا کی۔ الٰہی فاطمہؑ تیری لونڈی ہے۔
اس سے راضی رہیو۔ سیرۃ فاطمہ ص ۱۲۱۔

بعض کتابوں میں باسناد امام احمد ابن حنبل اور امام بیہقی اتنا
اضافہ اور درج ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فاطمہؑ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ بارک فیک ابنتی
حیث شئت۔ اے میری بیٹی! خدا تجھ کو برکت عطا فرمائے
جہاں تو رہے۔ عمدۃ المطالب۔

افلاس میں کمال استغنا

ادبستان قدرت سے اخلاق الٰہیہ کی کامل تعلیم پانیوالے دار العلوم
حکمت سے تہذیب و آداب ربانیہ کی تکمیل و تربیت کا پورا لطف
اُٹھانیوالے وہی حضرات مقدسین ہیں جن کو خدائے سبحانہ
وتعالٰے نے دفتر عالم میں روز ازل ہی سے چن کر علیحدہ
کر لیا ہے اور اپنے مقربین و متوسلین کے طبقات مخصوصین
میں لے لیا ہے۔ یہ وہی معدودے چند بزرگوار ہیں جنکے
اخلاق و عادات آراستہ۔ آداب و تہذیب شائستہ اور
تمام محامد و اوصاف بے نظیر و یکتا ہوتے ہیں۔ یہ وہی نفوس
عالیہ ہوتے ہیں جن کے ظاہری پیکر خاکی روحانیت کے
نورانی جوہروں سے حقیقت میں نگاہوں میں پُر از نور دکھلائی
دیتے ہیں۔ یہ وہی ذوات قدسی صفات ہیں جو قدرت
کی طرف سے آداب و اخلاق الٰہیہ کے نمونے بنا کر دنیا اور
دنیا والوں کی ہدایت کی غرض سے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں۔ اُن
مشیت کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ انہی حضرات سے جملہ ذاتی اور
صفاتی محاسن و مکارم اور محامد و اوصاف کی تعلیم حاصل
کیجائے۔ اور تمام دینی اور دنیاوی ضروریات میں انہی کی
تقلید اختیار کیجائے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے تمام صوری
اور معنوی۔ روحانی اور اخلاقی محامد و اوصاف اپنے والد
بزرگوار سے تن تنہا وراثت میں پائے تھے۔ جیسا کہ صحیح ترمذی
کی روایت سے جو حضرت عائشہ کی زبانی ابھی ابھی اوپر
نقل ہو چکی ہے پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے
خلق عظیم۔ کمال استغنا۔ صبر و قناعت کی لازوال نعمتیں
بھی پورے طور سے آپ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور پھر یوں
کہ اس میں آپکا کوئی دوسرا شریک و سہیم نہیں ہے۔

ظاہر بین نگاہوں میں استغنا یا صبر و قناعت کا کمال کچھ
دشوار اور محال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ہاں۔ افلاس میں
استغنا کا کمال۔ عسرت میں صبر و قناعت کا خیال اور ناداری
میں دل کی قوت داری اور استقلال البتہ کارے دارد۔
عام طبیعتداروں سے قطعی دشوار اور معمولی مزاج والوں سے
یقینی محال ہے۔ جناب سیدہؑ نے اپنی کمال عسرت۔ ناداری
اور حد درجہ کے افلاس کی حالتوں میں اپنی مستغنی المزاجی
کے کمال۔ سیر چشمی اور فیاضی کے ایسے عدیم المثال جوہر
دکھلائے ہیں کہ محققین اور مبصرین زمانہ کو آخر یہی کہنا پڑا
کہ یہ آپ ہی کا کام تھا۔

یہ تو بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ عسرت و ناداری اور غربت و افلاس
کی دولت آپ اپنے گھر سے گویا جہیز میں ساتھ لائی تھیں۔
خوش قسمتی سے اپنے شوہر عالی گوہر کے گھر میں آکر بھی سب سے
پہلے آپکو گویا یہی دولتیں رونمائی میں ملیں۔ دیدہ بینش
جبسے وا فرمائے گئے انہی دولتوں سے گھر کا گھر بھرا پایا گیا۔
جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو گھر کی مالی کمزوریاں دیکھکر نہ
کوئی ملال ہوا اور نہ قلق۔ بلکہ ایک گونہ مسرت محسوس کی
اور مفاخرت۔ اور وہ اس لیے کہ آپکی مستغنی المزاجی نے

واپس کر دی۔ وہ لیکر سیدہؑ کے پاس آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اُسے پیسا اور روٹی پکائی اور سلمانؓ کو دی سلمانؓ نے کہا کہ اس میں سے تھوڑی روٹی بچوں کے لیے لے لیجیے۔ فرمایا سلمانؓ! خدا کی راہ پر دے چکے۔ اب بچوں کے لیے لینا مناسب نہیں۔ سلمانؓ وہ روٹی لیکر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بیان کی۔ رسول کریم صلعم نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور سیدۃ النساء کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اُداس دیکھا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کھانا کھائے ہوئے تیسرا روز ہے۔ حضرت نے سیدۃ النساء کو اپنے پاس بٹھلایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔ الٰہی فاطمہؑ تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو۔ سیرۃ فاطمہ ص ۱۲۱۔

بعض کتابوں میں باسناد امام احمد ابن حنبل اور امام بیہقی اتنا اضافہ اور درج ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ بارك فيك ابنتي حيث شئت۔ اے میری بیٹی! خدا تجھ کو برکت عطا فرمائے جہاں تو رہے۔ عمدۃ المطالب۔

افلاس میں کمال استغنا

ادبستانِ قدرت سے اخلاق الٰہیہ کی کامل تعلیم پانیوالے دار العلوم حکمت سے تہذیب و آداب ربانیہ کی تکمیل و تربیت کا پورا لطف اُٹھانیوالے وہی حضرات مقدسین ہیں جن کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے دفترِ عالم میں روزِ ازل ہی سے چُن کر علیحدہ کر لیا ہے اور اپنے مقربین و متوسلین کے طبقات مخصوصین میں لے لیا ہے۔ یہ وہی معدودے چند بزرگوار ہیں جنکے اخلاق و عادات آراستہ۔ آداب و تہذیب شائستہ اور تمام محامد و اوصاف بے نظیر و یکتا ہوتے ہیں۔ یہ وہی نفوسِ عالیہ ہوتے ہیں جن کے ظاہری پیکر خاکی روحانیت کے نورانی جوہروں سے حقیقت میں نگاہوں میں پڑا درخلو دکھلائی دیتے ہیں۔ یہ وہی ذواتِ قدسی صفات ہیں جو قدرت کی طرف سے آداب و اخلاق الٰہیہ کے نمونے بنا کر دنیا اور دنیا والوں کی ہدایت کی غرض سے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور مشیت کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ انہی حضرات سے جملہ ذاتی اور صفاتی محاسن و مکارم اور محامد و اوصاف کی تعلیم حاصل کیجائے۔ اور تمام دینی اور دنیاوی ضروریات میں انہی کی تقلید اختیار کیجائے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے تمام صوری اور معنوی۔ روحانی اور اخلاقی محامد و اوصاف اپنے والد بزرگوار سے تن تنہا وراثت میں پائے تھے۔ جیسا کہ صحیح ترمذی کی روایت سے جو حضرت عائشہ کی زبانی ابھی ابھی اوپر نقل ہو چکی ہے پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے خلقِ عظیم۔ کمال استغنا۔ صبر و قناعت کی لازوال نعمتیں بھی پورے طور سے آپ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور پھر یوں کہ اس میں آپکا کوئی دوسرا شریک و سہیم نہیں ہے۔

ظاہر بین نگاہوں میں استغنا یا صبر و قناعت کا کمال کچھ دشوار اور محال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ہاں۔ افلاس میں استغنا کا کمال۔ عسرت میں صبر و قناعت کا خیال اور ناداری میں دل کی قوت داری اور استقلال البتہ کارے دارد۔ عام طبیعتداروں سے قطعی دشوار اور معمولی مزاج والوں سے یقینی محال ہے۔ جناب سیدہؑ نے اپنی کمال عسرت۔ ناداری اور حد درجہ کے افلاس کی حالتوں میں اپنی مستغنی المزاجی کے کمال۔ سیرچشمی اور فیاضی کے ایسے عدیم المثال جوہر دکھلائے ہیں کہ محققین اور مبصرین زمانہ کو آخر یہی کہنا پڑا کہ یہ آپ ہی کا کام تھا۔

یہ تو بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ عسرت و ناداری اور غربت و افلاس کی دولت آپ اپنے گھر سے گویا جہیز میں ساتھ لائی تھیں۔ خوش قسمتی سے اپنے شوہرِ عالی گوہر کے گھر میں آکر بھی سب سے پہلے آپکو گویا یہی دولتیں رونمائی میں ملیں۔ دیدہ بینش جبسے وا فرمائے گئے انہی دولتوں سے گھر کا گھر بھرا پایا گیا۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو گھر کی مالی کمزوریاں دیکھکر نہ کوئی ملال ہوا اور نہ قلق۔ بلکہ ایک گونہ مسرت محسوس کی اور مفاخرت۔ اور وہ اس لیے کہ آپکی مستغنی المزاجی نے

اور کھا۔ نے پینے کی چیزیں اور کپڑے اُن مسلمانوں کی نذر کر دیئے جو اُس وقت خدمتِ اسلام میں سربکف رہتے تھے۔ فاطمہ اُسامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپ کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ پھر جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جنابِ زہرا کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

پھر وہی مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک روز جنابِ سیدہ حضرت فاطمہ زہرا نماز پڑھ چکی تھیں اور مصلّے بچھائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں افلاس کا صدمہ تھا اور بچوں کی بھوک کا خیال تھا۔ کبھی سوچتی تھیں کہ خدا نے ہمیں دنیا میں ناحق پیدا کیا۔ نہ اچھا کپڑا نصیب ہے۔ نہ پیٹ بھر کے روٹی ملتی ہے۔ سر کی چادر میں پچیس ۲۵ پیوند لگے ہیں۔ اگر خدا ہمیں پیدا ہی نہ کرتا تو اُس کی خدائی میں کیا کمی آجاتی۔ حضرت فاطمہؑ انہی خیالوں میں اُداس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ناگاہ جنابِ رسول مقبول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کنیز سے اجازت لیکر گھر میں داخل ہو گئے اور اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھکر پوچھنے لگے۔ بیٹی کیا ہے۔ اُداس کیسے بیٹھی ہو۔ جنابِ فاطمہؑ اپنے والد کو دیکھکر چونک پڑیں۔ حالت کو سنبھالا۔ کھڑے ہوکر ادب سے سلام کیا اور عرض کرنے لگیں کہ حضرت یونہی اپنے افلاس و غربت کا خیال آگیا تھا۔ آپ حضرت خاتونِ جنت کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔ فاطمہؑ! ذرا اپنے مصلّے کا ایک گوشہ تو اُلٹ۔ حضرت سیدہؑ نے تعمیلِ ارشاد کی اور مصلّے کا ایک گوشہ اُلٹ دیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ اُس کے نیچے ایک نہر چاندی کی اور ایک سونے کی جاری ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ لو جس قدر چاہو سونا لیلو۔ چاندی لیلو۔ اب تمہارے اختیار میں ہے۔ اچھے سے اچھا کھاؤ۔ اچھے سے اچھا پہنو۔ محل بنواؤ۔ قلعہ چنواؤ۔ نوکر چاکر رکھو۔ غرضکہ جو چاہو کرو۔ مگر یہ خوب سمجھ لو کہ یہ آرام دنیا میں صرف چند روز ہے اور پھر عقبےٰ میں ملنے ملانے کو خاک بھی نہیں ہے۔ یا تو دنیا میں لیلو یا عقبےٰ کے لیے رکھ چھوڑو۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا کہ ابا جان! میں اپنے خیالات سے تائب ہوتی ہوں۔ اب کبھی انشاء اللہ ایسا وسوسہ دل میں نہ لاؤنگی۔ مجھے دنیا کی دولت کی ضرورت نہیں۔ یہ کہکر اپنے مصلّے کا گوشہ سیدھا کر دیا۔ سیر الفاطمۃ الزہرا ص ۱۲۵-۲۶۔

جلاء العیون میں ملّا مجلسی علیہ الرّحمہ کتاب بشارۃ المصطفےٰ کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک دن جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نمازِ عصر سے فارغ ہوکر مسجد میں تشریف فرما تھے اور اصحاب بھی خدمتِ بابرکت میں حاضر تھے۔ ناگاہ مہاجرینِ عرب سے ایک مردِ پیر پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ افلاس و ناداری کی بُری حالتوں میں گرفتار۔ مجبور و ناچار حاضرِ خدمت ہوا۔ شدّتِ افلاس اور پیری کے ضعف و نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ آیا اور آپ کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ آپ اُس سے متوجہ ہوئے اور اُسکا حال پوچھا۔ اُس پیرِ مرد نے عرض کی یا حضرت میں بھوکا ہوں مجھ کھانا دیجئے۔ میں ننگا ہوں، کپڑا دیجئے۔ محتاج ہوں۔ غنی اور بے نیاز فرما دیجئے۔ حضرت نے فرمایا تمہاری کسی غرض کے پورا کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن خیر کا پتہ دینے والا بھی خیر کرنیوالے کے برابر ہے۔ اُس شخص کے پاس تم جاؤ جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ رضائے خدا اپنی جان پر اختیار کر لیتا ہے۔ تم فاطمہؑ کے گھر جاؤ۔ وہ ایسی نیک بی بی ہے جو ان تمام اوصاف سے موصوف ہے۔ وہ تمہاری تمام حاجتوں کو پورا کر دیگی۔ فاطمہؑ کا حجرہ جنابِ رسولِ خدا کے حجرے سے متصل تھا۔ اور جب حضرت کو یہ منظور ہوتا تھا کہ ازواج سے علٰحدہ رہیں تو اسی حجرے میں قیام فرماتے تھے۔ پس حضرت نے بلال کو بلاکر حکم دیا کہ اس پیرِ مرد کو فاطمہ کے گھر لیجاؤ۔ جیسا وہ مردِ پیر دروازۂ جنابِ سیدہ پر حاضر ہوا تو باوازِ بلند ندا کی السّلام علیکم یا اهل بیت النبوّۃ و مختلف الملائکۃ و مهبط جبرئیل الرّوح الامین بالتنزیل من عند

اور رکھا۔ نہ پہننے کی چیزیں اور کپڑے اُن مسلمانوں کی نذر کر دیئے جو اُس وقت خدمتِ اسلام میں سرِ بکف رہتے تھے۔ فاطمہ اس شاہِ پیغمبر زادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپ کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ پھر جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جنابِ زہرا کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

پھر وہی مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک روز جنابِ سیّدہ حضرت فاطمۂ زہراؑ نماز پڑھ چکی تھیں اور مصلّے بچھائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں افلاس کا صدمہ تھا اور بچوّں کی بھوک کا خیال تھا۔ کبھی سوچتی تھیں کہ خدا نے ہمیں دنیا میں ناحق پیدا کیا۔ نہ اچھا کپڑا نصیب ہے۔ نہ پیٹ بھر کے روٹی ملتی ہے۔ سر کی چادر میں پچیس ۲۵ پیوند لگے ہیں۔ اگر خدا ہمیں پیدا ہی نہ کرتا تو اُس کی خدائی میں کیا کمی آجاتی۔ حضرت فاطمہؑ انہی خیالوں میں اُداس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ناگاہ جنابِ رسول مقبول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کنیز سے اجازت لیکر گھر میں داخل ہو گئے اور اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھکر پوچھنے لگے۔ بیٹی کیا ہے اُداس کیسے بیٹھی ہو۔ جنابِ فاطمہؑ اپنے والد کو دیکھکر چونک پڑیں۔ حالت کو سنبھالا۔ کھڑے ہوکر ادب سے سلام کیا اور عرض کرنے لگیں کہ حضرت یونہی اپنے افلاس و غربت کا خیال آگیا تھا۔ آپ حضرت خاتونِ جنّت کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔ فاطمہؑ! ذرا اپنے مصلّے کا ایک گوشہ تو اُلٹ۔ حضرت سیدہؑ نے تعمیلِ ارشاد کی اور مصلّے کا ایک گوشہ اُلٹ دیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ اُس کے نیچے ایک نہر چاندی کی اور ایک سونے کی جاری ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ لو جس قدر چاہو سونا لیلو۔ چاندی لیلو۔ اب تمہارے اختیار میں ہے۔ اچھے سے اچھا کھاؤ۔ اچھے سے اچھا پہنو۔ محل بنواؤ۔ قلعہ چنواؤ۔ نوکر چاکر رکھو۔ غرضکہ جو چاہو کرو۔ مگر یہ خوب سمجھ لو کہ یہ آرام دنیا میں صرف چند روز ہے اور پھر عقبےٰ میں ملنے ملانے کو خاک بھی نہیں ہے۔ یا تو دنیا میں لیلو یا عقبےٰ کے لیے رکھ چھوڑو۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا کہ اباجان! میں اپنے خیالات سے تائب ہوتی ہوں۔ اب کبھی انشاء اللہ ایسا وسوسہ دل میں نہ لاؤنگی۔ مجھے دنیا کی دولت کی ضرورت نہیں۔ یہ کہکر اپنے مصلّے کا گوشہ سیدھا کر دیا۔ سیرۃ الفاطمۃ الزہرا ص ۱۲۵-۲۶۔

جلاء العیون میں ملّا مجلسی علیہ الرّحمہ کتاب بشارۃ المصطفےٰ کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک دن جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نمازِ عصر سے فارغ ہوکر مسجد میں تشریف فرما تھے اور اصحاب بھی خدمتِ بابرکت میں حاضر تھے۔ ناگاہ مہاجرینِ عرب سے ایک مرد پیر پھٹے پُرانے کپڑے پہنے۔ افلاس و ناداری کی بُری حالتوں میں گرفتار۔ مجبور و ناچار حاضرِ خدمت ہوا۔ شدّتِ افلاس اور پیری کے ضعف و نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ آیا اور آپ کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ آپ اُس سے متوجّہ ہوئے اور اُسکا حال پوچھا۔ اُس پیر مرد نے عرض کی یا حضرت میں بھوکا ہوں مجھ کھانا دیجئے۔ میں ننگا ہوں۔ کپڑا دیجیے۔ محتاج ہوں۔ غنی اور بے نیاز فرما دیجیے۔ حضرت نے فرمایا تمہاری کسی غرض کے پورا کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن خیر کا پتہ دینے والا بھی خیر کرنیوالے کے برابر ہے۔ اُس شخص کے پاس تم جاؤ جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ رضائے خدا اپنی جان پر اختیار کر لیتا ہے۔ تم فاطمہؑ کے گھر جاؤ۔ وہ ایسی نیک بی بی ہے جو ان تمام اوصاف سے موصوف ہے۔ وہ تمہاری تمام حاجتوں کو پورا کردیگی۔ فاطمہؑ کا حجرہ جنابِ رسولِ خدا کے حجرے سے متصل تھا۔ اور جب حضرت کو یہ منظور ہوتا تھا کہ ازواج سے علیٰحدہ رہیں تو اسی حجرے میں قیام فرماتے تھے۔ بس حضرت نے بلال کو بلاکر حکم دیا کہ اس پیر مرد کو فاطمہ کے گھر لیجاؤ۔ جیسا وہ مرد پیر دروازۂ جنابِ سیّدہ پر حاضر ہوا تو با آوازِ بلند ندا کی السّلام علیکم یا اھل بیت النبوّۃ و مختلف الملائکۃ و مھبط جبرئیل الرّوح الامین بالتنزیل من عند

پس آنحضرت صلعم نے اُس اعرابی کی دعا پر آمین فرمائی۔ اور اصحاب سے مخاطب ہوکر ارشاد کیا کہ خدائے واہب العطایا نے فاطمہؑ کو آخرت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو اعرابی نے اپنی دعا میں اُنکے لیے مانگی تھیں اور دنیا میں یہ نعمتیں فاطمہؑ کے لیے عطا فرمائی ہیں کہ میں اُس کا باپ ہوں۔ جسکی مثال کوئی دنیا میں نہیں ہے۔ علی مرتضےٰ اُس کا شوہر ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی ہمسر اور کفو نہ ملتا۔ حسنینؑ جیسے بہترین عالم اُس کے فرزند ہیں جو جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں۔

حضرت عمار ابنِ یاسرؓ نے پھر اُس گلوبندِ مطہر کو مشک و عنبر سے معطر کیا اور ایک دوسری یمنی چادر میں لپیٹا۔ اور اپنے غلام سہل کو بُلا کر دیا اور کہا کہ اسے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں لیجا۔ اور میں نے تجھ کو بھی آنحضرت کی نذر کر دیا۔ وہ غلام خدمتِ رسولِ انام میں حاضر ہوا اور عمار یاسرؓ کی گزارش عرض کر دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تحفہ فاطمہ زہراؑ کو دے آؤ۔ اور تجھ کو بھی میں نے اُنہی کو دیدیا۔ الغرض وہ غلام جناب سیدہؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا مدعا خدمتِ اقدس میں عرض کی۔ جناب سیدہؑ نے مفصل کیفیت سُنکر وہ گلوبند لے لیا اور غلام سے کہا کہ میں نے تجھکو خدائے تعالےٰ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ آپ کا یہ ارشاد سُنکر وہ غلام متبسم ہوا۔ آپ نے اُس سے اُسکے تبسم کی وجہ دریافت فرمائی تو اُس نے دست بستہ عرض کی کہ میں اس گلوبند کی برکت پر تعجب کرتا ہوں کہ بھوکے کو کھانا کھلایا۔ برہنہ کو کپڑے پہنائے۔ فقیر کو غنی بنایا۔ غلام کو آزاد کیا اور پھر اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا۔

عام مراعات و موافقات میں دینی احتیاط

خلاق ہوں یا اشفاق۔ آداب ہوں یا لحاظ۔ رعایات ہوں یا موالات۔ یہ تمام اوصاف و محاسن احکامِ خداوندی کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر یہ محامد و مکارم فرمانِ الٰہی کے مطابق ہیں تو محامد و محاسن ہیں۔ ورنہ صحیح مفاسد اور صریح مظالم۔ جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا کے تمام محامد و اوصاف عام اس سے کہ اُن کا اظہار طبقۂ انسانی میں کسی کے ساتھ بھی کیا گیا ہو۔ وہ بالکل احکام یزدانی اور فرمانِ ربانی کے مطابق ہوتے تھے۔ اور اُنکی حقیقت اور اصلیت میں ظاہرداری اور ناجائز پاسداری کی سرِ مو شرکت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور ان تمام مراسم و مسالک میں احکامِ خداوندی اور شریعتِ الٰہی کی نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ پوری متابعت برتی جاتی تھی۔ ذیل کے دونوں واقعات ہمارے سلسلۂ بیان کے مندرجۂ بالا عنوان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہمسایہ میں ایک یہودی کا مکان تھا۔ اُسکی ایک لڑکی تھی۔ جو جناب سیدہؑ سے بہت ہل گئی تھی۔ روزانہ پہروں آکر آپ کی خدمت میں بیٹھی ہا کرتی تھی۔ اور آپکے کلامِ صداقت التیام کو گھنٹوں سُنا کرتی تھی۔ ایک دن آپ کی خدمتِ بابرکت میں آئی تو کوئی ڈھکی ہوئی چیز لائی اور جناب سیدہؑ کے سامنے رکھدی۔ آپ نے اُسے کھولا تو ایک چھوٹے سے ظرف میں تھوڑا سا تازہ بنا ہوا حلوا دیکھا۔ سوچیں کہ یہ غیر مسلم کا مال ہے اور اُس کی پکائی ہوئی چیز۔ اسکا لینا۔ اسکا کھانا دونوں ممنوع ہے۔ مگر یہ لڑکی محبت سے لائی ہے۔ ہماری احتیاط اور شرعی مجبوری سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر اسے فوراً واپس دیتی ہوں تو اس کی بڑی دلشکنی ہوتی ہے۔ اور خلق و مروت کے مخالف ثابت ہوتا ہے۔ یہ سوچکر آپ نے اُس سے فرمایا کہ اچھا تم لائیں۔ میں نے لے لیا۔ اب تم اِسے اُٹھاکر گھر میں فلاں مقام پر رکھ آؤ۔ لڑکی نے اُٹھکر فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ یہودی کی لڑکی آپ کی خدمت سے اُٹھکر اپنے گھر چلی گئی تو آپ نے حضرت فضہؓ سے سارا واقعہ دُہرایا تو فضہؓ نے عرض کی کہ بہتر ہے۔ یہ حلوا اہلِ صفہ (فقرائے مسلمین) کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجدیا جائے آپ نے فوراً جواب میں ارشاد فرمایا کہ فضہؓ! کیا کہتی ہو۔ جو چیز خدا

کی راہ میں اُس شے کو دیدوں جسے میں خود اپنے لیے لینا اور رکھنا قبول نہیں کرتی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تو اس حلوے کو اُٹھالے اور سوقِ بنی قینقاع (مدینہ میں یہودیوں کا ایک مشہور اور قدیم بازار تھا) میں لیجا کر کسی راہب یہودی کو دے آ۔ کہ وہی اس کا سب سے اچھا اور بہتر مستحق ہے۔ حضرت فضہؓ نے فوراً اُٹھکر تعمیلِ ارشاد کر دی۔ پھر ایک مرتبہ وہی لڑکی چند درہم و دینار اپنے ساتھ گھر سے لیتی آئی۔ اور آپ کی خدمت میں پیشکش کیے۔ اب آپ کو اُس کی یہ حرکت پہلے سے بھی زیادہ بیجا اور نازیبا معلوم ہوئی۔ آپ نے اُس سے تادیباً ارشاد کیا کہ یہ تمہارا مال ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ اتنی سی عمر میں تمہارے پاس یہ درہم و دینار کہاں سے آئے۔ ضرور ہوا کہ یہ مال پرایا مال ہو۔ جسے میں اپنے ہاتھ سے بھی نہیں چھو سکتی۔ غالباً تم اپنے ماں باپ سے چھپا کر اور اُنکی آنکھ بچا کر یہ مال میرے پاس لائی ہو۔ جو سرقہ ہے۔ اس لیے میں کیا کوئی خداسے ڈرنیوالا مسلمان اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اسے فوراً میرے سامنے سے اُٹھا لیجاؤ۔ اور خبردار کبھی بھولکر بھی پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر تم بیحد محتاج ہو اور لا انتہا مفلس و نادار تو کوئی بڑی بات نہیں۔ نیت اصل شئے ہے۔ جب وہ درست ہے تو انسان کے تمام دینی اور دنیاوی محاسن درست ہیں۔ باختلاف الفاظ سیرۃ الفاطمہ ص ۱۶۳۔

جود و سخا اور دوسروں کی حاجت کی اپنی ضرورت پر تقدیم

جنابِ سیدہؑ کے ایثار و بخشش کا دروازہ بابِ اجابت کی طرح محتاجین مستحقین اور عام مساکین کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جناب فاطمۃ الزہرا و بتول العذراء ہاشم فیاض صم

لطف و سخا۔ داد و دہش اور عام ایثار و بخشش کی کوئی تفصیل تکمیل حاصل ہوگی۔ جو واقعات گزشتہ عنوانات میں اکثر مقامات پر قلمبند کیے گئے ہیں وہی مندرجات بیانیہ کی تصدیق کے لیے یہاں بھی کافی سمجھے جائیں گے۔ مگر مناسبت مقام اور سلسلہ بیان قائم رکھنے کی ضرورت سے مجبور ہو کر اُن پر ذیل کے واقعات کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جلاء العیون میں ملا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب کشف الغمہ اور امالی شیخ طوسی اور تفسیر فرات ابن ابراہیم کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار جناب علی مرتضےٰ گھر میں تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ سے کھانا طلب فرمایا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں جس نے میرے باپ کو مبعوث بہ رسالت فرمایا ہے کہ میرے پاس اس وقت کوئی شے ایسی موجود نہیں ہے کہ تمہیں کھانیکو دوں۔ دو دن گزرے ہیں کہ گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا بجز اُس کھانے کے جو میں بچوں کے کھانے سے بچا کر تمہارے لیے اُٹھا رکھتی تھی اور بعض اوقات میں تمہارے کھانے کو اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے پر مقدم جانتی تھی۔ یہ سُنکر جناب امیرؑ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ! تم نے دو دن تک مجھ سے کہا کیوں نہیں کہ گھر میں کھانے کو نہیں ہے۔ جنابِ سیدہؑ نے فرمایا۔ اے ابوالحسن! مجھے اپنے خدا سے بڑی شرم آئی کہ تمہیں اُس امر کے لیے تکلیف دوں جس کو میں خود جانتی ہوں کہ تم اُس پر اس وقت قادر نہیں۔ یہ سُنکر جناب امیرؑ گھر سے باہر نکل آئے۔ کسی سے ایک دینار قرض لیا۔ بازار میں تشریف لا کر اہل و عیال کے لیے کچھ خریدنا چاہتے تھے کہ حضرت مقداد سے ملاقات ہو گئی۔ گرمی کے دن تھے اور اُس وقت دوپہر کی دھوپ میں مقداد کا سر کھلا ہوا تھا۔ اور تمازتِ آفتاب سے جلا جاتا تھا۔ اور پاؤں پکھنے جاتے تھے۔ اور گرمی کی شدت سے اُنکی بُری حالت ہو رہی تھی۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے مقداد کو اس حالت میں دیکھکر اُن سے کیفیت پوچھی تو مقداد نے عرض کی کہ اے ابوالحسن! تشریف لیجائیے اور میرا حال کچھ نہ پوچھیے۔ جنابِ امیرؑ نے

جواب دیا کہ مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ میں تمہیں اس حال میں دیکھوں اور حال نہ پوچھوں۔ مقداد نے حیا سے سر جھکا کر کہا کہ میں اہل و عیال کی شدتِ گرسنگی اور فقر و فاقہ دیکھکر گھر سے باہر نکل پڑا ہوں۔ اور اُن کو فاقوں سے روتا ہوا گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ جناب امیر علیہ السّلام یہ روئداد سُنکر اس قدر روئے کہ محاسنِ مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ فرمایا۔ اے مقداد! خدا کی قسم میں بھی اسی حال میں اور اسی کام کے لیے گھر سے نکلا ہوں۔ بڑی فکروں کے بعد یہ ایک دینار قرض لیا ہے مگر خدا گواہ ہے کہ میں تمہاری ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ضرور ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دینار لیلو اور اپنی ضرورت پوری کرو۔ مقداد ہر چند انکار کرتے رہے مگر آپ نے نہ مانا اور وہاں سے گھر میں تشریف لائے دیکھا جناب سیدہؑ بھوکے بچوں کو بہلا رہی ہیں۔ اور آغوش میں لیے ٹہلا رہی ہیں۔ مگر خود جناب ممدوحہ کا فاقوں سے یہ حال ہو رہا ہے کہ پایہائے مبارک میں لغزش ہے۔ جناب امیر علیہ السّلام زمین پر بیٹھ گئے اور ساری کیفیت بیان کردی۔ جناب سیدہؑ کا یہ حال سُننا تھا کہ حزن و ملال کی جگہ آپ کے روئے مبارک پر خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر و آشکار ہوگئے۔ آپ بیساختہ ہنس کر فرمانے لگیں کہ اے ابوالحسنؑ! اس سے بڑھکر ہماری تمہاری فرح و مسرت اور شرف و مفاخرت کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ آج ہم لوگوں نے اپنے نفس کی ضرورتوں کے مقابلے میں ایسے شخص کی ضرورتوں کو ترجیح دی ہے جو زاہد ترینِ اہلِ اسلام ہے۔ اور عابد ترینِ اہلِ ایمان صحابیِ رسول ہے اور خدا کا عبد مقبول۔ اتنی گفتگو کے بعد جناب امیر علیہ السّلام گھر سے مسجد میں چلے آئے اور نمازِ ظہر و عصر و مغرب جنابِ رسالت مآبؐ کے ہمراہ پڑھی۔ نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ مرتضےٰ کے قریب صفِ اوّل میں آئے۔ اب نماز پڑھکر بھوک کی شدت سے فرشِ مسجد پر لیٹ گئے تھے۔ جنابِ ختمی مرتبت نے پاؤں کے اشارے سے کہا کہ اے ابوالحسنؑ!

اُٹھو۔ آپ فوراً اُٹھے اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلے جب دروازۂ مسجد پر پہنچے تو جنابِ رسولِ خداؐ کو سلام کرکے گھر جانا چاہا۔ جناب سرورِ کائنات نے فرمایا۔ اے علیؑ! آج تمہارے یہاں کھانے کو ہے کہ میں چلکر کھاؤں۔ جناب امیرؑ نے فرطِ حیا سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ جنابِ رسالت مآبؐ بذریعۂ وحی جملہ کیفیت سے مطلع ہوچکے تھے۔ الغرض جنابِ علیؑ مرتضےٰ کو خموش پاکر آپ نے پوچھا کہ یا علیؑ! جواب کیوں نہیں دیتے؟ چُپ کیوں ہو؟ انکار کرو تو میں پھر جاؤں۔ اقرار کرو تو چلا چلوں۔ جناب امیرؑ نے عرض کی۔ شرم مانع جواب ہے اور باعثِ سکوت۔ آپ نے فرمایا کہ جب قصد ہوچکا ہے تو آؤ چلے چلیں۔ یہ فرماکر جنابِ امیرؑ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خانۂ جنابِ سیدہؑ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ابھی تک جنابِ سیدہؑ نماز میں مصروف ہیں۔ دونوں صاحب سیدہؑ کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار فرماتے رہے۔ اپنے والد بزرگوار کی آواز پہچان کر آپ نے نماز سے فراغت کی۔ سلام پھیر کر دیکھا تو آپ کے پیچھے غذائے لطیف و تازہ و گرما گرم سے ایک بھرا ہوا کاسہ رکھا ہے۔ آپ نے اُسکی طرف کچھ توجہ نہ فرمائی اور مصلے سے فوراً اُٹھکر اپنے پدرِ عالی مقدار کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور سلام عرض کیا۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے جوابِ سلام دیکر اپنا دستِ شفقت سیدہ کے فرقِ مبارک پر پھیرا۔ اور احوال پوچھا۔ جنابِ سیدہؑ نے عرض کی۔ بحمد اللہ خدا کا شکر ہے۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ! کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ جناب امیرؑ اپنے دل میں حیران اور سخت پریشان تھے کہ سیدہؑ آپ کے اس سوال کا کیا جواب دینگی۔ مگر آپ کے خیال کے خلاف آپ کے قیاس کے برعکس۔ جنابِ سیدہؑ نہایت مستعدی اور اطمینان سے فوراً اُٹھیں اور ایک کاسہ پُر از غذائے لذیذ و لطیف لاکر آپ کے سامنے رکھدیا۔ جنابِ امیرؑ نے سخت تعجب کی نگاہوں سے سیدہؑ کی طرف دیکھا۔ جنابِ سیدہؑ نے متبسم ہوکر کہا۔ اے ابوالحسنؑ! سبحان اللہ! آپ کیوں

مجھے اس وقت استعجاب و اضطراب کی سخت نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ میں نے تو آپ کی خدمت میں اس وقت سوائے خیر کے کوئی بدی نہیں کی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہؑ! آج تم نے قسم کھاکر مجھ سے کہا تھا کہ دو دن سے گھر میں کچھ کھانے کو موجود نہیں ہے۔ پھر اس وقت یہ ایسا نفیس اور لطیف کھانا ہم لوگوں کے لیے کہاں سے لائی ہو؟ یہ سُنکر جناب سیدہؑ نے فرقِ مبارک اپنا آسمان کی طرف اُٹھاکر فرمایا۔ پروردگار آسمان و زمین دانا و بینا ہے کہ میں نے سچی قسم کھائی تھی۔ جناب امیرؑ نے پوچھا کہ پھر تم ہی کہو کہ ایسا خوشگوار اور خوشبودار کھانا کہاں سے آگیا۔ میں نے تو ایسا کھانا نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ کبھی کھایا تھا۔

دونوں حضرات کی یہ تمام و کمال گفتگو سُنکر جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اُس خدائے برتر و اعلےٰ کا ہزار شکر و سپاس ہے کہ جس نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے یا علیؑ تم کو بمنزلہ حضرت زکریاؑ اور فاطمہؑ کو بمنزلہ مریمؑ بنتِ عمران دیکھ لیا۔ اے علیؑ! یہ عوض تمہارے اُس ایک دینار کا ہے جو تم نے مقداد کو دیا۔ اور یہ جزا تمہارے دینار کی ہے خدا کی طرف سے اور خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

سید ابن طاؤس نے بسندِ معتبر ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ نے ایک چادر زرتار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجی تھی۔ حضرت نے وہ چادر قبول فرماکر ارشاد کیا تھا کہ یہ چادر میں اُس شخص کو دونگا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا و رسولؐ اُسکو دوست رکھتے ہیں۔ یہ ارشاد سُنکر تمام لوگوں نے شوقِ دستیابی میں اپنی اپنی گردنیں اوپر اُٹھائیں۔ اس اثنا میں جنابِ سرورِ کائنات نے پوچھا علیؑ کہاں ہیں؟ آپ اُس وقت اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ عمارِ یاسرؓ جناب علی مرتضےٰ کے پاس دوڑے آئے اور سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ جناب امیرؑ گھر سے باہر آنے لگے تو سیدہؑ نے دریافت فرمایا کہاں جاتے ہو؟ جناب امیرؑ نے سارا ماجرا بیان کیا۔ جناب سیدہؑ نے ارشاد کیا۔ اتنی بیش قیمت چادر ہم لیکر اور رکھکر کیا کرینگے۔ بہتر ہے کہ رسولِ خدا نے ہمیں ایسی بیش قیمت شے عطا فرمائی ہے وہ ہم اُنہی کی راہ میں اُسکے محتاجوں اور اپنے سے زیادہ حاجتمندوں پر ایثار کردیں۔ سیدہؑ کا یہ ارشاد ہدایت و رشادت بنیاد سُنکر جناب امیر علیہ السلام گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔ جناب رسالتمآب نے وہ چادر آپ کو دیکر ارشاد فرمایا کہ تمام لوگوں میں اس چادر کے مستحق تم ہی ہو۔ جناب علی مرتضےٰ اُس چادر کو لیکر مسجد سے براہِ راست سوق اللیل (مدینہ کا مشہور بازار) میں تشریف لائے اور تار تار اُس چادر کے جُدا کرکے تمام سونا اُسکا مہاجر و انصار پر تقسیم فرمادیا۔ اور اُس میں کا ایک تار بھی اپنے ہمراہ گھر میں نہ لائے۔ اور جناب سیدہؑ سے ساری روئداد کہہ سُنائی۔ اُس روز بھی آپ کے گھر فاقہ تھا۔ دوسرے دن جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے چونکہ گھر میں آپ کی ضیافت کے لیے کچھ موجود نہیں تھا اس لیے آپ شرم و حیا کے مارے عرق عرق ہوگئے۔ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ! کل تمہیں خدائے واہب العطایا نے تین ہزار مثقال طلا عنایت فرمایا ہے۔ اس لیے میں اور میرے ہمراہی مہاجر و انصار کی یہ جماعت تمہارے پاس آئی ہے کہ تم اُس عطیۂ الٰہی سے ہم لوگوں کی ضیافت کرو۔ جناب امیر علیہ السلام خاموش ہوکر حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس چلے آئے۔ دیکھا کہ ایک بڑے کاسے میں بہت سی تازی روٹیاں اور گوشت رکھا ہوا ہے۔ جناب سیدہؑ نے کہا کہ لیجاؤ اور باہر تمام مہمانوں کو کھلادو۔ وہ اس قدر وزنی تھا کہ حضرت علی مرتضےٰ اُسے تنہا نہ اُٹھا سکے جناب سیدہؑ کی استمداد سے آپ اُسے بیرونی دروازے تک لائے۔ اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں رکھدیا۔ آپ قبل اسکے کہ اُس میں سے کچھ تناول فرمائیں یا کسی کو دیں فوراً اپنی مقام سے اُٹھے اور جناب سیدہؑ کے پاس گھر میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ اے پارۂ جگر! یہ غذا تم نے کہاں سے پائی ہے۔ آپنے عرض کی کہ میں اسکی نسبت سوائے اسکے اور کیا عرض کروں کہ خدا نے بھیجدی۔ اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ سُنکر آپ نے شکر خدا

کا سجدہ کیا۔ اور فرمایا کہ آج میں نے خدا کے فضل و کرم سے اپنی دختر کے پاس وہ سب خدا کی نعمتیں موجود دیکھ لیں جو زکریا نے مریم بنت عمران کے پاس گزشتہ زمانے میں ملاحظہ فرمائی تھیں۔ یہ فرما کر آپ باہر چلے آئے اور مہاجر و انصار کے ساتھ اس نعمت الٰہی کو تناول فرمایا۔

علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں تحریر کرتے ہیں:۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الحسن والحسین علیہما السلام مرضا فعادھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ومعہ ابوبکر وعمر فاروق فقالوا یا ابا الحسن لو نذرت علیٰ ذٰلک فنذر علی وفاطمۃ وفضۃ سلام اللہ علیہم اجمعین جاریۃ لھما ان ابرأ مما بھما یصوموا ثلٰثۃ ایام فشفیا وما معھم شیٔ فاستقرض علی علیہ السلام من شمعون الیہودی الخیبری ثلٰثۃ اصوع من الشعیر فطحنت فاطمۃ علیہا السلام صاعًا فخبزت خمسۃ اقراص علی عددھم ووضعتھا بین ایدیھم لیفطروا فوقف علیھم سائل فقال السلام علیکم یا اھل البیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی مسکین من مساکین المسلمین اطعمونی اطعمکم اللہ من موائد الجنۃ فاثروہ وباتوا لم یذوقوا الا الماء فاصبحوا صیاما فلما امسوا ووضعوا الطعام بین ایدیھم فوقف علیھم یتیم فاثروہ ووقف علیھم اسیر فی الثالثۃ ففعلوا مثل ذٰلک فلما اصبحوا صیاما اخذ علی علیہ السلام بید الحسن والحسین علیہما السلام اقبلوا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلما ابصرھم وھم یرتعشون کالفراخ من شدۃ الجوع قال ما اشد ما یسوءنی ما ارٰی بکم فقام الصق ظھرھا بطنھا وغارت عیناھا فساءہ ذٰلک فنزل جبرئیل علیہ السلام فقال خذھا یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ھناک اللہ تعالیٰ فی اھل بیتک فاقرء الاٰیۃ ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرات حسنین علیہما السلام بیمار ہوئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر اور عمر کو ساتھ لیکر انکی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ صحابہ نے عرض کی کہ اے ابوالحسنؑ! اگر آپ اپنے نور چشموں کی صحت کے لیے نذر مانتے تو بہتر تھا پس جناب امیرؑ، حضرت فاطمہ اور حضرت فضہ آپ کی خادمہ۔ سلام اللہ علیہم اجمعین نے ملکر صاحبزادوں کی تندرستی پر تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ پس جب دونوں صاحبزادے صحت پا گئے تو سب نے ملکر روزے رکھے۔ اُن لوگوں کے پاس اُس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے شمعون یہودی خیبری سے تین صاع گیہوں قرض لیے۔ ایک صاع گندم لیکر جناب سیدہؑ نے پیسے۔ اور اُس کی پانچ روٹیاں گھر کے آدمیوں کے شمار کے مطابق پکائیں۔ جونہی سب نے افطار کرنے کی نیت سے روٹیاں اپنے اپنے ہاتھوں میں اٹھائیں ویسے ہی ایک سائل نے دروازے پر آواز دی السلام علیکم یا اہل بیت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں مسلمان مساکین میں سے ایک مرد مسکین ہوں۔ مجھے کچھ کھانا کھلاؤ۔ خدا تمہیں جنت کی نعمتوں سے سیر کرے۔ سب نے اپنے اپنے کھانے اُٹھا دیے۔ اور اُسکو لا کر دیدیے۔ اور صرف پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ اور پھر دوسرے دن روزے سے رہے۔ جب رات ہوئی اور پھر افطار کے لیے کھانا سامنے آیا تو ایک سائل نے آواز دی کہ میں یتیم ہوں۔ پھر سب نے اپنا اپنا کھانا اُسے دے کر اور پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ پھر اسی طرح تیسرے روز کا افطار ایک قیدی کو بخشدیا گیا۔ صبح کو پھر روزہ تھا۔ جناب امیر علیہ السلام صبح کے وقت حضرات حسنین علیہما السلام کا ہاتھ پکڑ کر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک کی شدت سے پیٹھ سے پیٹ لگا ہوا تھا۔ اور دونوں صاحبزادے مرغ کے چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت نے اُنکو دیکھکر فرمایا کہ یا علیؑ انکی کیا حالت ہو رہی ہے جس سے مجھے رنج پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ جناب امیر علیہ السلام کے گھر میں تشریف لے گئے۔ جناب سیدہ کو محراب عبادت میں کھڑے دیکھا اس حالت میں کہ اُنکا پیٹ پیٹھ سے لگا تھا۔ اور اُنکی آنکھوں میں

ضعف سے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت کو یہ دیکھکر از حد ملال ہوا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام تشریف لائے اور کہنے لگے یا محمدؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! خدا تعالٰے آپ کو آپ کے اہلبیت علیہم السّلام کی نسبت تہنیت دیتا ہے اور یہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ کھلاتے ہیں کھانا اُسکی محبت میں فقیروں یتیموں اور اسیروں کو۔

جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے معمولات میں داخل تھا کہ ہمسایہ گھروں میں صبح و شام جاکر گھروں میں کھانا پکتے ہوئے آنکھوں آنکھ دیکھ آتی تھیں یا کبھی کبھی گھر کے کام دھندوں میں مصروفیت کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکتی تھیں تو صحن عصمت سرا سے پکار کر پوچھ لیا کرتی تھیں اور جب کسی موقع پر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ہمسایہ میں فلاں عورت کے گھر کھانا نہیں پکا ہے تو اُس دن اپنے یہاں جو کچھ پکاتی تھیں پہلے اُس کے گھر دے آتی تھیں تب اپنے بال بچّوں کو کھلاتی تھیں۔ اور جس روز ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ اُس دن اپنے یہاں بھی کچھ پکانے کو موجود نہ ہوتا تھا تو اُس دن تو البتہ مجبور ہو جاتی تھیں۔ مگر پھر جس دن اور جس وقت کھانے کو میسّر آجاتا تھا پہلے اُس ہمسایہ کے گھر دے آتی تھیں تب اپنے بال بچّوں کو کھلاتی اور آپ کھاتی تھیں۔

شرم و حیا اور عصمت و عفت

اصل تو یوں ہے کہ طبقۂ نسوانی میں قدرت ربّانی نے شرم و حیا عصمت و عفت کا پاک و پاکیزہ خلعت جناب سیّدہ کی مبارک قامت کے لیے خاص طور پر خلق فرمایا تھا اور آپ کی پیکر نورانی کو اُن اوصاف و محامد کے روحانی زیوروں سے آراستہ و پیراستہ فرما کر ناموس الٰہی اور حرمت حضرت رسالت پناہی کہلانے کا شرف عطا کیا تھا۔ اور اخلاق الٰہی اور ان تمام اوصاف و محامد کا کامل نمونہ بنایا تھا۔ اس ترکیب نورانی سے مشیت ایزدی کا صرف یہی مدعا تھا کہ دنیا اور دنیا کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ناموس الٰہی کی یہ شان ہوتی ہے اور حرمت حضرت رسالت پناہی کی یہ صورت۔ طبقۂ انسانی کے لیے عموماً اور گروہ نسوانی کے لیے خصوصاً یہ مجسم تصویر شرم و حیا کی پوری صورت۔ عفت و عصمت کی [illegible] تصویر۔ ارشاد و ہدایت کے لیے کافی ہے۔ یہ وہی [illegible] ہیں جو بمصداق آیۂ تطہیر ناموس الٰہی میں شامل ہو کے شرف پر فائز ہو چکی ہیں۔ یہ وہی محترمۂ مقدسہ ہیں جو بتقاضائے آیۂ مباہلۂ شریفہ نساءنا کے تخصیصی شرف میں داخل ہو چکی ہیں۔ پھر ایسی مخدومۂ ممدوحۂ عالم و عالمیان کی عصمت و عفت کا کیا کہنا۔ جس کے ان تمام اوصاف و محامد کی خود خدائے سبحانہ و تعالٰے ایک بار نہیں کئی بار ایک مقام پر نہیں کئی مقام پر تصدیق فرما چکا ہے۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مندرجۂ بالا عنوان اور سلسلۂ بیان کی تصدیق و توثیق کے لیے ذیل میں چند واقعات بطور نمونہ قلمبند کیے جاتے ہیں۔ صاحب سیرۃ فاطمہؑ تحریر کرتے ہیں:۔

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ کوئی عورت بلا اشد ضرورت دوسری عورت کو بھی ننگی نہ دیکھے۔ نہ دو عورتیں ننگے بدن ایک چادر میں لیٹیں۔ اور اگر کوئی عورت دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھ لے تو اُس کے اعضا اور بدن کی بناوٹ کی اپنے شوہر کے پاس تعریف نہ کرے۔ یہ اسی حیا کا تقاضہ تھا کہ آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے۔ اور رات کے وقت بھی جنازے پر پردہ بنا لیا جائے۔

ایک دفعہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السّلام سے دریافت فرمایا کہ عورتوں میں بہترین صفت کونسی ہے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب گھر میں آئے تو عندالتذکرہ جناب سیّدہؑ سے اسکا ذکر فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ سب سے اچھی صفت عورت کی اور ساری خوبیاں اُسکی یہی ہیں کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اُسے دیکھنے پائے۔

جناب علیؑ مرتضٰے جب پھر گھر سے خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے تو آپ نے جناب سیّدہؑ کا جواب آپکے حضور میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ میرے سوال کا صحیح جواب یہی ہے فاطمہؑ

تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔

ایک بار عبد اللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کرتے تھے۔ جناب رسول کریم سیدہ کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ یہ خبر سنکر عبد اللہ سیدہ کے گھر میں چلے آئے۔ جناب فاطمۃ زہرا اُن کو دیکھکر دوڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہوکر واپس گئے تو سیدہ باہر تشریف لے آئیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا۔ بیٹی! ابن مکتوم تو نابینا ہیں۔ تم نے کیوں تکلیف کی۔ آپ فرمانے لگیں۔ ابا جان! وہ اندھے تھے۔ لیکن میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی۔

آپ کی شرم وحیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے:۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نور چشم حضرت فاطمۃ کو ہبہ کر دیا تھا۔ سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمۃ اُس وقت ایسا چھوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اگر اُس سے سر ڈھکتیں تو وہ کپڑا ان کے پیروں تک نہ پہنچتا۔ اور اگر اُس سے پیر ڈھانکتیں تو سر ننگا ہوجاتا تھا۔ آپ نہایت اضطراب کی حالت میں اس کپڑے سے سارے بدن کے چھپانے کی کوشش کررہی تھیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ اے فاطمۃ! کچھ ڈر نہیں۔ جس سے تو شرمارہی ہے وہ صرف تیرا باپ ہے اور تیرا نابالغ غلام۔

آپ کے خلق عظیم کی ایک بینظیر مثال

شمعون یہودی۔ جو حضرت فاطمۃ کی ردا کی برکت سے مسلمان ہوگیا تھا اور اس وجہ سے اُسکو تمام یہودیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اُس سے اور اُس کے تمام گھر سے سارے تعلقات ترک کرتے تھے نہ وہ کسی کے گھر جانے پاتا تھا اور نہ کوئی اُسکے گھر آتا تھا۔ اُسکا بیوپار اور تمام تجارتی کاروبار بند کردی تھی۔ غرضکہ کوئی صدمہ بکوئی تکلیف اور ایذا ایسی نہیں چھوڑی جو یہودیوں نے ایک اسلام لانے کے جرم میں اُسکی غریب جان پر نہ ڈھائی ہو۔ ابھی تک اُسکی جان بچی چلی آئی تھی اور یہی اُسکو ہزار غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ قضائے الٰہی سے اُسکی بیوی نے رات کے وقت قضا کی۔ اتفاق وقت سے وہ رات بھی تاریک تھی اور زیادہ آگئی تھی۔ ہوا بھی بڑی تیزی سے چل رہی تھی۔ سردی بھی خوب چمکی ہوئی تھی۔ شمعون غریب محلہ میں گھر گھر ہو آیا مگر کوئی اس مصیبت میں اُسکی مدد کے لیے گھر سے باہر نہ نکلا۔ جناب سیدہ کو اُس کے اس جانگزا واقعہ اور اس جانکاہ مصیبت کی خبر ملی تو آپ فوراً اُسی تاریکی۔ سردی۔ ہوا کی شدت اور رات کے سناٹے کے عالم میں اپنے بیت الشرف سے نکل کر شمعون کے گھر میں تشریف لے گئیں۔ اُسکی بی بی کی میت اُس دم تک اُسی طرح ناپرسانی اور بےسرو سامانی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے میت کو اُٹھایا۔ غسل دیا اور اپنے ہی دست مطہر سے اُسکو کفن پہنایا اور میت کو تجہیز وتکفین کے تمام سامانوں کے ساتھ تیار اور مرتب فرمادیا۔

جناب سیدہ کے فضائل ومناقب

فریقین کی کتب معتبرہ میں حضرت فاطمۃ زہرا جناب بتول عذرا سیدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ حضرت ختم المرسلین سلام اللہ علٰے ابیہا وبعلہا وابنائہا اجمعین کے فضائل ومناقب اس کثرت سے ہیں کہ اُنکی تفصیل دشوار ہے۔ اس لیے ہم صرف اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی ضرورت سے آپکے چند فضائل ومناقب ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اپنی موجودہ عنوان بیان میں ہم پہلے خدائے سبحانہ وتعالٰے کی آیات منصوصہ سے آغاز کرتے ہیں۔ بعد اسکے آپکے فضائل ومناقب میں احادیث مخصوصہ کو بیان کرینگے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں مرقوم ہے:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورۂ احزاب جزو ۵)

عن عائشۃ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن

تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔

ایک بار عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کرتے تھے۔ جناب رسول کریم سیدہ کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ یہ خبر سنکر عبداللہ سیدہ کے گھر میں چلے آئے۔ جناب فاطمہ زہرا اُن کو دیکھکر دوڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہوکر واپس گئے تو سیدہ باہر تشریف لے آئیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا۔ بیٹی! ابن مکتوم تو نابینا ہیں۔ تم نے کیوں تکلیف کی۔ آپ فرمانے لگیں۔ ابا جان! وہ اندھے تھے۔ لیکن میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی۔

آپ کی شرم وحیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے:۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نور چشم حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ اُس وقت ایسا چھوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اگر اُس سے سر ڈھکتیں تو وہ کپڑا ان کے پیروں تک نہ پہنچتا۔ اور اگر اُس سے پیر ڈھانکتیں تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت اضطراب کی حالت میں اس کپڑے سے سارے بدن کے چھپانے کی کوشش کرتی تھیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ اے فاطمہ! کچھ ڈرو نہیں۔ جس سے تو شرما رہی ہے وہ صرف تیرا باپ ہے اور تیرا نابالغ غلام۔

آپ کے خلق عظیم کی ایک بےنظیر مثال

شمعون یہودی۔ جو حضرت فاطمہ کی ردا کی برکت سے مسلمان ہو گیا تھا اور اس وجہ سے اُسکو تمام یہودیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اُس سے اور اُس کے تمام گھر سے سارے تعلقات ترک کر دیئے تھے نہ وہ کسی کے گھر جانے پاتا تھا اور نہ کوئی اُسکے گھر آتا تھا۔ اُسکا بیوپار اور تمام تجارتی کاروبار بند کر دی تھی۔ غرضکہ کوئی صدمہ، کوئی تکلیف اور ایذا ایسی نہیں چھوڑی جو یہودیوں نے ایک اسلام لانے کے جرم میں اُسکی غریب جان پر نہ ڈھائی ہو۔ ابھی تک اُسکی جان بچی چلی آئی تھی اور یہی اُسکو ہزار غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ قضائے الٰہی سے اُسکی بیوی نے رات کے وقت قضا کی۔ اتفاق وقت سے وہ رات بھی تاریک تھی اور زیادہ آ گئی تھی۔ ہوا بھی بڑی تیزی سے چل رہی تھی۔ سردی بھی خوب چمکی ہوئی تھی۔ شمعون غریب محلہ میں گھر گھر ہو آیا مگر کوئی اس مصیبت میں اُسکی مدد کے لیے گھر سے باہر نہ نکلا۔ جناب سیدہ کو اُس کے اس جانگزا واقعہ اور اس جانکاہ مصیبت کی خبر ملی تو آپ فوراً اُسی تاریکی۔ سردی۔ ہوا کی شدت اور رات کے سناٹے کے عالم میں اپنے بیت الشرف سے نکل کر شمعون کے گھر میں تشریف لے گئیں۔ اُسکی بی بی کی میت اُس دم تک اُسی طرح نارسائی اور بے سرو سامانی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی مبارک ہاتھوں سے میت کو اُٹھایا۔ غسل دیا اور اپنے ہی دست مطہر سے اُسکو کفن پہنایا اور میت کو تجہیز و تکفین کے تمام سامانوں کے ساتھ تیار اور مرتب فرما دیا۔

جناب سیدہ کے فضائل و مناقب

فریقین کی کتب معتبرہ میں حضرت فاطمہ زہرا جناب بتول عذرا سیدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ حضرت ختم المرسلین سلام اللہ علے ابیہا وبعلہا وابنائہا الاجمعین کے فضائل و مناقب اس کثرت سے ہیں کہ اُنکی تفصیل دشوار ہے۔ اس لیے ہم صرف اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی ضرورت سے آپکے چند فضائل و مناقب ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اپنی موجودہ عنوان بیان میں ہم پہلے خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی آیات منصوصہ سے آغاز کرتے ہیں۔ بعد اسکے آپکے فضائل و مناقب میں احادیث مخصوصہ کو بیان کرینگے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں مرقوم ہے:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورۂ احزاب جزو ۵)

عن عائشۃ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن

فاطمہ علیہا السّلام ہیں۔ اور اُن سے موتی اور مونگے نکلے۔ موتی اور مونگے جنابِ حسنین علیہما السّلام ہیں۔ ارجح المطالب ص ۸۵۔

(۵) هو الّذی خلق من المآء بشرا فجعله نسبا و صهرا۔

عن محمد ابن سیرین رحمة الله علیه فی قوله تعالیٰ هو الّذی خلق الخ قال انها نزلت فی النبی صلّی الله علیه و اٰله وسلّم و علی ابن ابی طالب علیه السّلام فکان له نسبا و صهرا (کفایة الطّالب للعلّامة عبدالله ابن یوسف الکنجی الشّافعی۔

محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس آیۂ کریمہ کی شانِ نزول میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور حضرت علی مرتضٰے کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نسب کی وجہ سے حضرت علیؑ آنحضرت کے ابن عم ہیں اور جنابِ سیدۂ کے شوہر ہونے کے سبب سے آپ سے ان کے لیے سُسرال کا رشتہ ہے۔
(کفایۃ الطالب علامہ عبداللہ یوسف الکنجی الشافعی)

(۶) فی بیوت اذن الله ان ترفع و یذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدوّ والاصال۔

عن بریدة و انس قال قال رسول الله صلّی الله علیه و اٰله وسلّم فی بیوت اذن الله الخ فقال رجل ای بیوت هٰذه یا رسول الله م قال بیوت الانبیاء فقال ابوبکر هٰذا البیت منها و اشار الی بیت علی و فاطمة علیهما السّلام قال نعم من افاضلها۔ اخرجه ابن مردویه و امام جلال الدّین السّیوطی۔

علامہ ابن مردویہ اور امام جلال الدین سیوطی نے انس اور بریدہ کی اسناد سے لکھا ہے کہ جب جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے مذکورہ بالا آیت پڑھی تو ایک شخص عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ کن گھروں سے مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے گھروں سے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ گھر بھی اُنہی گھروں میں داخل ہے؟ حضرت سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں۔ بلکہ اُنکے بہترین میں ہے۔

جنابِ سیدہ علیہا السّلام کے فضائل ومناقب میں احادیث

اب ہم حسبِ وعدہ اپنے سلسلۂ بیان میں خدا کے کلام کے بعد جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے اقوال و ارشادات قلمبند کرتے ہیں۔ جو جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے فضائل و مناقب پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

فریقین کے علماء اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کرتے ہیں۔

قال النّبی صلّی الله علیه و اٰله وسلّم انّما سمیت النّبی صلّی الله علیه و اٰله وسلّم ابنتی فاطمة لانّ الله فطمها و محبیها عن النّار۔ اخرجه الدّیلمی۔

امام دیلمی لکھتے ہیں۔ فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ اس وجہ سے رکھا ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے اُس کو اور اُس کے دوستداروں کو آتشِ دوزخ سے نجات دی ہے۔

صحیح ترمذی میں مرقوم ہے:۔

عن عائشة رض قالت کانت (فاطمهؑ) اذا دخلت علی النّبی صلّی الله علیه و اٰله وسلّم قام الیها فقبّلها و اجلسها فی مجلسه۔

عائشہ سے منقول ہے کہ جس وقت جنابِ سیدہ عہ حضرت ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت

فاطمہ علیہا السلام ہیں۔ اور اُن سے موتی اور مونگے نکلے۔ موتی اور مونگے جناب حسنین علیہما السلام ہیں۔
ارجح المطالب ص ۸۵۔

(۵) هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا۔

عن محمد ابن سیرین رحمة الله علیه فی قوله تعالیٰ هو الذی خلق الخ قال انها نزلت فی النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم و علی ابن ابی طالب علیه السلام فکان له نسبا و صهرا کفایة الطالب لعلامة عبد الله ابن یوسف الکنجی الشافعی۔

محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کی شانِ نزول میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی مرتضےٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نسب کی وجہ سے حضرت علیؑ آنحضرت کے ابن عم ہیں اور جناب سیدہؑ کے شوہر ہونے کے سبب سے آپ سے ان کے لیے سُسرال کا رشتہ ہے۔
(کفایۃ الطالب علامہ عبداللہ یوسف الکنجی الشافعی)

(۶) فی بیوت اذن الله ان ترفع و یذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والاصال۔

عن بریدة و انس قال قال رسول الله صلی الله علیه و اٰله وسلم فی بیوت اذن الله الخ فقال رجل ای بیوت هذه یا رسول الله م قال بیوت الانبیاء فقال ابوبکر هذا البیت منها و اشار الی بیت علی و فاطمة علیهما السلام قال نعم من افاضلها۔ اخرجه ابن مردویه و امام جلال الدین السیوطی۔

علامہ ابن مردویہ اور امام جلال الدین سیوطی نے انس اور بریدہ کی اسناد سے لکھا ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت پڑھی تو ایک شخص عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ کن گھروں سے مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے گھروں سے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ گھر بھی اُنہی گھروں میں داخل ہے؟ حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ بلکہ اُنکے بہترین میں ہے۔

جناب سیدہ علیہا السلام کے فضائل ومناقب میں احادیث

اب ہم حسبِ وعدہ اپنے سلسلۂ بیان میں خدا کے کلام کے بعد جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال وارشادات قلمبند کرتے ہیں۔ جو جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے فضائل و مناقب پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

فریقین کے علماء اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کرتے ہیں۔
قال النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم انما سمیت النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم ابنتی فاطمة لان الله فطمها و محبیها عن النار۔ اخرجه الدیلمی۔

امام دیلمی لکھتے ہیں۔ فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ اس وجہ سے رکھا ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے اُس کو اور اُس کے دوستداروں کو آتشِ دوزخ سے نجات دی ہے۔

صحیح ترمذی میں مرقوم ہے:۔
عن عائشة رض قالت کانت (فاطمه) اذا دخلت علی النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم قام الیها فقبلها و اجلسها فی مجلسه۔

عائشہ سے منقول ہے کہ جس وقت جنابِ سیدہ ع حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت

کافی ہیں۔ مریم۔ آسیہ زن فرعون۔ خدیجہ اور فاطمہ
علیہن السّلام۔ اور تحقیق کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے
اس بات پر کہ یہ چار عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے
افضل ہیں۔

مسند بزاز اور کیمیائے سعادت امام غزالی میں مرقوم ہے۔

عن علی علیہ السّلام قال کنت عند رسول اللہ
صلعم قال النّبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم ای
شئ خیر للمرأۃ فسکتوا فلمّا رجعت
قلت لفاطمۃ ای شئ خیر النّساء قالت ان
لایراھن الرّجال فذکرت ذٰلک النّبی صلعم
فقال فاطمۃ بضعۃ منّی۔

حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت
رسولِ خدا کے پاس تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کونسی چیز عورت
کے لیے بہتر ہے۔ سب لوگ چُپ ہو گئے۔ پس جس وقت
کہ میں گھر میں آیا تو میں نے فاطمہؑ سے کہا کہ کونسی چیز
عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر
ہے کہ اُن کو مرد نہ دیکھ سکیں۔ پس میں نے جناب
رسولِ خدا سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ میرا
ایک جزوِ بدن ہے۔

صحیح بخاری میں مرقوم ہے:۔

قال النّبی صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم فاطمۃ
بضعۃ منّی فمن اغضبہا اغضبنی۔

فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ
فاطمہؑ میرا ایک جزوِ بدن ہے پس جس شخص نے کہ اُسکو
غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔

مسند امام حنبل اور مستدرک امام حاکم میں مرقوم ہے۔

عن المسوّر بن مخزمہ مرفوعاً فاطمۃ بضعۃ
منّی یغضبنی من یغضبہا وان الانساب ینقطع
یوم القیامۃ غیر نسبی وصہری۔

مسوّر ابن مخزمہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ فاطمہ میرا جزو بدن ہے۔
جو شخص کہ اُس کو غضبناک کرتا ہے وہ مجھے غضبناک
کرتا ہے۔ اور بتحقیق سب انساب بروز قیامت منقطع
ہو جائیں گے سوا میرے نسب اور دامادی کے۔

معجم طبرانی۔ نزل الابرار بدخشی اور نور الابصار شبلنجی میں
مسطور ہے:۔

عن علی علیہ السّلام ان رسول اللہ صلعم
قال لفاطمۃ یا فاطمۃ ان اللہ یغضب لغضبک
ویرضی لرضاک۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا
صلعم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ یا فاطمہؑ! بتحقیق اللہ تیرے
غضب کے سبب سے غضب میں آتا ہے اور تیری رضامندی
کے سبب سے راضی ہوتا ہے۔

امام مناوی اور علّامہ دیلمی نے حدیث بالا کو ان الفاظ
میں لکھا ہے:۔

قال رسول اللہ صلعم ان اللہ لیغضب لغضب
فاطمۃ ویرضی لرضاھا۔

فرمایا رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ خدا تعالےٰ
فاطمہؑ کے غضب سے غضب میں آتا ہے اور اُسکی رضامندی
سے راضی ہوتا ہے۔

مسانید امام بزاز وابویعلےٰ۔ معجم طبرانی اور مستدرک امام حاکم
میں مذکور ہے:۔

عن ابن مسعود ان النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
قال ان فاطمۃ ؑ احصنت نفسہا فحرّمہا اللہ ذرّیتہا
من النّار۔

ابن مسعود سے منقول ہے کہ تحقیق جناب رسولِ خدا صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ فاطمہؑ نے گناہوں سے اپنے
نفس کو بچایا پس اللہ نے اُس پر اور اُس کی اولاد پر آتشِ
دوزخ کو حرام کر دیا۔

صواعقِ محرقہ میں مسند ابویعلےٰ اور معجم طبرانی کی اسناد سے
تحریر ہے۔

روی ابن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال

کافی ہیں۔ مریم۔ آسیہ زن فرعون۔ خدیجہ اور فاطمہ
علیہن السلام۔ اور تحقیق کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے
اس بات پر کہ یہ چار عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے
افضل ہیں۔
مسند بزاز اور کیمیائے سعادت امام غزالی میں مرقوم ہے۔
عن علی علیہ السّلام قال کنت عند رسول اللہ
صلعم قال النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ای
شی خیر للمرأۃ فسکتو افلمّا رجعت
قلت لفاطمۃ ای شیٔ خیر النّساء قالت ان
لایراھن الرّجال فذکرت ذٰلک النّبی صلعم
فقال فاطمۃ بضعۃ منّی۔
حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت
رسول خدا کے پاس تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کونسی چیز عورت
کے لیے بہتر ہے۔ سب لوگ چُپ ہو گئے۔ پس جس وقت
کہ میں گھر میں آیا تو میں نے فاطمہؑ سے کہا کہ کونسی چیز
عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر
ہے کہ اُن کو مرد نہ دیکھ سکیں۔ پس میں نے جناب
رسول خدا سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ میرا
ایک جزو بدن ہے۔
صحیح بخاری میں مرقوم ہے:۔
قال النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فاطمۃ
بضعۃ منّی فمن اغضبھا اغضبنی۔
فرمایا جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ
فاطمہؑ میرا ایک جزو بدن ہے پس جس شخص نے کہ اُسکو
غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔
مسند امام حنبل اور مستدرک امام حاکم میں مرقوم ہے۔
عن المسوّر بن مخرمہ مرفوعا فاطمۃ بضعۃ
منّی یغضبنی من یغضبھا وان الانسٰب ینقطع
یوم القیامۃ غیر نسبی وصھری۔
مسوّر ابن مخرمہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت
صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ فاطمہ میرا جزو بدن ہے۔
جو شخص کہ اُس کو غضبناک کرتا ہے وہ مجھے غضبناک
کرتا ہے۔ اور تحقیق سب انساب بروز قیامت منقطع
ہو جائیں گے سوا میرے نسب اور دامادی کے۔
معجم طبرانی۔ نزل الابرار بدخشی اور نور الابصار شبلنجی میں
مسطور ہے:۔
عن علی علیہ السّلام ان رسول اللہ صلعم
قال لفاطمۃ یا فاطمۃ ان اللہ یغضب لغضبک
ویرضی لرضاک۔
حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا
صلعم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ یا فاطمہؑ! بتحقیق اللہ تیرے
غضب کے سبب سے غضب میں آتا ہے اور تیری رضامندی
کے سبب سے راضی ہوتا ہے۔
امام مناوی اور علامہ دیلمی نے حدیث بالا کو ان الفاظ
میں لکھا ہے:۔
قال رسول اللہ صلعم ان اللہ لیغضب لغضب
فاطمۃ ویرضی لرضاھا۔
فرمایا رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ خدا تعالےٰ
فاطمہؑ کے غضب سے غضب میں آتا ہے اور اُسکی رضامندی
سے راضی ہوتا ہے۔
مسانید امام بزاز و ابو یعلےٰ۔ معجم طبرانی اور مستدرک امام حاکم
میں مذکور ہے:۔
عن ابن مسعود ان النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
قال ان فاطمۃ احصنت نفسھا فحرّمھا اللہ وذرّیتھا
من النّار۔
ابن مسعود سے منقول ہے کہ تحقیق جناب رسول خدا صلّے اللہ
علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ فاطمہؑ نے گناہوں سے اپنے
نفس کو بچایا پس اللہ نے اُس پر اور اُس کی اولاد پر آتشِ
دوزخ کو حرام کر دیا۔
صواعق محرقہ میں مسند ابو یعلےٰ اور معجم طبرانی کی اسناد سے
تحریر ہے۔
روی ابن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال

ہوگا اور جو اُس سے بغض و عداوت کریگا وہ آتشِ جہنم
میں جلیگا۔ اے سلمانؓ! فاطمہؑ کی محبت سَو مقامات
سختی و شدت میں انسان کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور
مقامات مرگ۔ قبر۔ میزان۔ حساب و کتاب وغیرہ
اُسی میں شامل ہیں۔ جس سے فاطمہؑ راضی و خوشنود
ہوئیں اُس سے میں راضی و خوشنود ہوا اور جس سے
میں راضی و خوشنود ہوا خدا اُس سے راضی و خوشنود
ہوا۔ اور جس سے فاطمہؑ غضبناک ہوئیں اُس سے خدائے
سبحانہ وتعالےٰ غضبناک ہوا۔

امام طبرانی لکھتے ہیں :۔

عن ابی ھریرۃ قال النبی صلعم لعلی الفاطمۃ
احبّ الی منک وانت اعز علی منھا۔

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلےٰ اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ سے کہ فاطمہؑ تم سے
زیادہ مجھ کو محبوب ہے اور تم اُس سے زیادہ مجھکو
عزیز ہو۔

کنوز الحقائق میں مرقوم ہے :۔

اخرج الحاکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم قال یا فاطمۃ اصبری علی مرارۃ
الدنیا۔

حاکم سے منقول ہے کہ تحقیق جناب رسولِ خدا صلےٰ اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ! دنیا کی تلخی پر صبر
اختیار کرو۔

طبرانی میں ہے :۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمۃ
انت اول الناس لحوقابی۔

فرمایا جناب رسولِ خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے
فاطمہؑ! تم سب آدمیوں سے پہلے میرے پاس
پہنچو گی۔

صواعق محرقہ میں مذکور ہے :۔

وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قال اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد من
بطنان العرش یا اھل الجمع نکسوا رؤسکم
وغضوا ابصارکم حتی تمر فاطمۃ بنت محمد
علی الصراط فتمر مع سبعین الف جاریۃ من
الحور العین کمر البرق۔

مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے کہ جب روزِ قیامت ہوگا تو ایک منادی
باطنِ عرش سے ندا کرے گا کہ اے اہلِ مجمع اپنے سروں
کو جھکالو یہاں تک کہ فاطمہؑ بنتِ محمدؐ صراط سے گزر جائیں
پس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا مع ستر ہزار لونڈیوں
کے جو سب حوریں ہونگی صراط کے اوپر سے اس طرح
گزر جائیں گی جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کشف الغمۃ میں تحریر کرتے ہیں :۔

وروی ان یوم اھل الجمع (یوم القیامۃ)
یغض ابصارھم حتی تمر ابنتہ علی الصراط
وعلی کتفھا ثوب الحسین ملطخا بدمہ حتی
تقف بین یدی اللہ عزوجل فیقضی اللہ
تعالیٰ بینہما مایشاء۔

مروی ہے کہ اہلِ محشر کو حکم ہوگا کہ اپنی آنکھوں کو بند کرلیں
یہاں تک کہ فاطمہؑ بنت رسول خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ
وسلم صراط سے گزر جائیں۔ پس آپ تشریف لائیں گی۔
اور آپ کے دوشِ مبارک پر حضرت امام حسین علیہ السلام
کے خون آلود کپڑے دھرے ہونگے۔ یہاں تک کہ آپ
خدائے عزوجل کے سامنے کھڑی ہونگی پس اللہ تعالےٰ
اُن کے اور اُن کے دشمنوں کے درمیان حکم کرے گا جیسا
وہ چاہیگا۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا آنحضرت صلعم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں

فریقین شیعہ اور سُنّی حضرات کے مابین یہ مسئلہ قدیم الایام سے

ہوئیں اور جو اُس سے بغض و عداوت کریگا وہ آتشِ جہنم میں جلیگا۔ اے سلمانؓ! فاطمہؑ کی محبت سو مقاماتِ سختی و شدت میں انسان کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور مقاماتِ مرگ۔ قبر۔ میزان۔ حساب و کتاب وغیرہ اُسی میں شامل ہیں۔ جس سے فاطمہؑ راضی و خوشنود ہوئیں اُس سے میں راضی و خوشنود ہوا اور جس سے میں راضی و خوشنود ہوا خدا اُس سے راضی و خوشنود ہوا۔ اور جس سے فاطمہؑ غضبناک ہوئیں اُس سے خدائے سبحانہ و تعالےٰ غضبناک ہوا۔

امام طبرانی لکھتے ہیں:۔

عن ابی هریرة قال النبی صلعم لعلی الفاطمة احب الی منك وانت اعز علی منها۔

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ سے کہ فاطمہؑ تم سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے اور تم اُس سے زیادہ مجھکو عزیز ہو۔

کنوز الحقائق میں مرقوم ہے:۔

اخرج الحاکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یا فاطمة اصبری علی مرارة الدنیا۔

حاکم سے منقول ہے کہ بتحقیق جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ! دنیا کی تلخی پر صبر اختیار کرو۔

طبرانی میں ہے:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمة انت اول الناس لحوقابی۔

فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے فاطمہؑ! تم سب آدمیوں سے پہلے میرے پاس پہنچو گی۔

صواعق محرقہ میں مذکور ہے:۔

وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذا کان یوم القیامة نادی مناد من بطنان العرش یا اهل الجمع نکسوا رؤسکم وغضوا ابصارکم حتی تمر فاطمة بنت محمد علی الصراط فتمر مع سبعین الف جاریة من الحور العین کمر البرق۔

مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب روزِ قیامت ہوگا تو ایک منادی باطنِ عرش سے ندا کرے گا کہ اے اہلِ مجمع اپنے سروں کو جھکالو یہاں تک کہ فاطمہؑ بنتِ محمدؐ صراط سے گزر جائیں۔ پس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا مع ستر ہزار لونڈیوں کے جو سب حوریں ہونگی صراط کے اوپر سے اس طرح گزر جائیں گی جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کشف الغمۃ میں تحریر کرتے ہیں:۔

وروی ان یوم اهل الجمع (یوم القیامة) یغض ابصارهم حتی تمر ابنته علی الصراط وعلی کتفها ثوب الحسین ملطخا بدم حتی تقف بین یدی اللہ عزوجل فیقضی اللہ تعالی بینهما ما یشاء۔

مروی ہے کہ اہلِ محشر کو حکم ہوگا کہ اپنی آنکھوں کو بند کرلیں یہاں تک کہ فاطمہؑ بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صراط سے گزر جائیں۔ پس آپ تشریف لائیں گی۔ اور آپ کے دوشِ مبارک پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون آلود کپڑے دھرے ہونگے۔ یہاں تک کہ آپ خدائے عزّ و جل کے سامنے کھڑی ہونگی پس اللہ تعالےٰ اُن کے اور اُن کے دشمنوں کے درمیان حکم کرے گا جیسا وہ چاہیگا۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا آنحضرت صلعم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں

فریقین شیعہ اور سُنی حضرات کے مابین یہ مسئلہ قدیم الایام سے

مولود اند وطاہر ومطہر از یک شکم۔ دیگر ذکر کردہ است ایں
قول را صاحب صفوہ۔ پس ہمہ یازدہ باشند۔ وبعضے نقل
کردہ اند کہ زائیدہ شد برائے آنحضرت پیش از بعثت۔
پسرے کہ نام کرد اورا عبد مناف۔ پس مجموع دوازدہ تن
باشند۔ کہ ہم زائیدہ شدہ اند در اسلام غیر عبد مناف
وگفتہ است ابن اسحاق کہ زائیدہ شدہ اند غیر ابراہیم
پیش از اسلام و وفات یافتند در حالت رضاع وگزشت
از قول غیر او کہ عبد اللہ بعد نبوت مولود شدہ از ایں جہت
نامیدہ شد طیب وطاہر۔ پس حاصل شد از جمع اقوال ہشت
ذکور کہ از آنجملہ متفق علیہ قاسم وابراہیم وشش مختلف فیہ
عبد مناف۔ عبد اللہ۔ طیب۔ مطیب۔ طاہر ومطہر۔ واضح
آنست کہ سہ ذکور۔ قاسم۔ ابراہیم۔ عبد اللہ۔ وچہار اناث
وہمہ اولاد خدیجہ بنت خویلد غیر ابراہیم۔ وذکر ھذا الکلمۃ
فی المواھب ولا یخلوا عن غرابۃ۔

اس تعداد اولاد کے اتنے طومار کے بعد بھی اس سلسلہ کا تار
ٹوٹا نہیں۔ اسی کے متعلق ان علماء کی قیاسی اور وہمی تحقیقات
ایک اور مضحکہ خیز اور سخت عبرت انگیز مثال مشاہدہ
فرمائی جائے۔

اصابہ جلد ہشتم ص ۲۴۳ میں مرقوم ہے:۔

برکۃ بنت النبی۔ ذکرھا بعض من
جمع رجال العمدۃ للحافظ عبد الغنی فاورد
فی الکتاب شیئا من الترجمۃ النبویۃ
ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ
ثم زینب ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم۔

حضرت کی ایک بیٹی کا نام برکت ہے۔ جس کو جامعین
رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کچھ
حال حضرت کا بھی اُس میں ذکر کیا ہے۔ جس میں کہا ہے
کہ حضرت خدیجہ سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکۃ۔
پھر زینب۔ پھر رقیۃ۔ پھر فاطمۃ۔ پھر ام کلثوم۔
مگر فوراً ہی جب اس قیاس کی غلطی ثابت ہوگئی تو اسی
منہ میں تو بیٹھ جاتے ہیں۔

تقدمت فی القسم الثانی ثم ظہرلی انہ غلط
نشاء عن تحریف وذلک ان برکۃ مولاۃ النبی
کانت تربی اولادہ من خدیجۃ فلما ولد القاسم
خدمتہ برکۃ فکانہ کان فی الذی نقل منہ
ھذا المصنف کذلک فتحرفت علیہ الکلمۃ
حتی ظنھا شقیقۃ برکۃ واللہ اعلم۔

ہم قسم دوم میں برکۃ کو دختر نبی لکھ آئے ہیں۔ مگر بعد
اُس کے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے۔ جو تحریف سے پیدا
ہوئی ہے۔ کیونکہ برکۃ لونڈی تھی حضرت کی جو حضرت خدیجہ
کی اولاد کی خدمت کیا کرتی تھی۔ جب قاسم پیدا ہوئے تو
یہ اُن کی بھی خدمت کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب
میں اسی طرح تھا۔ جب اُس سے نقل کیا تو اُس میں یہ
تحریف ہو گئی۔ جس سے اُس نے سمجھا کہ برکۃ خواہر قاسم ہے۔

اس اختلاف بیانات پر جب ایک تحقیق طلب انسان
فکر و تلاش کی دقیق نظر ڈالیگا تو بخوبی سمجھ لیگا کہ جب
ایک اولاد کی صحیح تعداد قائم کرنے میں اتنے مختلف اقوال
واسناد اور متفرق مختار و اشہاد پیش کیے جاتے ہیں اور
اصل واقعہ سے ان حضرات کو اس قدر لاعلمی اور بیخبری
ہے کہ گھر کی خادمہ اور اولاد میں امتیاز نہیں کر سکتے تو
پھر ان کے کسی مختار کا کیا وزن ہو سکتا ہے اور کیا اعتبار۔

بہرحال۔ باایں ہمہ اختلافات۔ ان حضرات نے جناب
رسول خدا صلعم کی جتنی اولادیں قائم کی تھیں۔ وہ باسناد۔
روضۃ الاحباب ص ۶۰۱۔ ترتیب وار یہ ہیں۔ قاسم۔
عبد اللہ۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔
ان حضرات موسومہ بالا میں باستثنائے جناب ابراہیم
سب کے سب بقول اُن کے حضرت خدیجہ کے بطن
سے تھے۔

مرقومۂ بالا عبارت روضۃ الاحباب کو دیکھ کر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ قاسم اور عبد اللہ (طیب وطاہر) کے بارے
میں دونوں فریق کا اتفاق ہے۔ اور فریقین کا مختار
ہے کہ یہ دونوں فرزند جناب آنحضرت صلعم کے صلبی

مولود اند وطاہر ومطہر از یک شکم - دیگر ذکر کردہ است ایں قول را صاحب صفوہ - پس ہمہ یازدہ باشند - وبعضے نقل کردہ اند کہ زائیدہ شد برائے آنحضرت پیش از بعثت۔ پسرے کہ نام کرد اورا عبد مناف. پس مجموع دوازدہ تن باشند۔ کہ ہم زائیدہ شدہ اند در اسلام غیر عبد مناف وگفتہ است ابن اسحاق کہ زائیدہ شدہ اند غیر ابراہیم پیش از اسلام و وفات یافتند در حالتِ رضاع وگزشت از قول غیر او کہ عبد اللہ بعد نبوت مولود شدہ از ایں جہت نامیدہ شد طیب وطاہر۔ پس حاصل شد از جمع اقوال ہشت ذکور کہ از آنجملہ متفق علیہ قاسم و ابراہیم وشش مختلف فیہ۔ عبد مناف۔ عبد اللہ۔ طیب۔ مطیب۔ طاہر ومطہر۔ واضح آنست کہ سہ ذکور۔ قاسم۔ ابراہیم۔ عبد اللہ۔ وچہار اناث وہمہ اولادِ خدیجہ بنتِ خویلد غیر ابراہیم۔ وذکر ھذا الکلّہ فی المواھب ولا یخلوا عن غرابۃ۔

اس تعداد اولاد کے اتنے طومار کے بعد بھی اس سلسلہ کا تار ٹوٹا نہیں۔ اسی کے متعلق ان علمار کی تباسی اور وہمی تحقیقات ایک اور مضحکہ خیز اور سخت عبرت انگیز مثال مشاہدہ فرمائی جائے۔

اصابہ جلد ہشتم ص ۲۴۳ میں مرقوم ہے :-

برکۃ بنت النبی۔ ذکرھا بعض من جمع رجال العمدۃ للحافظ عبد الغنی فاورد فی الکتاب شیئا من الترجمۃ النبویّۃ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم۔

حضرت کی ایک بیٹی کا نام برکت ہے۔ جس کو جامعین رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کچھ حال حضرت کا بھی اُس میں ذکر کیا ہے۔ جس میں کہا ہے کہ حضرت خدیجہ سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکۃ۔ پھر زینب۔ پھر رقیہ۔ پھر فاطمہؑ۔ پھر ام کلثوم۔

مگر خود ہی جب اس قیاس کی غلطی ثابت ہو گئی تو اسکی سطور میں تحریر فرماتے ہیں۔

تقدّمت فی القسم الثانی ثم ظہر لی انہ غلط نشآء عن تحریف وذٰلک ان برکۃ مولاۃ النّبی کانت تربّی اولادہ من خدیجۃ فلما ولد القاسم خدمتہ برکہ فکانہ کان فی الّذی نقل منہ ھذا المصنّف کذٰلک فتحرفت علیہ الکلمۃ حتی ظنّھا شقیقۃ برکۃ واللہ اعلم۔

ہم قسم دوم میں برکۃ کو دختر نبی لکھ آئے ہیں۔ مگر بعد اُس کے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے۔ جو تحریف سے پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ برکۃ لونڈی تھی حضرت کی جو حضرت خدیجہ کی اولاد کی خدمت کیا کرتی تھی۔ جب قاسم پیدا ہوئے تو یہ اُن کی بھی خدمت کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب میں اسی طرح تھا۔ جب اُس سے نقل کیا تو اُس میں یہ تحریف ہو گئی۔ جس سے اُس نے سمجھا کہ برکۃ خواہر قاسم ہے۔

اس اختلاف بیانات پر جب ایک تحقیق طلب انسان فکر و تلاش کی دقیق نظر ڈالیگا تو بخوبی سمجھ لیگا کہ جب ایک اولاد کی صحیح تعداد قائم کرنے میں اتنے مختلف اقوال واسناد اور متفرق مختار واشہاد پیش کیے جاتے ہیں اور اصل واقعہ سے ان حضرات کو اس قدر لاعلمی اور بیخبری ہے کہ گھر کی خادمہ اور اولاد میں امتیاز نہیں کر سکتے تو پھر انکے کسی مختار کا کیا وزن ہو سکتا ہے اور کیا اعتبار۔

بہرحال۔ باایں ہمہ اختلافات۔ ان حضرات نے جناب رسول خدا صلعم کی جتنی اولادیں قائم کی ہیں۔ وہ باسناد۔ روضۃ الاحباب ص ۷۰۱ - ترتیب وار یہ ہیں۔ قاسم۔ عبد اللہ۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہؑ۔ ان حضرات موسومۂ بالا میں باستثنائے جناب ابراہیم سب کے سب بقول اُن کے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔

مرقومۂ بالا عبارتِ روضۃ الاحباب کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاسم اور عبد اللہ (طیب وطاہر) کے بارے میں دونوں فریق کا اتفاق ہے۔ اور فریقین کا مختار ہے کہ یہ دونوں شاہزادے آنحضرت صلعم کے صلبی فرزند

آنحضرت صلعم کی جو تعداد بتلائی ہے یا جو ترتیب وار فہرست تیار کی ہے وہ صحیح ہے۔

بہرحال۔ آنحضرت صلعم کی اولاد اور اُنکی تعداد۔ اُن کی ترتیب وغیرہ۔ جو کچھ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں پائی جاتی ہے وہ نہایت اختصار کے ساتھ حسبِ وعدہ محض تمہیداً اوپر عرض کی گئی۔ اب ہم اس کے بعد اپنے اس مدعائے بیان کو کہ جنابِ سیدہ کے سوا اور تین صاحبزادیاں آپ کی صلبی اولاد نہیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ تحریر میں ثابت کرتے ہیں۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی مدارج النبوۃ میں بذیل تذکرۂ رقیہؓ تحریر فرماتے ہیں :-

ذکر کردہ است دُولابی کہ تزوجِ عثمان برقیہؓ در جہالت بودہ وذکر کردہ غیرِ وے کہ بعد از اسلام بود۔ ص ۵۴۱۔

امام دولابی کا یہ قول کہ تزوجِ عثمان برقیہؓ در جاہلیت بودؔ تمام اجماع و اتفاقِ اہلسنت کے منافی ہے اور مخالف۔ کیونکہ سوادِ اعظم اہلسنت کے تمام علماء۔ محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ رقیہؓ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے قبل از ظہور اسلام کر دیا گیا تھا۔ اہلسنت حضرات پر منحصر نہیں شیعہ حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ رقیہؓ عام اس سے کہ آپ کی صلبی صاحبزادی ہوں یا نہوں عتبہ ابن ابولہب کے ساتھ قبل از بعثت بیاہ دی گئی تھیں۔

یہ ظاہر ہے کہ امام دُولابی علمائے اہلسنت کے طبقہ میں کوئی معمولی درجہ اور حیثیت کے عالم نہیں گزرے ہیں بلکہ بہت بڑے پایہ کے محقق۔ محدث اور معتبر اور مستند عالم شمار ہوتے ہیں۔ جب ایسے عالم کی شانِ تحقیق کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف حضرت عثمان کو دامادیٔ رسالتمآب کا خلعت پہنانے کی جلدی میں اتنا بھی آگے پیچھے کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اور اُن کو رسالتمآبؐ کا قدیم اور سب سے پہلا داماد ثابت کرنے کی خواہشوں میں بغیر سوچے سمجھے تاکر قبل از ظہورِ اسلام حضرت عثمان کے ساتھ بیاہ دیتا ہے تو اس مسئلے کیلئے کیا دشوار ہے اور مشکل کہ وہ رقیہؓ کو آنحضرت صلعم کی صلبی اولاد قرار دے۔ بلکہ میرا تو یقین ہے کہ ایسا ماننا اُسکا پہلا فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر اس عقیدے کے حضرت عثمان کی فضیلتِ دامادی کا اصل مضمون ہی خبط و محض بے ربط ہو جاتا ہے۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب لکھنے کو تو لکھ گئے۔ مگر ان کے اس مختار نے سوادِ اعظم اہلسنت کے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں جتنی دشواریاں اور جتنی مشکلیں پیدا کر دیں اُتنی ہی شبہوں کے اثباتِ مدعا اور تصدیقِ بیان میں سہولت اور آسانیاں قائم کر دیں ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔

یہ مسئلہ مسلمۂ فریقین ہے اور مختارِ جانبین کہ رقیہ قبل از اسلام عتبہ ابن ابی لہب کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ تو دُولابی صاحب کی تحقیق کے مطابق کیا کوئی عقل کا اندھا۔ اخلاق و تہذیب کا دشمن۔ ان کے اس غلط قول کی تاویل میں اس کے کہنے کی کبھی جرأت کر سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شاید وہ زوجۂ عثمان بھی ہوں۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب نے اپنے تمام علما و محدثین کے مختارِ متفقہ سے انکار تو کیا۔ مگر اُن کے انکار سے یہ ثابت ہوگیا کہ وہ قبل از اسلام بالغہ ہو چکی تھیں۔ اور جب قبل از اسلام اُن کا بلوغ ثابت ہے تو وہ پھر کسی طرح سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی صاحبزادی نہیں ثابت کی جاسکتیں۔

اب ہم اپنے اس دعوے کو کہ سوادِ اعظم اہلسنت میں رقیہ کے قبل از اسلام بالغ ہو جانے پر سب کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ امام دولابی کی تنہا رائے نہیں ہے ذیل کی اسناد و اشہادت سے ثابت کرتے ہیں۔

اصابہ جلد ۸ ص ۸۳ میں مرقوم ہے :-

وتزوجھا عتبۃ ابن ابی لھب قبل النبوۃ فلما بعث قال ابولھب راسی من راسك حرام۔

رقیہ کو قبل از نبوت عتبہ ابن ابی لہب نے بیاہا۔ جب آپ نے بعثت فرمائی تو ابولہب نے کہا کہ اب میرے تمہارے قرابت اور عزیزداری حرام ہے۔

آنحضرت صلعم کی جو تعداد بتلائی ہے یا جو ترتیب وار فہرست تیار کی ہے وہ صحیح ہے۔

بہرحال۔ آنحضرت صلعم کی اولاد اور اُنکی تعداد۔ اُن کی ترتیب وغیرہ۔ جو کچھ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں پائی جاتی ہے وہ نہایت اختصار کے ساتھ حسبِ وعدہ محض تمہیداً اوپر عرض کی گئی۔ اب ہم اس کے بعد اپنے اس مدعائے بیان کو کہ جنابِ سیّدہ کے سوا اور تین صاحبزادیاں آپ کی صلبی اولاد نہیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ تحریر میں ثابت کرتے ہیں۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی مدارج النبوۃ میں بذیل تذکرۂ رقیہ تحریر فرماتے ہیں :-

ذکر کردہ است دُولابی کہ تزوّج عثمان برقیہؓ در جہالت بودہ و ذکر کردہ غیر وے کہ بعد از اسلام بود۔ ص ۱۴۵۔

امام دولابی کا یہ قول کہ تزوّجِ عثمان برقیہ درجاہلیت بودْ تمام اجماعٌ واتفاقِ اہلسنت کے منافی ہے اور مخالف۔ کیونکہ سوادِ اعظم اہلسنت کے تمام علماء۔ محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ رقیہ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے قبل از ظہورِ اسلام کر دیا گیا تھا۔ اہلسنت حضرات پر منحصر نہیں شیعہ حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ رقیہ عام اس سے کہ آپ کی صلبی صاحبزادی ہوں یا نہوں عتبہ ابنِ ابولہب کے ساتھ قبل از بعثت بیاہ دی گئی تھیں۔

یہ ظاہر ہے کہ امام دُولابی علمائے اہلسنت کے طبقہ میں کوئی معمولی درجہ اور حیثیت کے عالم نہیں گزرے ہیں بلکہ بہت بڑے پایہ کے محقق۔ محدث اور معتبر اور مستند عالم شمار ہوتے ہیں۔ جب ایسے عالم کی شانِ تحقیق کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف حضرت عثمان کو دامادیِ رسالتمآب کا خلعت پہنانے کی جلدی اور تمنا میں آگے پیچھے کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اور اُن کو [illegible] کا قدیم اور سب سے پہلا داماد ثابت کرنے کی خواہشوں میں [illegible] تاکہ قبل از ظہورِ اسلام حضرت عثمان کے ساتھ بیاہ دیتا کہ تو اس مسئلے کیلئے کیا دشوار ہے اور مشکل کہ وہ رقیہ کو آنحضرت صلعم کی صُلبی اولاد قرار دے۔ بلکہ میرا تو یقین ہے کہ ایسا ماننا اُسکا پہلا فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر اس عقیدہ کے حضرت عثمان کی فضیلتِ دامادی کا اصل مضمون ہی خبط و محض بے ربط ہو جاتا ہے۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب لکھنے کو تو لکھ گئے۔ مگر ان کے اس مختار نے سوادِ اعظم اہلسنت کے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں جتنی دشواریاں اور جتنی مشکلیں پیدا کر دیں اُتنی ہی شیعوں کے اثباتِ مدعا اور تصدیقِ بیان میں سہولت اور آسانیاں قائم کر دیں ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔

یہ مسئلہ مسلمۂ فریقین ہے اور مختارِ جانبین کہ رقیہ قبل از اسلام عتبہ ابنِ ابی لہب کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ تو دُولابی صاحب کی تحقیق کے مطابق کیا کوئی عقل کا اندھا۔ اخلاق وتہذیب کا دشمن۔ ان کے اس غلط قول کی تاویل میں اس کے کہنے کی کبھی جراٗت کر سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شاید وہ زوجۂ عثمان بھی ہوں۔ استغفر اللہ ربّی واتوب الیہ۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب نے اپنے تمام علما و محدثین کے مختار متفقہ سے انکار تو کیا۔ مگر اُن کے انکار سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قبل از اسلام بالغہ ہو چکی تھیں۔ اور جب قبل از اسلام اُن کا بلوغ ثابت ہے تو وہ پھر کسی طرح سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی صاحبزادی نہیں ثابت کی جاسکتیں۔

اب ہم اپنے اس دعوے کو کہ سوادِ اعظم اہلسنت میں رقیہ کے قبل از اسلام بالغ ہو جانے پر سب کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ امام دولابی کی تنہا رائے نہیں ہے ذیل کی اسناد و اشہادت سے ثابت کرتے ہیں۔

اصابہ جلد ۸ ص ۸۳ میں مرقوم ہے :-

وزوّجها عتبة ابن ابی لهب قبل النبوّة فلما بعث قال ابولهب راسی من راسك حرام۔

رقیہ کو قبل از نبوت عتبہ ابنِ ابی لہب نے بیاہا۔ جب آپ نے بعثت فرمائی تو ابولہب نے کہا کہ اب میرے تمہارے قرابت اور عزیز داری حرام ہے۔

زینب۔ ام کلثوم اور رقیہ کیسے پیدا ہوگئیں۔ اور اُس پر طرّہ تو یہ ہے کہ قبلِ بعثت سب کی سب بالغہ و راشدہ بھی ہوگئیں۔ اور پھر ایسی کہ ایک بار نہیں دو دو بار بیاہی بھی گئیں۔

اب دوسری طرح سے اس تعجب انگیز اور حیرت خیز امر پر نظر ڈالی جائے۔ فریقین کے تمام علماءُ محدثین و مورخین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے عقد فرمایا تو اُس وقت آپ کا سن مبارک ۲۵ برس کا تھا۔ اور مبعوث برسالت ہونے کے وقت آپ چالیس برس کے ہوچکے تھے۔ تو پندرہ برس کی کل مُدت میں قاسم۔ طیّب۔ عبداللہ۔ زینب۔ رقیہ۔ امّ کلثوم اور جناب فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ اور ان میں تین صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ اور امِ کلثوم بالغہ بھی ہوگئیں اور دو دو بار بیاہ بھی دی گئیں۔ کبھی کسی کی عقلِ سلیم اس محالِ عظیم کو تسلیم کرسکتی ہے؟

پندرہ برس کی مدت میں اتنی اولادوں کا پیدا ہونا اگر بفرضِ محال ممکن مان بھی لیا جائے تو جناب خدیجۃ الکبرےٰ جیسی خاتونِ معظمہ سے جن کا سنِ شریف باتفاقِ فریقین عقد کے وقت چالیس برس کا ہوچکا تھا۔ جس کے بعد فطرتاً اور معمولاً ولادت کم ہوجاتی ہے۔ دس برس کے اندر اتنی کثیر الاولادی خلافِ عقل اور خارج از قیاس ہے۔ اور پھر بفرضِ محال اگر اتنے صاحبزادے اور صاحبزادیوں کا پیدا ہونا اتنی مدت میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو اتنی مدّت کے اندر تینوں لڑکیوں کا بالغ ہونا قطعی محال ہوگا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کا قبل از بعثت پیدا ہونا۔ بالغہ ہوجانا اور بیاہ دیا جانا۔ اور پھر ان میں سے دو خواتین کا شوہرِ اوّل سے طلاق پاکر دوبارہ بیاہے جانے پر اجماع ہوچکا ہے۔ اور اجماع بھی کیسا۔ فریقین کا۔

بہرحال۔ ان دشواریوں کے حل کرنے میں بغیر اسکے کوئی چارہ ممکن نہیں ہے کہ شیعوں کا یہ دعوےٰ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تینوں صاحبزادیاں زینب۔ امّ کلثوم اور رقیہ۔ یا تو حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے شوہرِ اوّل کی لڑکیاں تھیں یا اُن کی بہن ہالہ کی۔ کیونکہ ان تینوں لڑکیوں کا بالغہ ہوجانا اور قبل از بعثت ابوالعاص۔ عتبہ اور عتیبہ سے بیاہا جانا فریقین کا متفق علیہ مسئلہ ثابت ہوچکا ہے۔

اور جب ایسا ہے اور ضرور ایسا ہی ہے تو بلاشبہہ یہ تینوں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے ساتھ عام اس سے کہ آپ کے شوہرِ اوّل سے ہوں یا آپ کی بہن ہالہ کی۔ کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ربوبیت میں جو مجازاً ابوبیت سمجھی جاتی تھی آئیں اور تا ایامِ بلوغ و رشد دامانِ شفقت و پرورشِ رسالت براحت و آرام تمام رہکر بیاہ دی گئیں۔

اب یہ تمام اشکال۔ اختلافات اور غلط روایات جو انکے بنات النبی ثابت کرنے کی کوششوں میں محض خود غرضی اور نفسانیت سے بڑھائے گئے اور تمام اقصاءُ اقطاعِ عالم میں پھیلائے گئے۔ وہ صرف اسی غرض سے کہ ان کو بناتِ رسول میں داخل کرکے عثمان صاحب کو دامادیٔ رسولؐ کے شرف و منزلت میں جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا مقابل و مماثل ٹھیرایا جائے۔ بلکہ اس مفاخرت اور شرافت میں اُن سے بھی قدیم ثابت کیا جائے۔ بس اور کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ یہ ایسی سعی لاحاصل اور زعمِ باطل ہے کہ باوجود اتنی جانکاہ کوششوں کے اُس وقت سے لیکر آج تک دنیا اور تمام دنیا والے رقیہ کو رقیہ اور امّ کلثوم کو امّ کلثوم ہی جانتے ہیں اور جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو سیّدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ ختم المرسلین۔ فاطمۃ الزہراء۔ بتول عذراء۔ حوراء الانسیۃ۔ اشرف النساء اور افضل النساء مانتے ہیں۔ وھٰذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اب ہم ایک دوسرے طریقے سے انہی حضرات کے اقوال و مختار سے ان تینوں صاحبزادیوں کا آپ کی صلبی اولاد نہ ہونا ثابت

زینب - ام کلثوم اور رقیہ کیسے پیدا ہوگئیں۔ اور اُس پر
طرّہ تو یہ ہے کہ قبلِ بعثت سب کی سب بالغہ و راشدہ بھی
ہوگئیں۔ اور پھر ایسی کہ ایک بار نہیں دو دو بار بیاہی
بھی گئیں۔

اب دوسری طرح سے اس تعجب انگیز اور حیرت خیز امر پر
نظر ڈالی جائے۔ فریقین کے تمام علماء محدثین و مورخین
کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب جناب رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا
سے عقد فرمایا تو اُس وقت آپ کا سن مبارک ۲۵ برس
کا تھا۔ اور مبعوث برسالت ہونے کے وقت آپ چالیس
برس کے ہوچکے تھے۔ تو پندرہ برس کی کل مدت میں
قاسم - طیّب - عبداللہ - زینب - رقیہ - امّ کلثوم اور
جناب فاطمہ پیدا ہوئیں۔ اور ان میں تین صاحبزادیاں
زینب - رقیہ اور ام کلثوم بالغہ بھی ہوگئیں اور دو دو بار بیاہ
بھی دی گئیں۔ کبھی کسی کی عقل سلیم اس محال عظیم کو تسلیم
کرسکتی ہے؟

پندرہ برس کی مدت میں اتنی اولادوں کا پیدا ہونا اگر
بفرضِ محال ممکن مان بھی لیا جائے تو جناب خدیجۃ الکبرےٰ
جیسی خاتونِ معظمہ سے جن کا سنِ شریف باتفاق فریقین
عقد کے وقت چالیس برس کا ہوچکا تھا۔ جس کے بعد
فطرتاً اور معمولاً ولادت کم ہوجاتی ہے۔ دس برس کے اندر
اتنی کثیر الاولادی خلافِ عقل اور خارج از قیاس ہے۔
اور پھر بفرض محال اگر اتنے صاحبزادے اور صاحبزادیاں
کا پیدا ہونا اتنی مدت میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو اتنی
مدت کے اندر تینوں لڑکیوں کا بالغ ہونا قطعی محال ہوگا۔
اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کا قبل از
بعثت پیدا ہونا۔ بالغہ ہوجانا اور بیاہ دیا جانا۔ اور پھر
ان میں سے دو خواتین کا شوہر اوّل سے طلاق پاکر دوبارہ
بیاہے جانے پر اجماع ہوچکا ہے۔ اور اجماع بھی کیسا۔
فریقین کا۔

بہر حال۔ ان دشواریوں کے حل کرنے میں بغیر اسکے کوئی
چارہ ممکن نہیں ہے کہ شیعوں کا یہ دعوےٰ تسلیم کرلیا جائے
کہ یہ تینوں صاحبزادیاں زینب - امّ کلثوم اور رقیہ - یا تو
حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے شوہر اوّل کی لڑکیاں تھیں یا
اُن کی بہن ہالہ کی۔ کیونکہ ان تینوں لڑکیوں کا بالغہ
ہوجانا اور قبل از بعثت ابو العاص۔ عتبہ اور عتیبہ سے
بیاہا جانا فریقین کا متفق علیہ مسئلہ ثابت ہوچکا ہے۔

اور جب ایسا ہے اور ضرور ایسا ہی ہے تو بلا شبہ یہ
تینوں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے ساتھ عام اس سے
کہ آپ کے شوہر اوّل سے ہوں یا آپ کی بہن ہالہ کی۔
کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی ربوبیت میں جو مجازاً ابوبیت سمجھی جاتی تھی آئیں
اور تا ایامِ بلوغ و رشد دامانِ شفقت و پرورش رسالت
براحت و آرام تمام رہکر بیاہ دی گئیں۔

اب یہ تمام اشکال۔ اختلافات اور غلط روایات جو انکے
بنات النبی ثابت کرنے کی کوششوں میں حسب خود غرضی
اور نفسانیت سے بڑھائے گئے اور تمام اقصائے اقطاعِ
عالم میں پھیلائے گئے۔ وہ صرف اسی غرض سے کہ ان کو
بناتِ رسول میں داخل کرکے عثمان صاحب کو دامادیٔ رسولؐ
کے شرف و منزلت میں جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا
کا مقابل و مماثل ٹھیرایا جائے۔ بلکہ اس مفاخرت اور
شرافت میں اُن سے بھی قدیم ثابت کیا جائے۔ بس اور
کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ یہ ایسی سعی لاحاصل اور زعم باطل
ہے کہ باوجود اتنی جانکاہ کوششوں کے اُس وقت سے
لیکر آج تک دنیا اور تمام دنیا والے رقیہ کو رقیہ اور
امّ کلثوم کو امّ کلثوم ہی جانتے ہیں اور جنابِ سیدہ سلام اللہ
علیہا کو سیدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ ختم المرسلینؐ۔
فاطمۃ الزہراء - بتول عذراء - حوراء الانسیہ - اشرف النساء
اور افضل النساء مانتے ہیں۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء۔

اب ہم ایک دوسرے طریقے سے انہی حضرات کے اقوال و مختار
سے ان تینوں صاحبزادیوں کا آپ کی صلبی اولاد نہونا ثابت

ہم اپنی طرف سے اس دور از قیاس و عقل مسئلہ پر کوئی
رائے زنی کرنی نہیں چاہتے۔ بلکہ انہی عبد البر کی صاحب
نے امّ کلثوم اور رقیہؓ کے بڑی اور چھوٹی ہونے کے
اختلاف میں چھوٹی لڑکی کا عقد بڑی لڑکی سے پہلے
کیے جانے کو جس طرح غلط۔ غیر متعارف اور دور از قیاس
ٹھیرایا ہے اُسی کو۔ اگرچہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ مگر پھر
ناظرین کی یاد دہانی اور اصل حقیقت سمجھنے کی آسانی کے
لیے ذیل میں دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۹۳ میں مرقوم ہے:۔

ولم یختلفوا ان عثمان انما تزوج امّ کلثوم بعد
رقیۃ وفی ذلک دلیل علی ما قالہ الذین خالفوا
مصعبا فی ذلک لانّ المتعارف تزوج الکبریٰ
قبل الصغریٰ۔

اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ عثمان نے
امّ کلثوم کو رقیہ کے بعد بیاہا۔ اور یہ اُن لوگوں کے قول
پر دلیل ہے جو مصعب کے مخالف ہیں۔ کیونکہ متعارف
یہی ہے کہ بڑی لڑکی کی شادی چھوٹی لڑکی سے پہلے
کردی جاتی ہے۔

اب ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ جو کلیہ امّ کلثوم اور رقیہ کے
درمیان قائم کیا جاتا ہے۔ اور بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی
لڑکی کا بیاہا جانا خلافِ عرف بتلایا جاتا ہے۔ وہی مسئلہ
اور وہی سبب غیر متعارف یہاں رقیہ اور جنابِ فاطمہؑ
کے مابین بھی کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ اور اسی اصول کی
بناپر رقیہ کا قبل جنابِ سیدہؑ کے بیاہ دیا جانا کیوں غلط
نہیں مانا جائیگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب موضوعات کے طومار ہیں۔
اور مصنوعات کی بھرمار۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ رقیہ
جناب سیدہؑ سے سن میں بڑی تھیں۔ اور بہت بڑی
تھیں۔ وہ ہرگز آپ کی صلبی اولاد نہیں تھیں۔ بلکہ از قبیل
ربائب حضرت خدیجہؑ کے ہمراہ آئی تھیں۔ خواہ اُن کے
شوہر اول سے ہوں یا اُنکی بہن ہالہ کی صاحبزادیوں میں
ہوں۔ کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اور حسبِ دستور عرفاً اور
مجازاً حضرت رسولِ خدا صلعم کی ربیبہ صاحبزادیاں کہلائیں
اور یہیں سے زیرِ نگرانی و سرپرستی حضرت ختمی مرتبت
صلعم پہلے رقیہ عتبہ ابن ابی لہب کے ساتھ۔ پھر اُس سے
طلاق پانے کے بعد عثمان کے ساتھ بیاہ دی گئیں۔ یہ جو
طومار ہے وہ صرف عموماً حضرت عثمان کو دامادِ رسولؐ
بنانے اور خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے
اُن کو باعتبار شرفِ صہریت قدیم اور مقابل ٹھیرانے کی
اصلی غرض سے۔ اور کچھ نہیں۔

قبل اسکے کہ ہم ان صاحبزادیوں کے آپکی صلبی اولاد نہونے
کے اور دوسرے ثبوت پیش کریں۔ ہم حضراتِ اہلسنت کی
ایک اور بیمثل اور سراپا لغو موضوع روایت کو جو صرف
عثمان کی فضیلت افزائی کے لیے خاصکر گھڑی گئی ہے۔
ذیل میں اُنہی کے ماخذوں سے نقل کرتے ہیں۔

تاریخ طبری۔ خمیس دیار بکری اور روضۃ الاحباب وغیرہ سے
بالاتفاق ثابت ہے کہ ہجرتِ حبشہ کا واقعہ ۵ھ سال نبوت
میں واقع ہوا۔ صاحب استیعاب صفحہ ۷۴۸ میں تحریر
فرماتے ہیں:۔

فقال مصعب وغیرہ من اھل النسب کانت
رقیۃ تحت عتبۃ ابن ابی لھب وکانت اختھا امّ کلثوم
تحت عتیبۃ ابن ابی لھب فلما نزلت تبّت یدا
ابی لھب قال لھما ابوھما ابولھب وامّھما حمالۃ الحطب
فارقا ابنتی محمد وقال ابولھب راسی من راسکما
حرام ان لم تفارقا ابنتی محمد ففارقاھما قال
ابن شھاب فتزوج عثمان رقیۃ بمکۃ وھاجرت
معہ الی حبشۃ۔

مصعب اور دیگر صاحبانِ علم انساب کا قول ہے کہ رقیہ عتبہ
ابن ابی لہب کی بی بی تھیں اور امّ کلثوم عتیبہ ابن ابی لہب
کی۔ جب سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوا تو اُن دونوں
کے باپ ابو لہب اور اُن دونوں کی ماں حمالۃ الحطب نے
اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم دونوں محمدؐ کی دونوں بیٹیوں کو

طلاق دیدو۔ اور ابولہب نے کہا کہ اب میرا سر اور اُنکے سر اکٹھا رہنا حرام ہے۔ یعنی ہمارے اُن کے قرابت و پیوند حرام ہوگئے۔ اور اگر تم دونوں محمدؐ کی بیٹیوں سے جُدائی نہ کروگے تو ہم تم دونوں سے جُدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد رقیہؓ کا نکاح عثمان سے ہوگیا۔ اور وہ اُن کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائیں۔

اب اسی مضمون ہجرتِ عثمان و رقیہؓ کو اصابہ کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

اصابہ ص ۳۴۸ میں مرقوم ہے :-

اخرج ابن مندہ بسندہ عن هشام ابن عروة عن ابیه عن اسماء بنت ابی بکر قالت کنت احمل الطعام الی ابی وهو مع رسول الله صلعم بالغار فاستاذنه عثمان فی الهجرة الی الحبشة فحملت الطعام فقال لی ما فعل عثمان و رقیة قلت قد سارا والتفت الی ابی بکر فقال والذی نفسی بیده انه اوّل من هاجر بعد ابراهیم ولوط ع۔

یعنی ابن مندہ نے اپنی اسناد کے ساتھ ہشام سے اور ہشام نے عروہ سے اور عروہ نے اپنے باپ سے اور اُسکے باپ نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ اسماء نے بیان کیا کہ ہم اپنے باپ کے پاس کھانا لیجاتے تھے اور وہ آنحضرتؐ کے ساتھ غار میں تھے۔ تو عثمان نے اذن طلب کیا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضرتؐ نے اجازت دیدی۔ ہم جو کھانا لیکر گئے تو حضرت نے ہم سے پوچھا کہ عثمان اور رقیہؓ کیا ہوئے؟ ہم نے کہا کہ وہ تو حبشہ کی طرف چلے گئے۔ تو آپ نے ابوبکر سے کہا کہ قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم و لوط علیہما السلام کے بعد ہجرت کی ہے۔

طُرّے پر طُرّہ تو یہ ہے کہ امام بخاری صاحب عثمان صاحب کی ہجرت کو اس سے بھی اور آگے گھسیٹ لیجاتے ہیں اور انکی ہجرت کو آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد فوراً بتلاتے ہیں ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں نیز پرداختی

اب ان اختلافاتِ متفرقہ اور بیاناتِ مختلفہ کو دیکھکر ہر شخص بآسانی ان واقعات کے بے اصل اور سراپا لغو ہونیکی اصلیت اور حقیقت کو سمجھ لیگا کہ کہاں تو ۵ھ ہجری میں حضرت عثمان اور رقیہؓ کی ہجرت بتلائی جاتی تھی۔ اور اب کہاں کھینچ تان کر اُس روز ثابت کیجاتی ہے کہ جس روز آنحضرت صلعم بغرض ہجرتِ مدینہ غار میں پنہاں ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ بحرانی حالت تو بخاری صاحب کی روایت پر طاری ہے۔ جو اُن دونوں سے زیادہ اسکو قدیم بتلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن حجر مکی نے انکی اس روایت پر اعتراض کردیا ہے۔ مگر فضیلتِ عثمان کا قدم درمیان تھا۔ مجبور ہوکر اس روایت کو لکھ بھی دیا ہے۔ اور امام صاحب کی دستارِ امامت سنبھالنے کی ضرورت سے پھر ایک ایسی فضول اور بے معنی تاویل بھی کردی ہے جو تاویل کنندہ کی خفیف الحرکاتی اور تلوّن مزاجی معمولی بچّوں سے بھی زیادہ ثابت کرتی ہے۔ ابن حجر صاحب اس کی تاویل میں لکھتے ہیں :-

لان کان المراد بالغار غیر الذی کانا فیه لما هاجر الی المدینة۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ غار مراد نہو جس میں بوقتِ ہجرت آپ نے قیام فرمایا تھا۔

اب اس مردِ خدا سے خدا کا واسطہ دیکر کوئی پوچھے کہ اگر وہ غارِ ہجرت نہیں تو اور کونسا غار تھا جس میں جناب رسولِ خدا صلعم کے ساتھ حضرت ابوبکر یارِ غار بنکر چھپے تھے۔ اور جہاں اُن کی صاحبزادی مسماۃ اسماء کھانا پہنچا جاتی تھیں۔ کیا اس غار کے سوا آپ اپنی حدیث، تفسیر، تاریخ اور سیر کی کسی معمولی سے معمولی کتاب میں بھی کوئی دوسرا غار ایسی اس سراپا غلط اور بے اصل تاویل کی تائید میں دکھلا سکتے ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس وقت سے لیکر قیامت تک کوئی شہادت۔ کوئی سند۔ اس کے ثبوت میں پیش نہیں کرسکتے

پھر ایسی حالت میں جب ان حضرات کی غلط بیانیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ اُن کو کسی امر کی حقیقت اور اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں اور انکے تمام اقوال و مختارکا اصول اُن کی خود غرضی پر مبنی ہیں تو ایک تحقیق کنندہ کے آگے انکی کسی تحقیق۔ انکے کسی مختار اور ان کی کسی رائے کا کیا وزن اور اعتبار ہو سکتا ہے۔

بہر حال۔ یہ تو ان حضرات کی عام خلفا پرستی اور خصوصاً اس مقام پر حضرت عثمانؓ کے اشتہارِ فضیلت کی خود غرضانہ اور مغویانہ ترکیب و تدبیر کا ایک مختصر سا حال تھا۔ جو میرے سلسلۂ بیان میں واقع ہو گیا۔ ہم نے اسکو مثالاً اس مقام پر صرف اس غرض سے لکھدیا ہے کہ جب ان حضرات کی اظہارِ فضیلت میں اس درجہ تک خود غرضی اور نفسانیت پہنچی ہوئی ثابت ہوتی ہے تو پھر وہی حضرات حضرت عثمانؓ کی نسبت کی وجہ خاص سے ان تینوں لڑکیوں کو آنحضرت صلعم کی صلبی صاحبزادیاں بنادیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

بہر حال۔ اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے بیانات میں ان تینوں خواتین کے صلبِ رسولؐ سے نہونے کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔

ہم اس سے پیشتر چند مقامات پر شیعوں کا یہ متفق علیہ مختار لکھ آئے ہیں کہ یہ لڑکیاں آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں تھیں۔ بلکہ جناب خدیجہ کے شوہر اوّل کی یا اُن کی بہن کی لڑکیاں تھیں۔ جو اُن کے ہمراہ کاشانۂ نبوت میں رہکر حضرتؐ کی ربیبہ مشہور ہوئیں۔ اب اس مدعائے بیان کی تائید و ثبوت میں معارف امام ابنِ قتیبہ کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

کتابِ معارف ص ۳۴ میں مرقوم ہے:-

وکانت خدیجۃ عند عتیق ابن عائذ المخزومی فولدت لہ جاریۃ وتزوجھا بعدہ ابو ھالہ بناش ابن زرارۃ الاسیدی التیمی من حبیب ابن جودۃ ومات بمکۃ فی الجاھلیۃ وکانت ولدت لہ ھند ابن ابی ھالۃ فتزوجھا رسول اللہؐ ولم ینکح علیھا امرأۃ حتی ماتت وربی ابنھا ھند افکان ربیبہ وکان یقول انا اکرم الناس ابا واما واخا واختا ابی رسول اللہ صلعم وامی خدیجۃ واخی القاسم واختی فاطمۃ (علیہم السلام)

حضرت خدیجہ کا عقد پہلے عتیق ابن عائذ مخزومی سے ہوا۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ابو ہالہ ابن زرارہ اسیدی تمیمی سے جو قبیلۂ بنی حبیب ابن جردہ سے تھے۔ اور جس نے مکہ میں بحالتِ جاہلیت وفات پائی نکاح ہوا۔ اس سے ہند ابن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ بعدہ جنابِ رسول خدا صلعم سے عقد ہوا اور ہند ابنِ ابی ہالہ آپ کے ربیب تھے۔ جس پر وہ کہتے ہیں کہ میں سب لوگوں سے از روئے باپ۔ ماں۔ بھائی اور بہن کے افضل ہوں اس لیے کہ میرے باپ تو جنابِ رسولِ مقبول صلعم ہیں اور ماں حضرت خدیجہ۔ بھائی میرے حضرت قاسم ہیں اور بہن جنابِ فاطمہ (علیہم السلام)

قریب قریب یہی روایت روضۃ الاحباب ص ۵۷۵ میں بھی تحریر ہے۔

اس روایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکے کا شوہر اوّل و دوم سے حضرت خدیجہ کے پیدا ہونا۔ اور دوسری ہند ربیبِ حضرتؐ کا حضرتؐ کو باپ کہنا تیسری یہ کہ ہند نے بہنوں میں صرف جنابِ فاطمہؑ کا نام لیا۔ نہ زینب کا۔ نہ رقیہؓ کا اور نہ امِّ کلثوم کا۔ جس سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ اولادِ حضرت خدیجہ سے بھی نہیں تھیں چہ جائیکہ اولادِ رسول صلعم سے ہوں۔

اصابہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا عقد پہلے ابی ہالہ سے ہوا۔ پھر عتیق سے۔ بہر حال ہمکو اس اختلاف سے چنداں سروکار نہیں۔ بہر طور اُنہی کی مرویات سے اتنا ضرور ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلعم سے قبل حضرت خدیجہ کے دو شوہر اور بھی تھے۔ اور اُن سے اولادیں بھی ہوئیں۔ تو ایسی میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ یہ سب لڑکیاں خود حضرتؐ

پھر ایسی حالت میں جب ان حضرات کی غلط بیانیاں اس
حد تک پہنچ گئی ہیں کہ اُن کو کسی امر کی حقیقت اور اصلیت
سے کوئی واسطہ نہیں اور انکے تمام اقوال و مختار کا اصول
اُن کی خود غرضی پر مبنی ہیں تو ایک تحقیق کنندہ کے آگے
انکی کسی تحقیق۔ انکے کسی مختار اور ان کی کسی رائے کا کیا
وزن اور اعتبار ہو سکتا ہے۔

بہر حال۔ یہ تو ان حضرات کی عام خلفا پرستی اور خصوصاً اس
مقام پر حضرت عثمان کے اشتہارِ فضیلت کی خود غرضانہ اور
مغویانہ ترکیب و تدبیر کا ایک مختصر سا حال تھا۔ جو میرے
سلسلۂ بیان میں واقع ہو گیا۔ ہم نے اسکو مثالاً اس مقام
پر صرف اس غرض سے لکھدیا ہے کہ جب ان حضرات
کی اظہارِ فضیلت میں اس درجہ تک خود غرضی اور نفسانیت
پہنچی ہوئی ثابت ہوتی ہے تو پھر وہی حضرات حضرت
عثمان کی نسبت کی وجہ خاص سے ان تینوں لڑکیوں کو
آنحضرت صلعم کی صلبی صاحبزادیاں بنادیں تو کوئی تعجب
کی بات نہیں۔

بہر حال۔ اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان
پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے بیانات میں ان تینوں خواتین
کے صلبِ رسولؐ سے نہونے کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔

ہم اس سے پیشتر چند مقامات پر شیعوں کا یہ متفق علیہ مختار
لکھ آئے ہیں کہ یہ لڑکیاں آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں
تھیں۔ بلکہ جناب خدیجہ کے شوہر اول کی یا اُن کی بہن
کی لڑکیاں تھیں۔ جو اُن کے ہمراہ کاشانۂ نبوت میں
رہکر حضرتؐ کی ربیبہ مشہور ہوئیں۔ اب اس مدعا کا بیان
کی تائید و ثبوت میں معارف امام ابن قتیبہ کی اصلی عبارت
ذیل میں ملاحظہ ہو۔

کتاب معارف ص ۶۹ میں مرقوم ہے۔

وکانت خدیجۃ عند عتیق ابن عائذ المخزومی
فولدت لہ جاریۃ وتزوجہا بعدہ ابوہالہ بناش
ابن زرارۃ الاسیدی التیمی من حبیب ابن جروۃ
ومات بمکۃ فی الجاہلیۃ وکانت ولدت لہ ہند
ابن ابی ہالۃ فتزوجہا رسول اللہ ؐ ولم ینکح علیہا
امرأۃ حتی ماتت وربی ابنہا ہند افکان ربیبہ
وکان یقول انا اکرم الناس ابا واما واخا واختا
ابی رسول اللہ صلعم وامی خدیجۃ واخی القاسم
واختی فاطمۃ (علیہم السلام)

حضرت خدیجہ کا عقد پہلے عتیق ابن عائذ مخزومی سے ہوا۔
جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ابو ہالہ ابن زرارہ
اسیدی تمیمی سے جو قبیلۂ بنی حبیب ابن جروہ سے تھے۔
اور جس نے مکہ میں بحالتِ جاہلیت وفات پائی نکاح ہوا۔
اس سے ہند ابن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ بعدہ جناب رسول خدا
صلعم سے عقد ہوا اور ہند ابن ابی ہالہ آپ کے ربیب تھے۔
جس پر وہ کہتے ہیں کہ میں سب لوگوں سے از روئے
باپ۔ ماں۔ بھائی اور بہن کے افضل ہوں اس لیے کہ
میرے باپ تو جناب رسول مقبول صلعم ہیں اور ماں حضرت
خدیجہ۔ بھائی میرے حضرت قاسم ہیں اور بہن جناب فاطمہ
(علیہم السلام)

قریب قریب یہی روایت روضۃ الاحباب ص ۵۷۵ میں
بھی تحریر ہے۔

اس روایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک لڑکی اور
ایک لڑکی کا شوہر اول و دوم سے حضرت خدیجہ کی پیدا ہونا۔
اور دوسری ہند ربیب حضرت کا حضرتؐ کو باپ کہنا تیسری
یہ کہ ہند نے بہنوں میں صرف جناب فاطمہؐ کا نام لیا نہ
زینب کا۔ نہ رقیہؐ کا اور نہ ام کلثوم کا۔ جس سے اچھی طرح
معلوم ہو گیا کہ وہ اولادِ حضرت خدیجہ سے بھی نہیں تھیں
چہ جائیکہ اولادِ رسول صلعم سے ہوں۔

اصابہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا عقد
پہلے ابی ہالہ سے ہوا۔ پھر عتیق سے۔ بہر حال ہمکو اس اختلاف
سے چنداں سروکار نہیں۔ بہر طور اُنہی کی مرویات سے اتنا
ضرور ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلعم سے قبل حضرت خدیجہ کے
دو شوہر اور بھی تھے۔ اور اُن سے اولادیں بھی ہوئیں۔ تو
ایسی میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ یہ سب لڑکیاں خود حضرت

حلیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے، حضرت علیؑ کے ساتھ جنگِ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو انتہا محبت تھی۔ وہ جب عقدِ نکاح میں آئیں اُن کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آنحضرتؐ پچیس سالہ تھے۔ نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں۔ اُن کی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اسپر آپ کو رنجیدہ کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اُنکی محبت دی ہے۔

ایک دفعہ اُن کے انتقال کے بعد اُنکی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئیں۔ اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ انکی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ آپ کے کان میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ جھجھک اُٹھے اور فرمایا۔ ہالہ ہونگی۔ حضرت عائشہ بھی موجود تھیں۔ اُن کو نہایت رشک ہوا۔ بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں۔ جو مر چکی۔ اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں آپکو دی ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اُنہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تب وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی حامی نہیں تھا تو اُنہوں نے میری مدد کی۔ سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۴۲-۴۴۳۔

شمس العلماء صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے آنحضرت صلعم کی خاطر فیوض مآثر میں جناب خدیجہ اور اُن کے بعد اُن کی بہن ہالہ کی جتنی قدر و منزلت اور محبت و الفت تھی۔ وہ پورے طور سے ثابت ہوگئی۔ اسکو پڑھکر بہت تھوڑی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی بآسانی سمجھ لیگا کہ جن خواتین معظمات کے احوال پر آپ کے ایسے اشفاق ہوں اور الطاف تو اُن کے ہمراہ آئی ہوئی یا اُن کی بہن کی ساتھ لائی ہوئی بچیوں پر بمقتضائے فطرتِ انسانی اور اخلاقِ روحانی آپکے مکارم اور محاسنِ سلوک کیسے ہونگے اور کتنے۔

اس سے قبل ہم آپؐ کے ربیب ہند ابی ہالہ کی تقریر امام قتیبہ اور روضۃ الاحباب وغیرہ کی معتبر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ جس نے اس رازِ سربستہ کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور سارا مسئلہ صاف۔

اب ہم اس کے مقابلہ میں کسی دلیل اور تفصیل کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں۔ اب حضراتِ اہلسنت کے تمام بیانات اور اختلافاتِ روایات اور اُن کی مشکلات اور محالات واقعات کو ایک طرف اور شیعوں کے دعوے اور تحقیقات اور معتقدات کو ایک طرف رکھکر مقابلہ کیا جائے تو ہر تحقیق کنندہ کو معلوم ہو جائیگا کہ اصل حقیقت اور امر واقع وہی ہے جو شیعوں کا مختار ہے۔ اور جس پر ہند ابنِ ہالہ کی شہادت۔ تصدیق و توثیق خود انہی حضرات کی اقرار کردہ انہی کی معتبر اسناد سے اوپر نقل کر دی گئی ہے۔ مگر ایک حضرت عثمان کی عقد رقیہ کی غرض سے اپنے اعترافات سے انکار کیا جاتا ہے اور ہزاروں موضوعات و مصنوعات کا طومار۔

اب اس بحث کے خاتمہ میں ہم ایک ایسی شیعہ روایت جو قریب قریب سُنّی ماخذوں سے لیگئی ہے ذیل میں لکھکر

ھلیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت بلیغ تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جنگِ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔
عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو بڑی انتہا محبت تھی۔ وہ جب عقدِ نکاح میں آئیں اُن کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آنحضرتؐ پچیس سالہ تھے۔ نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں۔ اُن کی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اسپر آپ کو رنجیدہ کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اُنکی محبت دی ہے۔
ایک دفعہ اُن کے انتقال کے بعد اُنکی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئیں۔ اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ انکی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ آپ کے کان میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ جھجھک اُٹھے اور فرمایا۔ ہالہ ہونگی۔ حضرت عائشہ بھی موجود تھیں۔ اُن کو نہایت رشک ہوا۔ بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں۔ جو مر چکی۔ اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں آپکو دی ہیں صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اُنھوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تب وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی نہیں تھا تو اُنھوں نے میری مدد کی۔ سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۴۲-۴۴۳۔
شمس العلماء صاحب کی مندرجۂ بالا عبادت سے آنحضرت صلعم کی خاطر فیوض مآثر میں جناب خدیجہ اور اُن کے بعد اُن کی بہن ہالہ کی جتنی قدر و منزلت اور محبت و الفت تھی۔ وہ پورے طور سے ثابت ہوگئی۔ اسکو پڑھکر بہت تھوڑی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی بآسانی سمجھ لیگا کہ جن خواتین معظمات کی احوال پر آپ کے ایسے اشفاق ہوں اور الطاف تو اُن کے ہمراہ آئی ہوئی یا اُن کی بہن کی ساتھ لائی ہوئی بچیوں پر بمقتضائے فطرتِ انسانی اور اخلاقِ روحانی آپکے مکارم اور محاسنِ سلوک کیسے ہونگے اور کتنے۔
اس سے قبل ہم آپؐ کے ربیب ہند ابی ہالہ کی تقریر امام قتیبہ اور روضۃ الاحباب وغیرہ کی معتبر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ جس نے اس رازِ سربستہ کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور سارا مسئلہ صاف۔
اب ہم اس کے مقابلہ میں کسی دلیل اور تفصیل کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں۔ اب حضراتِ اہلسنّت کے تمام بیانات اور اختلافاتِ روایات اور اُن کی مشکلات اور محالات واقعات کو ایک طرف اور شیعوں کے دعوے اور تحقیقات اور معتقدات کو ایک طرف رکھکر مقابلہ کیا جائے تو ہر تحقیق کنندہ کو معلوم ہو جائیگا کہ اصل حقیقت اور امر واقع وہی ہے جو شیعوں کا مختار ہے۔ اور جس پر ہند ابنِ ہالہ کی شہادت۔ تصدیق و توثیق خود انہی حضرات کی اقرار کردہ انہی کی معتبر اسناد سے اوپر نقل کر دی گئی ہے۔ مگر ایک حضرت عثمان کی قدر افزائی کی غرض سے اپنے اعترافات سے انکار کیا جاتا ہے اور ہزاروں موضوعات و مصنوعات کا طومار۔
اب اس بحث کے خاتمہ میں ہم ایک ایسی شیعہ روایت جو قریب قریب سُنّی ماخذوں سے لیگئی ہے ذیل میں لکھکر

نتیجہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اب ان کی موضوعہ حکایات کے برعکس علمائے شیعہ کے متفق علیہ فیصلہ پر غور فرمائیے کہ وہ جس قدر مختصر ہے اُسی قدر کافی بھی ہے۔ اکثر حضرات حیران ہونگے کہ جس امر میں حضرات اہلسنت کے یہاں اس قدر اختلاف ہو اُس کا اس قدر آسان فیصلہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ مگر تمام دنیا کے لوگ خوب واقف ہیں کہ حق باتیں نہایت مختصر اور صاف ہوتی ہیں۔ فضول طوالت تو صرف لغویات اور مصنوعی جھوٹی باتوں میں ہوتی ہے کیونکہ اوپر کے تمام واقعات سے یہ تو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے کہ جو اہلسنت حضرات کے بیانات ہیں اُن میں کسی طرح تطابق ممکن نہیں۔

خوب یاد آیا۔ مسئلۂ زیر بحث میں ایک نکتہ تنقیح طلب باقی رہ جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اکثر حضرات کہہ سکتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ختمی مرتبت علیہ و آلہ السلام والتحیۃ کی اکلوتی صاحبزادی تسلیم کرلیجائینگی اور زینب۔ رقیہ اور ام کلثوم آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں مانی جائینگی تو پھر آیۂ وافی ہدایہ یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک میں لڑکیوں سے جو بصیغۂ جمع خطاب فرمایا گیا ہے۔ آپ کی وہ کون دوسری صاحبزادیاں مراد ہونگی؟

اس کے جواب میں ہم کوئی تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتے اس کے متعلق صرف اپنے قابل اور فاضل معاصر جناب مولوی السید محمد رضی الرضوی القمی کی وہ تحریر جو ممدوح الیہ نے اپنے قابل قدر رسالہ النظیر میں جو مختصر

نوٹ:۔ مندرجۂ بالا بحث میں جتنی اسناد و اشہاد خاصۃ عامۃ مندرج کی گئی ہیں اُن کا زیادہ تر حصہ عالیجناب فخر الحکما مولانا حکیم السید علی اظہر صاحب ادام اللہ فیوضہم کی کتاب تنقید بخاری اور دیگر رسائل و تالیفات سے مستنبط اور مرتب کیا گیا ہے جسکے لیے مؤلف حقیر جناب ممدوح الیہ کا کمال ممنون ہے اور منت گذار۔ المؤلف ولاد حیدر

مگر زیادہ جامع اور مانع تحریر سپرد قلم فرمائی ہے اُسی کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ اور اُسی کو اپنے مدعا اور ان حضرات کے جواب اور رفع شکوک ورفع توہمات کے لیے پورے طور سے کافی سمجھتے ہیں۔ وھو ھذا۔

تمام مجتہدین اور طبقۂ محققین علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدۂ طاہرہ، بتول عذرا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سوا ختمی رسالت روحی فداہ کی کوئی اور صلبی بیٹیاں نہیں تھی۔ رقیہ اور زینب ضرور ربیبۂ رسول خدا صلعم تھیں۔ اس لیے بطور مجاز بنات رسول کہلاتی تھیں۔ یا ایھا الرسول قل لازواجک وبناتک میں اسی بنا پر بنات صیغۂ جمع استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف فاطمہ زہرا ہی کے لیے تعظیماً صیغۂ جمع سے لفظ بنات استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ انکے شوہر علی کے لیے بھی آیت مباہلہ میں تعظیماً صیغۂ جمع سے لفظ انفسنا استعمال ہوا۔ اور ان کے دونوں بیٹوں حسنین کے لیے بھی تعظیماً صیغۂ جمع سے ابنائنا کہا گیا۔ صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لیے بھی مذکورہ آیت کی طرح یہاں اس آیۂ مباہلہ میں بھی صیغۂ جمع سے لفظ نسائنا استعمال ہوا ہے۔ درحالیکہ فریقین کا اتفاق ہے کہ مباہلہ میں فاطمہ کے سوا عورتوں میں سے اور کوئی نہ تھی۔ پس لفظ بنات بھی ان حضرات کے لیے مفید مطلب نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں باب الحقیقۃ والمجاز بہت وسیع ہے۔ اگر یہاں آپ اس سے انکار کریں گے تو پھر سیکڑوں مسائل میں آپ کو مجبور ہونا پڑے گا۔

مسئلۂ زیر بحث کے معقولی ثبوت

مسئلۂ زیر بحث پر منقولات کے طریقہ سے حقیقت اور اصلیت کی کافی روشنی ڈالکر اب ہم عقلی دسائل سے اپنے دعوے اور مدعائے بیان کو ذیل میں ثابت کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت کو عقلی طور پر ہمارے فاضل معاصر ممتاز الافاضل عالیجناب مولوی السید محمد ہارون صاحب نے

نتیجہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اب ان کی موضوعہ حالتوں کے برعکس علمائے شیعہ کے منتخب نتیجہ جو مشہور ہیں یہ ہے کہ وہ جس قدر مختصر ہے اُسی قدر کافی بھی ہے۔ اکثر حضرات حیران ہونگے کہ جس امر میں حضرات اہلسنت کے یہاں اس قدر اختلاف ہو اس کا اس قدر آسان فیصلہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ مگر تمام دنیا کے لوگ خوب واقف ہیں کہ حق باتیں نہایت مختصر اور صاف ہوتی ہیں۔ فضول طوالت تو صرف لغویات اور مصنوعی جھوٹی باتوں میں ہوتی ہے کیونکہ اوپر کے تمام واقعات سے یہ تو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے کہ جو اہلسنت حضرات کے بیانات ہیں اُن میں کسی طرح تطابق ممکن نہیں۔

خوب یاد آیا۔ مسئلہ زیر بحث میں ایک نکتہ تنقیح طلب باقی رہ جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اکثر حضرات کہہ سکتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ختمی مرتبت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ کی اکلوتی صاحبزادی تسلیم کر لیجائینگی۔ اور زینب۔ رقیہ اور امّ کلثوم آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں مانی جائینگی۔ تو پھر آیہ وافی ہدایہ یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک میں لڑکیوں سے جو بصیغہ جمع خطاب فرمایا گیا ہے۔ آپ کی وہ کون دوسری صاحبزادیاں مراد ہونگی۔

اس کے جواب میں ہم کوئی تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتے اس کے متعلق صرف اپنے قابل اور فاضل معاصر جناب مولوی السید محمد رضی الرضوی القمی کی وہ تحریر۔ جو ممدوح الیہ نے اپنے قابل قدر رسالہ النظیر میں جو مختصر مگر مدلل جامع اور مانع تحریر ہے قلمبند فرمائی ہے۔ اُسی کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ اور اُسی کو اپنے ناظرین اور ان حضرات کے جواب اور رفع شکوک و رفع توہمات کے لیے پورے طور سے کافی سمجھتے ہیں۔ وہو ہذا۔

تمام مجتہدین اور طبقہ محققین علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدہ طاہرہ، بتول عذرا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سوا ختمی رسالت روحی فداہ کی کوئی اور صلبی بیٹیا نہیں تھی۔ رقیہ اور زینب ضرور ربیبہ رسول خدا صلعم تھیں۔ اس لیے بطور مجاز بنات رسول کہلاتی تھیں۔ یا ایھا الرسول قل لازواجک وبناتک میں اسی بنا پر بنات صیغہ جمع استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف فاطمہ زہرا ہی کے لیے تعظیماً صیغہ جمع سے لفظ بنات استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ انکے شوہر علیؑ کے لیے بھی آیت مباہلہ میں تعظیماً صیغہ جمع سے لفظ انفسنا استعمال ہوا۔ اور ان کے دونوں بیٹوں حسنینؑ کے لیے بھی تعظیماً صیغہ جمع سے ابنائنا کہا گیا۔ صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لیے بھی مذکورہ آیت کی طرح یہاں اس آیہ مباہلہ میں بھی صیغہ جمع سے لفظ نسائنا استعمال ہوا ہے۔ درحالیکہ فریقین کا اتفاق ہے کہ مباہلہ میں فاطمہؑ کے سوا عورتوں میں سے اور کوئی نہ تھی۔ پس لفظ بنات بھی ان حضرات کے لیے مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں باب الحقیقۃ والمجاز بہت وسیع ہے۔ اگر یہاں آپ اس سے انکار کریں گے تو پھر سیکڑوں مسائل میں آپ کو مجبور ہونا پڑے گا۔

مسئلہ زیر بحث کے معقولی ثبوت

مسئلہ زیر بحث پر منقولات کے طریقہ سے حقیقت اور اصلیت کی کافی روشنی ڈالکر اب ہم عقلی دلائل سے اپنے دعوے اور مدعا کے بیان کو ذیل میں ثابت کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت کو عقلی طور پر ہمارے فاضل معاصر ممتاز الافاضل عالیجناب مولوی السید محمد ہارون صاحب نے

نوٹ:۔ مندرجہ بالا بحث میں جتنی اسناد و اشہادات خاصۃ و عامۃ مندرج کی گئی ہیں اُن کا زیادہ تر حصہ عالیجناب فخر الحکما مولانا حکیم السید علی اظہر صاحب ادام اللہ فیوضہم کی کتاب تنقید بخاری اور دیگر رسائل و تالیفات سے مستنبط اور مترتب کیا گیا ہے جسکے لیے مؤلف حقیر جناب ممدوح الیہ کا کمال ممنون ہے اور منت گزار۔ المؤلف اولاد حیدر

(۷) جب آیۂ مودّت نازل ہوا اور اصحاب نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی مودّت ہم لوگوں پر واجب کی گئی ہے۔ اور آپ کے وہ ذوی القربےٰ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ دیکھو ارجح المطالب کی یہ عبارت۔

عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الاٰية قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فی القربیٰ قالوا يا رسول الله من هؤلاء الذين امر الله تعالیٰ بمودتهم قال علی وفاطمة وابناهما۔

اس روایت کو امام احمد۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ بغوی۔ ثعلبی۔ حاکم۔ دیلمی اور طبری نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

کیوں۔ آخر رقیہؓ اور امّ کلثوم سے کیا خطا ہوئی تھی کہ انکو ذوی القربےٰ میں نہیں لیا گیا۔ اور نہ انکی محبت اہلِ اسلام پر واجب کی گئی۔ کیا دختران رسول صلعم یہ نہیں تھیں؟

(۸) سیکڑوں احادیث فضیلت میں جناب فاطمہؑ کی رسولؐ اللہ نے فرمائیں جو کتب سیر و تواریخ و احادیث میں مروی ہیں۔ مگر رقیہ اور امِ کلثوم و زینب کے متعلق ایک روایت بھی خاص فضیلت میں پیش کیجا سکتی ہے جیسی فاطمہؑ کی نسبت ارشاد فرمائی گئیں۔ ایک سچے مسلمان پاک دل اور پاک ایمان کو اس بات میں بے انتہا شبہہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کیوں کیا۔ ایک صُلبی دختر کو تو اتنا بلند مرتبہ کرکے دکھایا جائے کہ جسکی کوئی حد نہ ہو اور فرمایا جائے خیر نساء العالمین مریم بنت عمران و اسیه بنت مزاحم و خدیجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلعم۔ (استیعاب ابن عبد البر کمی ج ۲ ص ۷۴۰)

بہترین نسوانِ عالم۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلعم ہیں۔ مگر دوسری بیٹیوں کو کسی مس میں عورتوں سے بھی افضل نہ بتایا جائے۔ آخر اسکا کیا سبب؟ اگر یہ کہیے کہ آنحضرت صلعم نے دونگا

کی۔ ایک لڑکی کی نہ صرف محبت [illegible] فرمائی اور دیگر دختران صلبی کو اپنی محبت سے محروم رکھا۔ یا یہ کہیے کہ ازبسکہ وہ دختران رسولؐ ہی نہ تھیں۔ اس لیے اُن میں فضیلت دخترِ رسولؐ کہاں سے آجاتی۔ اگر آپ پہلی بات کو قبول کریں گے تو رسول اللہ صلعم کی عدالت پر حرف آئیگا اور حضرت کا کمال بدخلق ہونا ثابت ہوگا۔ حالانکہ انک لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق ہیں۔ اور اگر امر ثانی کو اختیار کیجیے گا تو ہمارا مطلب حاصل ہے۔

علاوہ بریں یہ ایک نیچرل بات ہے کہ جب کسی کی اولاد دیکھتی ہے کہ اُن کے ماں باپ کسی ایک بچے سے زیادہ محبت کرتے اور اُس کی جانبداری یا بے جا طرفداری کرتے ہیں تو انہیں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے انصاف کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر باپ سے نہیں تو ماں سے ضرور وہ شکایت کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ماں سے بھی نہیں کہہ سکتے تو اہلِ محلہ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے والدین یا صرف ماں یا باپ فلاں فرزند کو زیادہ چاہتے ہیں اور ہمیں نہیں چاہتے۔ لیکن تمام دفاتر تواریخ و سیر کو اُلٹنے کے بعد بھی حضراتِ اہلسنت اس بات کو نہیں ثابت کر سکتے کہ کبھی بھی رقیہؓ یا امِ کلثوم یا زینب نے رسولِ کریم سے یا جنابِ خدیجہ سے اس ناانصافی کی شکایت کی ہو یا کسی غیر ہی سے کنایتاً یا صراحتاً اسکا کبھی ذکر کیا ہو۔

آخر یہاں یہ قانونِ قدرت کیوں بدل گیا اور وہ نیچرل صفت جو ہر بچے میں ودیعت ہوتی ہے رقیہ اور امِ کلثوم سے کیوں زائل ہو گئی۔ کیا اس کا یہی سبب تھا کہ وہ اپنے تئیں دخترِ رسولِ خدا نہ جانتی تھیں۔ اور یہ کہ جب انکو اپنا دخترِ رسول نہ ہونا معلوم تھا تو کیونکر اور کس مُنہ سے شکایت کرتیں۔

کوئی وجہ نہیں کہ ایک رسول کی چند اولادیں ایک ہی صلب اور ایک ہی بطن سے ہوں اور پھر رسول بھی اشرف المرسلین اور مجموعۂ کمالاتِ سائر انبیا علیہم السلام پھر بھی سوائے ایک کے دوسری میں کوئی شرافت و

(۷) جب آیۂ مودت نازل ہوا اور اصحاب نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت ہم لوگوں پر واجب کی گئی ہے۔ اور آپ کے وہ ذوی القربےٰ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ دیکھو ارجح المطالب کی یہ عبارت۔

عن ابن عباس قال لما نزلت ھذہ الآیۃ قل لا استلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ قالوا یا رسول اللہ من ھؤلاء الذین امر اللہ تعالیٰ بمودتھم قال علی وفاطمۃ وابناھما۔

اس روایت کو امام احمد۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ بغوی۔ ثعلبی۔ حاکم۔ دیلمی اور طبری نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

کیوں۔ آخر رقیہؓ اور ام کلثوم سے کیا خطا ہوئی تھی کہ انکو ذوی القربےٰ میں نہیں لیا گیا۔ اور نہ انکی محبت اہل اسلام پر واجب کی گئی۔ کیا دختران رسول صلعم یہ نہیں تھیں؟

(۸) سیکڑوں احادیث فضیلت میں جناب فاطمہؑ کی رسول اللہ نے فرمائیں جو کتب سیر و تواریخ و احادیث میں مروی ہیں۔ مگر رقیہؓ اور ام کلثوم و زینب کے متعلق ایک روایت بھی خاص فضیلت میں پیش کیجا سکتی ہے جیسی فاطمہؑ کی نسبت ارشاد فرمائی گئیں۔ ایک سچے مسلمان پاک دل اور پاک ایمان کو اس بات میں بے انتہا شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کیوں کیا۔ ایک صُلبی دختر کو تو اتنا بلند مرتبہ کرکے دکھایا جائے کہ جسکی کوئی حد نہ ہو اور فرمایا جائے خیر نساء العالمین مریم بنت عمران و آسیہ بنت مزاحم وخدیجۃ بنت خویلد وفاطمۃ بنت محمد صلعم۔ (استیعاب ابن عبد البر مکی ج ۲ ص ۷۴۰)

بہترین نسوانِ عالم۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلعم ہیں۔ مگر دوسری بیٹیوں کو کسی قسم میں عورتوں سے بھی افضل نہ بتایا جائے۔ آخر اسکا کیا سبب؟ اگر یہ کہیے کہ آنحضرت صلعم نے دونوں کی۔ ایک لڑکی کی نسبت ایسا ہی فرمایا اور دیگر دختران صلبی کو اپنی شفقت سے محروم رکھا۔ یا یہ کہیے کہ ازبسکہ وہ دختران رسول ہی نہ تھیں۔ اس لیے اُن میں فضیلت دختر رسول کہاں سے آجاتی۔ اگر آپ پہلی بات کو قبول کریں گے تو رسول اللہ صلعم کی عدالت پر حرف آئیگا اور حضرت کا کمال بدخلق ہونا ثابت ہوگا۔ حالانکہ انک لعلی خلق عظیم کے مصداق ہیں۔ اور اگر امر ثانی کو اختیار کیجیے گا تو ہمارا مطلب حاصل ہے۔

علاوہ بریں یہ ایک نیچرل بات ہے کہ جب کسی کی اولاد دیکھتی ہے کہ اُن کے ماں باپ کسی ایک بچے سے زیادہ محبت کرتے اور اُس کی جا بیجا بار بار تعریف کرتے ہیں تو اُنہیں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے انصاف کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر باپ سے نہیں تو ماں سے ضرور وہ شکایت کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ماں سے بھی نہیں کہہ سکتے تو اہل محلہ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے والدین یا صرف ماں یا باپ فلاں فرزند کو زیادہ چاہتے ہیں اور ہمیں نہیں چاہتے۔ لیکن تمام دفاتر تواریخ و سیر کو اُلٹنے کے بعد بھی حضرات اہلسنت اس بات کو نہیں ثابت کر سکتے کہ کبھی بھی رقیہؓ یا ام کلثوم یا زینب نے رسول کریم سے یا جناب خدیجہ سے اس ناانصافی کی شکایت کی ہو یا کسی غیر ہی سے کنایتاً یا صراحتاً اسکا کبھی ذکر کیا ہو۔

آخر یہاں یہ قانونِ قدرت کیوں بدل گیا اور وہ نیچرل صفت جو ہر بچے میں ودیعت ہوتی ہے رقیہ اور ام کلثوم سے کیوں زائل ہو گئی۔ کیا اس کا یہی سبب تھا کہ وہ اپنے تئیں دخترِ رسولِ خدا نہ جانتی تھیں۔ اور یہ کہ جب انکو اپنا دختر رسول نہ ہونا معلوم تھا تو کیونکر اور کس مُنہ سے شکایت کرتیں۔

کوئی وجہ نہیں کہ ایک رسول کی چند اولادیں ایک ہی صلب اور ایک ہی بطن سے ہوں اور پھر رسول بھی اشرف المرسلین اور مجموعۂ کمالاتِ سائر انبیا علیہم السلام پھر بھی سوائے ایک کے دوسری میں کوئی شرافت و

امِ کلثوم بنتِ راہب کا نکاح عمر ابنِ خطاب سے
ان دو کے علاوہ ایک اور امِ کلثوم بنت [illegible]
مشہور تھی۔ وہ بھی عمر صاحب کی بی بی تھیں [illegible] زید اصغر
اور عبید اللہ متولد ہوئے۔ حدیبیہ [illegible] عمر صاحب
نے ان کو طلاق دیدی او رزید اور اُنہوں [illegible] امِ کلثوم
نے ایک وقت بعہدِ معاویہ انتقال کیا۔
اور شیشے۔ ایک اور امِ کلثوم دختر عقبہ ابنِ ابی اسیط بھی
عمر صاحب کی زوجہ تھیں۔ ان کے طلاق دینے کے بعد
حضرت عمر نے ایک اور امِ کلثوم بنتِ عاصم سے نکاح کیا۔
جس سے عاصم ابنِ عمر متولد ہوئے کذا ذکرہ فی
تاریخ الخمیس۔
اب غور کرکے سمجھ لینا چاہیے کہ جب چار یا پنج امِ کلثوم عمر
صاحب کے نکاح میں آچکی تھیں تو احتمال نام ہو جانے
میں کس کو عذر ہو سکتا ہے۔ رہا امِ کلثوم بنتِ علیؑ کا
نکاح عمر میں نہ آنا۔ اس کے ثبوت کثیر ہیں علامہ شہاب الدین
حنفی دولت آبادی جو خاصکر امام السیر مشہور ہیں حسبِ ذیل
لکھتے ہیں:۔
عہدِ عمر میں امِ کلثوم بنتِ فاطمہؑ نہایت ہی صغیر السن تھیں
ان کی عمر اُس وقت صرف چار برس کی تھی۔ شصت سالہ
عمر کا آدمی حضرت عمر کی مثال۔ ایسی صغیر السن صاحبزادی
سے کیونکر نکاح کر سکتا ہے۔

جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کا مدفنِ مطہر

جنابِ سیّدہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مقاماتِ
مدفن باختلافِ روایات چار مقامات پر بتلائے جاتے ہیں۔
ایک پشت قبرِ حضرت رسالتمآب صلعم پر مسجدِ نبوی کے
اندر۔ یہاں بلا اختلاف سُنّی شیعہ سب زیارت کرتے ہیں
یہاں قبر کی جگہ بنی ہے۔ کتبہ بھی لکھا ہوا اور دروازہ بھی
جدا بنا ہوا ہے۔
ایک مقام پر درمیانِ منبر و روضہ شریف حضرت سرورِ کائنات
صلعم۔ یہاں صرف شیعہ زیارت پڑھتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا مقبرہ روضۂ اہلبیت میں
ہے۔ یہ روضۂ مبارک جنت البقیع میں ایک سادہ گنبد ہے
جس کی عمارت زیادہ شاندار نہیں۔ اندر نقاشی کا کام
ہے۔ ضریحِ انور کی چھت پر زربفت کا کپڑا ہے۔ حضرت
فاطمہ زہرا کے مزار اقدس کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی
طلاکار چادر آویزاں ہے۔ جو کئی ہزار روپیہ میں تیار
ہوئی ہوگی۔ عمارت کے باہر دروازے پر یہ شعر (رباعی)
لکھا ہے:

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه
المصطفیٰ و المرتضیٰ و ابناهما و الفاطمه

[illegible] روضۂ مبارک کے اندر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
کا [illegible] مبارک قبلہ کی طرف ایک گوشہ میں اونچی جگہ پر
واقع [illegible]
ایک اور روایت کے مطابق آپ بیت الحزن میں مدفون ہیں جو
مقبرۂ بقیع کی [illegible] کوئی بیس قدم کے فاصلہ پر۔ وہ مقام ہے
جہاں بعدِ وفات [illegible] رسالتمآب صلعم حضرت فاطمہ زہرا آکر
رویا کرتی تھیں۔ چونکہ [illegible] یہ جگہ اُس زمانہ میں جنگل تھا اور آپ
تخلیہ میں [illegible] تھیں اس لیے گھر سے آکر یہاں بیٹھ
کر رویا کرتی تھیں [illegible] اس جگہ کا نام بیت الحزن قرار پایا۔
اور اس یادگار میں حضرت علیؑ نے جنابِ خاتونِ جنت کے انتقال کے بعد
یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی [illegible] ایک مقام دو گز لمبا اور ایک گز چوڑا
سوا گز اونچا [illegible] جس کا دروازہ آہنی ہے اور اس پر سبز مخمل
کا غلاف ہے [illegible] سیّدہ کے گرد بہت سے اشعار درج ہیں۔
جن میں [illegible] ذیل اشعار لکھے جاتے ہیں۔

[illegible] یا ربی بخیر بریة
محمد الذی لشفاعة مسلّة

اے میرے پروردگار! میں تیرے بہترین مخلوق محمد صلعم کے نام کو
قوم کی شفاعت کیلیے التجا کرتا ہوں۔

بفاطمة الزهراء البتول و عباس
ابن عبد المطلب جلاء لکل ظلمة

اور فاطمہ زہرا بتول اور عباس ابن عبد المطلب کے ناموں سے